B9ED102CCT

متعلّم کی نفسیات اور اکتساب

(Psychology of Learner and Learning)

فاصلاتی اور روایتی نصاب پر مبنی خود اکتسابی مواد

برائے

بیچلر آف ایجوکیشن

(سمسٹر اول)

نظامتِ فاصلاتی تعلیم

مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی،

حیدرآباد-32، تلنگانہ، بھارت

© مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی

کورس۔ بیچلر آف ایجوکیشن

ISBN: 978-93-80322-08-7
First Edition: August, 2018
Second Edition: July, 2019
Third Edition: March, 2021

ناشر	:	رجسٹرار، مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی، حیدرآباد
اشاعت	:	مارچ، 2021
تعداد	:	3000
کمپوزنگ	:	ڈاکٹر محمد اکمل خان
مطبع	:	کرشک پرنٹ سولیوشنس، حیدرآباد

متعلّم کی نفسیات اور اکتساب

(Psychology of Learner and Learning)

for B.Ed. 1st Semester

On behalf of the Registrar, Published by:

Directorate of Distance Education

Maulana Azad National Urdu University

Gachibowli, Hyderabad-500032 (TS), Bharat

Director: dir.dde@manuu.edu.in **Publication:** ddepublication@manuu.edu.in

Phone: 040-23008314 **Website:** manuu.edu.in

مجلس ادارت اشاعت اول ودوم

(Editorial Board-1st and 2nd Edition)

مضمون مدیر

(Subject Editor)

Prof. Mohd. Moshahid

Department of Education & Training

Maulana Azad National Urdu University

پروفیسر محمد مشاہد

شعبۂ تعلیم وتربیت

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی

زبان مدیر

(Language Editor)

Dr. Aslam Parvez

(Translator)Direcotrate of Translation & Publication

Maulana Azad National Urdu University

ڈاکٹر اسلم پرویز

ٹرانسلیٹر ،ڈائریکٹوریٹ آف ٹرانسلیشن اینڈ پبلی کیشنز

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی

نظامت فاصلاتی تعلیم

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی

گچی باؤلی، حیدرآباد۔32، تلنگانہ، بھارت

فاصلاتی اور روایتی نصاب پر مبنی خود اکتسابی مواد

(SLM Based on Distance & Regular Mode Synchronized Syllabus)

مجلس ادارت

(Editorial Board)

مضمون مدیران

(Subject Editors)

Prof. Mushtaq Ahmed I. Patel
Professor, Education (DDE)

پروفیسر مشتاق احمد آئی۔ پٹیل
پروفیسر، تعلیم (ڈی ڈی ای)

Dr. Najmus Sahar
Associate Professor, Education (DDE)

ڈاکٹر نجم السحر
اسوشی ایٹ پروفیسر، تعلیم (ڈی ڈی ای)

Dr. Sayyad Aman Ubed
Associate Professor, Education (DDE)

ڈاکٹر سید امان عبید
اسوشی ایٹ پروفیسر، تعلیم (ڈی ڈی ای)

Dr. Banwaree Lal Meena
Assistant Professor, Education (DDE)

ڈاکٹر بنواری لال مینا
اسسٹنٹ پروفیسر، تعلیم (ڈی ڈی ای)

زبان مدیران

(Language Editors)

Professor Abul Kalam
Director, DDE

پروفیسر ابوالکلام
ڈائریکٹر، ڈی ڈی ای

Dr. Mohd Akmal Khan
Guest Faculty, Urdu (DDE)

ڈاکٹر محمد اکمل خان
گیسٹ فیکلٹی، اردو (ڈی ڈی ای)

نظامت فاصلاتی تعلیم

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی

گچی باؤلی، حیدرآباد۔32، تلنگانہ، بھارت

پروگرام کوآرڈی نیٹر

ڈاکٹر نجم السحر ،اسوسی ایٹ پروفیسر (تعلیم)
نظامتِ فاصلاتی تعلیم ،مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی ،حیدرآباد

مصنفین:	**اکائی نمبر**
ڈاکٹر شفاعت احمد ،اسسٹنٹ پروفیسر ،کالج آف ٹیچر ایجوکیشن ،دربھنگہ	اکائی 1
ڈاکٹر شفاعت احمد ،اسسٹنٹ پروفیسر ،کالج آف ٹیچر ایجوکیشن ،دربھنگہ	اکائی 2
پروفیسر محمد مشاہد ،شعبۂ تعلیم وتربیت ،مانو ،حیدرآباد	اکائی 3
ڈاکٹر تلمیذ فاطمہ نقوی ،،اسسٹنٹ پروفیسر ،کالج آف ٹیچر ایجوکیشن ،بھوپال	اکائی 4
ڈاکٹر مظفر حسین ،اسسٹنٹ پروفیسر ،شعبۂ تعلیم وتربیت ،مانو ،حیدرآباد	اکائی 5

پروف ریڈرس:

اول : ڈاکٹر نوشاد حسین

دوم : ڈاکٹر شائستہ پروین

فائنل : ڈاکٹر نجم السحر

سرورق : ڈاکٹر محمد اکمل خان

فہرست

پیغام	وائس چانسلر	7
پیغام	ڈائرکٹر	8
کورس کا تعارف	کورآرڈی نیٹر	9
اکائی 1:	تعلیمی نفسیات کی فطرت اور طریقے	11
اکائی 2:	متعلّم کی نمو اور نشو ونما	31
اکائی 3:	فرد بحیثیت منفرد متعلّم	57
اکائی 4:	متعلّم کی شخصیت اور اس کا اندازۂ قدر	75
اکائی 5:	اکتساب اور حافظہ	97
	نمونہ امتحانی پرچہ	**136**

پیغام

وطنِ عزیز کی پارلیمنٹ کے جس ایکٹ کے تحت مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی کا قیام عمل میں آیا ہے اُس کی بنیادی سفارش اُردو کے ذریعے اعلیٰ تعلیم کا فروغ ہے۔ یہ وہ بنیادی نکتہ ہے جو ایک طرف اِس مرکزی یونیورسٹی کو دیگر مرکزی جامعات سے منفرد بناتا ہے تو دوسری طرف ایک امتیازی وصف ہے، ایک شرف ہے جو ملک کے کسی دوسرے اِدارے کو حاصل نہیں ہے۔ اُردو کے ذریعے علوم کو فروغ دینے کا واحد مقصد و منشا اُردو داں طبقے تک عصری علوم کو پہنچانا ہے۔ ایک طویل عرصے سے اُردو کا دامن علمی مواد سے لگ بھگ خالی ہے۔ کسی بھی کتب خانے یا کتب فروش کی الماریوں کا سرسری جائزہ بھی تصدیق کر دیتا ہے کہ اُردو زبان سمٹ کر چند ''ادبی'' اصناف تک محدود رہ گئی ہے۔ یہی کیفیت رسائل و اخبارات کی اکثریت میں دیکھنے کو ملتی ہے۔ ہماری یہ تحریریں قاری کو کبھی عشق و محبت کی پُر پیچ راہوں کی سیر کراتی ہیں تو کبھی جذباتیت سے پُر سیاسی مسائل میں اُلجھاتی ہیں، کبھی مسلکی اور فکری پس منظر میں مذاہب کی توضیح کرتی ہیں تو کبھی شکوہ شکایت سے ذہن کو گراں بار کرتی ہیں۔ تاہم اُردو قاری اور اُردو سماج آج کے دور کے اہم ترین علمی موضوعات چاہے وہ خود اُس کی صحت و بقا سے متعلق ہوں یا معاشی اور تجارتی نظام سے، وہ جن مشینوں اور آلات کے درمیان زندگی گزار رہا ہے اُن کی بابت ہوں یا اُس کے گرد و پیش اور ماحول کے مسائل ہوں۔ وہ ان سے نابلد ہے۔ عوامی سطح پر اِن شعبہ جات سے متعلق اردو میں مواد کی عدم دستیابی نے علوم کے تئیں ایک عدم دلچسپی کی فضا پیدا کر دی ہے جس کا مظہر اُردو طبقے میں علمی لیاقت کی کمی ہے۔ یہی وہ مبارزات (Challanges) ہیں جن سے اُردو یونیورسٹی کو نبرد آزما ہونا ہے۔ نصابی مواد کی صورت حال بھی کچھ مختلف نہیں ہے۔ اِسکولی سطح کی اُردو کتب کی عدم دستیابی کے چرچے ہر تعلیمی سال کے شروع میں زیرِ بحث آتے ہیں۔ چوں کہ اُردو یونیورسٹی میں ذریعہ تعلیم ہی اُردو ہے اور اس میں علوم کے تقریباً سبھی اہم شعبہ جات کے کورسز موجود ہیں لہٰذا اِن تمام علوم کے لیے نصابی کتابوں کی تیاری اِس یونیورسٹی کی اہم ترین ذمے داری ہے۔ چوں کہ اسی مقصد کے تحت اردو یونیورسٹی کا آغاز فاصلاتی تعلیم سے 1998 میں ہوا تھا۔ احقر کو اِس بات کی بے حد خوشی ہے کہ اس کے ذمے داران بشمول اساتذہ کرام کی انتھک محنت اور قلم کاروں کے بھرپور تعاون کے نتیجے میں کتب کی اشاعت کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ کم سے کم وقت میں خود اکتسابی مواد اور خود اکتسابی کتب کی اشاعت کے بعد اِس کے ذمے داران، اُردو عوام کے واسطے بھی علمی مواد، آسان زبان میں تحریر عام فہم کتابوں اور رسائل کی شکل میں شائع کرنے کا سلسلہ شروع کریں گے تا کہ ہم اِس یونیورسٹی کے وجود اور اِس میں اپنی موجودگی کا حق ادا کر سکیں۔

پروفیسر ایس ایم رحمت اللہ

وائس چانسلر؍ انچارج

مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی

پیغام

آپ تمام بخوبی واقف ہیں کہ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کا باقاعدہ آغاز 1998 میں نظامتِ فاصلاتی تعلیم اور ٹرانسلیشن ڈویژن سے ہوا تھا۔ 2004 میں باقاعدہ روایتی طرز تعلیم کا آغاز ہوا۔ متعدد روایتی تدریس کے شعبہ جات قائم کیے گئے۔ نو قائم کردہ شعبہ جات اور ٹرانسلیشن ڈویژن میں تقرریاں عمل میں آئیں۔ اس وقت کے اربابِ مجاز کے بھرپور تعاون سے مناسب تعداد میں خود مطالعاتی مواد تحریر و ترجمے کے ذریعے تیار کرائے گئے۔

گزشتہ کئی برسوں سے یو جی سی۔ ڈی ای بی (UGC-DEB) اس بات پر زور دیتا رہا ہے کہ فاصلاتی نظامِ تعلیم کے نصابات اور نظامات کو روایتی نظامِ تعلیم کے نصابات اور نظامات سے کماحقہٗ ہم آہنگ کر کے نظامتِ فاصلاتی تعلیم کے طلبا کے معیار کو بلند کیا جائے۔ چوں کہ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی فاصلاتی اور روایتی طرزِ تعلیم کی جامعہ ہے، لہٰذا اس مقصد کے حصول کے لیے یو جی سی۔ ڈی ای بی کے رہنمایانہ اصولوں کے مطابق نظامتِ فاصلاتی تعلیم اور روایتی نظامِ تعلیم کے نصابات کو ہم آہنگ اور معیار بند کر کے خود اکتسابی مواد (SLM) از سرِ نو بالترتیب یو جی اور پی جی طلبا کے لیے چھے بلاک چوبیس اکائیوں اور چار بلاک سولہ اکائیوں پر مشتمل نئے طرز کی ساخت پر تیار کرائے جارہے ہیں۔

فاصلاتی طریقۂ تعلیم پوری دنیا میں ایک انتہائی کارگر اور مفید طریقۂ تعلیم کی حیثیت سے تسلیم کیا جاچکا ہے اور اس طریقۂ تعلیم سے بڑی تعداد میں لوگ مستفیض ہو رہے ہیں۔ مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی نے بھی اپنے قیام کے ابتدائی دنوں ہی سے اردو آبادی کی تعلیمی صورت حال کو محسوس کرتے ہوئے اِس طرزِ تعلیم کو اختیار کیا۔ اِس طرح سے یونیورسٹی نے روایتی طریقۂ تعلیم سے پہلے فاصلاتی طریقۂ تعلیم کے ذریعے اردو آبادی تک تعلیم پہنچانے کا سلسلہ شروع کیا۔ پہلے پہل یہاں کے تدریسی پروگراموں کے لیے امبیڈکر یونیورسٹی اور اندرا گاندھی نیشنل اوپن یونیورسٹی کے نصابی مواد سے من وعن یا ترجمے کے ذریعے استفادہ کیا گیا۔ ارادہ یہ تھا کہ بہت تیزی سے اپنا نصابی مواد تیار کرالیا جائے گا اور دوسری یونیورسٹیوں کے مواد پر انحصار ختم ہو جائے گا، لیکن ارادہ اور کوشش دونوں ایک دوسرے سے ہم آہنگ نہیں ہو پائے، جس کی وجہ سے اپنے خود اکتسابی مواد کی تیاری میں اچھی خاصی تاخیر ہوئی۔ بالآخر منظم اور جنگی پیمانے پر کام شروع ہوا، جس کے دوران میں قدم قدم پر مسائل پیش آئے۔ مگر کوششیں جاری ہیں، نتیجتاً بہت تیزی سے یونیورسٹی نے اپنے نصابی مواد کی اشاعت شروع کردی ہے۔

نظامتِ فاصلاتی تعلیم یو جی، پی جی، بی ایڈ، ڈپلوما اور سرٹیفکیٹ کورسز پر مشتمل جملہ پندرہ کورسز چلا رہا ہے۔ بہت جلد تکنیکی ہنر پر مبنی کورسز بھی شروع کیے جائیں گے۔ متعلمین کی سہولت کے لیے 9 علاقائی مراکز (بنگلورو، بھوپال، دربھنگہ، دہلی، کولکاتا، ممبئی، پٹنہ، رانچی اور سری نگر) اور 5 ذیلی علاقائی مراکز (حیدرآباد، لکھنؤ، جموں، نوح اور امراوتی) کا ایک بہت بڑا نیٹ ورک تیار کیا ہے۔ ان مراکز کے تحت سرِ دست 155 متعلم امدادی مراکز کام کر رہے ہیں، جو طلبا کو تعلیمی اور انتظامی مدد فراہم کرتے ہیں۔ ڈی ڈی ای نے اپنی تعلیمی اور انتظامی سرگرمیوں میں آئی سی ٹی کا استعمال شروع کر دیا ہے، نیز اپنے تمام پروگراموں میں داخلے صرف آن لائن طریقے ہی سے دے رہا ہے۔

نظامتِ فاصلاتی تعلیم کی ویب سائٹ پر متعلمین کو خود اکتسابی مواد کی سافٹ کاپیاں بھی فراہم کی جارہی ہیں، نیز جلد ہی آڈیو۔ ویڈیو ریکارڈنگ کا لنک بھی ویب سائٹ پر فراہم کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ متعلمین کے درمیان رابطے کے لیے ایس ایم ایس کی سہولت فراہم کی جارہی ہے، جس کے ذریعے متعلمین کو پروگرام کے مختلف پہلوؤں جیسے کورس کے رجسٹریشن، مفوضات، کونسلنگ، امتحانات وغیرہ کے بارے میں مطلع کیا جاتا ہے۔

امید ہے کہ ملک کی تعلیمی اور معاشی حیثیت سے پچھڑی اردو آبادی کو مرکزی دھارے میں لانے میں نظامتِ فاصلاتی تعلیم کا بھی نمایاں رول ہوگا۔

پروفیسر ابوالکلام

ڈائرکٹر، نظامتِ فاصلاتی تعلیم

کورس کا تعارف

تعلیم و اکتساب کے میدان میں علم نفسیات ایک کلید کی حیثیت رکھتا ہے۔اس لیے والدین، اساتذہ اور دیگر ذمہ داران پر یہ لازم ہوجاتا ہے کہ بچوں کی نفسیات سے واقف ہوا جائے تاکہ درس وتدریس میں ان کی بہتر رہنمائی کی جا سکے۔جیسا کہ ہم تمام لوگوں کو یہ معلوم ہے کہ مختلف عمر کے بچوں کی جسمانی صلاحیتیں، ذہنی صلاحیتیں، دلچسپیاں، رجحانات، جذبات اور رویّے الگ الگ ہوتے ہیں ساتھ ہی ساتھ ان کے معلومات کی سطح میں بھی فرق ہوتا ہے۔

علم نفسیات ہم کو طلبا کی ان تمام تر صفات کو سمجھنے میں مدد فراہم کرتی ہے تاکہ ہم اس اعتبار سے ان کی رہبری کر سکیں اور درس وتدریس کا عمل کامیاب ہو سکے۔بچوں کے نفسیات کی معلومات ایک معلم کو مختلف زاویے سے مدد فراہم کرتی ہے جس سے وہ مناسب وموزوں موادِ مضمون کا انتخاب کر سکیں اور ساتھ ہی ساتھ ان کی سمجھ بوجھ اور دلچسپیوں کے اعتبار سے طریقہ تدریس کا انتخاب بھی کر سکیں۔غرضیکہ ایک کامیاب معلم کے لیے طلبا کی نفسیات کی معلومات از حد ضروری ہے۔

یہ کورس پانچ اکائیوں پر مشتمل ہے۔

پہلی اکائی میں نفسیات اور تعلیمی نفسیات کے مفہوم، فطرت اور وسعت کو بیان کیا گیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ تعلیمی نفسیات کے مختلف طریقۂ کار بالخصوص مطالعہ باطن، مشاہداتی طریقہ، تجرباتی طریقہ اور کیس اسٹڈی کو تفصیلی طور پر واضح کیا گیا ہے۔بعد ازاں ایک معلم کے لیے علمِ نفسیات کی ضرورت واہمیت پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

دوسری اکائی میں بالیدگی، نشو ونما اور پختگی کے تصور کو واضح کیا گیا ہے نیز بالیدگی اور نشو ونما کے مابین فرق کو بھی اجاگر کیا گیا ہے۔اس کے علاوہ نشو ونما کے اصول اور اس پر اثر انداز ہونے والے عوامل کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔اور ساتھ ہی ساتھ بالیدگی اور نشو ونما کے مختلف مراحل بیان کیے گیے ہیں اور نشو ونما کے اہم نظریات بھی پیش کیے گیے ہیں۔

تیسری اکائی میں انفرادی فرق کے تصور کو واضح کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے اقسام پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے اور انفرادی فرق کے وجوہات کو بھی تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔تعلیمی پروگرام کی تنظیم میں اس کی معلومات کی اہمیت بھی واضح کی گئی ہے۔

چوتھی اکائی کا تعلق طلبا اور ان کی شخصیت سے ہے جس میں شخصیت کے تصوّرات اور نظریات واضح کیے گیے ہیں۔شخصیت پر اثر انداز ہونے والے توارث اور ماحولیاتی عناصر کا جائزہ لیا گیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ شخصیت کی جانچ کے مختلف طریقۂ کار پر بھی تفصیلی گفتگو کی گئی ہے۔

آخری اکائی میں اکتساب اور یادداشت پر مشتمل مختلف عنوانات شامل کیے گیے ہیں جن میں خصوصیت کے ساتھ اکتسابی عمل، اکتساب کے اصول اور اکتساب پر اثر انداز ہونے والے عوامل ہیں۔اکتساب کے تعلق سے مختلف اہم نظریات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔اکتسابی منتقلی، حافظہ اور بھولنے کے بھی مختلف گوشوں کو شاملِ نصاب رکھا گیا ہے۔

غرض یہ کہ اس کورس میں ان تمام امور کو شامل کیا گیا ہے جو درس وتدریس کے میدان میں کافی اہمیت کے حامل ہیں۔

متعلّم کی نفسیات اور اکتساب

(Psychology of Learner and Learning)

اکائی 1۔ تعلیمی نفسیات کی فطرت اور طریقے

(Nature and Methods of Educational Psychology)

اکائی کے اجزا؛

1.1 تمہید(Introduction)

1.2 مقاصد(Objectives)

1.3 نفسیات: مفہوم، فطرت و وسعت(Psychology: Meaning, Nature and scope)

1.3.1 نفسیات کا مفہوم(Meaning of Psychology)

1.3.2 نفسیات کی فطرت(Nature of Psychology)

1.3.3 نفسیات کی وسعت(Scope of Psychology)

1.4 تعلیمی نفسیات: مفہوم، فطرت و وسعت(Educational Psychology: Meaning, Nature and Scope)

1.4.1 تعلیمی نفسیات کا مفہوم(Meaning of Educational Psychology)

1.4.2 تعلیمی نفسیات کی فطرت(Nature of Educational Psychology)

1.4.3 تعلیمی نفسیات کی وسعت(Scope of Educational Psychology)

1.5 تعلیمی نفسیات کے طریقۂ کار(Methods of Educational Psychology)

1.5.1 مشاہدہ باطن(Interospection)

1.5.2 مشاہداتی طریقہ(Obserbational Method)

1.5.3 تجرباتی طریقۂ کار(Experimental Method)

1.5.4 کیس اسٹڈی(Case Study)

1.6 مدرس کے لیے تعلیمی نفسیات کی ضرورت واہمیت

(Need and Importance of Educational Psychology for the Teacher)

1.7 یاد رکھنے کے نکات(Points to Remember)

1.8 فرہنگ(Glossary)

1.9 اکائی کے اختتام کی سرگرمیاں(Unit End Activities)

1.10 تجویز کردہ مواد(Suggested Readings)

1.1 تمہید(Introduction)

اس بات سے کوئی ان کارنہیں کرسکتا کہ انسان بےفکری اور بے نیازی کی زندگی گزارتے ہوئے بالاخر تہذیب وتمدن کے دور میں داخل ہوا ہے۔ ہر دور میں تعلیم اس کی ضرورت رہی ہے۔ پہلے تعلیم انسانی غیر رسمی طور پر محدود تھی اور بعد میں رسمی طور پر بھی دی جانے لگی۔ رسمی طور پر تعلیم اسکول، کالج اور دیگر اداروں کے ذریعے دی جاتی ہے۔ اسکول میں طلبا مختلف طبقہ اور مختلف عمر کے ہوتے ہیں اس لیے ان کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔

اس اکائی میں طلبا کو نفسیات کے مفہوم کی جان کاری ملے گی کہ نفسیات کسے کہتے ہیں کیوں کہ اکثر لوگ نفسیات کو ذہنی عمل کی سائنس تصور کرتے ہیں۔ لیکن دراصل اس کا مفہوم اس سے کچھ مختلف ہے۔ اس اکائی سے آپ یہ بھی جان سکیں گے کہ نفسیات کی فطرت کیسی ہے اور وسعت کتنی ہے۔ آپ تعلیمی نفسیات کے مفہوم، فطرت و وسعت کے بارے میں بھی جان پائیں گے۔ اس اکائی میں آپ تعلیمی نفسیات کے مختلف طریقے کار کے بارے میں سمجھ سکیں گے اور ان طریقوں کا استعمال مختلف اوقات میں کیسے کیا جائے۔ اس اکائی میں اس بات پر بحث کی گئی ہے کہ مدرس کے لیے تعلیمی نفسیات کی ضرورت واہمیت کیوں ہے۔

1.2 مقاصد(Objectives)

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- ☆ نفسیات کا مفہوم، فطرت اور وسعت بیان کرسکیں۔
- ☆ تعلیمی نفسیات کا مفہوم، فطرت و وسعت بیان کرسکیں۔
- ☆ مشاہدہ باطن کی توضیح کرسکیں۔
- ☆ تعلیمی نفسیات کے مشاہدے کے طریقے کی وضاحت کرسکیں۔
- ☆ تجرباتی اور کیس اسٹڈی طریقے کی وضاحت کرسکیں۔

1.3 نفسیات: مفہوم، فطرت و وسعت (Psychology: Meaning, Nature and scope)

نفسیات کی تعریف کرنا ایک مشکل کام اس لیے ہے کہ اس کی وسعت بہت زیادہ ہے۔ لیکن جب بھی ہم انفرادی طور پر لوگوں سے جاننے کی کوشش کرتے ہیں تو عام شخص یہی بتاتا ہے کہ یہ مضمون انسانوں کی ذہنی کیفیت کے بارے میں کچھ بتاتا ہے۔ لیکن حقیقت میں اس کا مفہوم وسیع ہے۔

1.3.1 تعلیمی نفسیات کا مفہوم (Meaning of Psychology)

دور جدید میں نفسیات سے مراد انسان اور حیوان کی ساری سرگرمی ہے چاہے وہ جسمانی ہو یا ذہنی۔ اگر اس کے لفظی معنی میں جائیں تو پتہ لگتا ہے کہ یہ لفظ یونانی زبان سے لیا گیا ہے۔ کیوں کہ یہ ظاہر ہے کہ نفسیات کا مطالعہ سب سے پہلے یونانی فلسفیوں نے شروع کیا اور جو نام سر

فہرست ہے وہ پلیٹو کا ہے۔اس کے شاگرد ارسطو نے ان کے فکر کو آگے بڑھاتے ہوئے بتایا کہ روح جاندار کا اہم جز ہے اور اس کے سبھی عمل کی بنیاد روح ہے۔اس لیے نفسیات کو ایک صدی تک روحانی سائنس کے طور پر مانا جانے لگا۔ یہ لفظ یونان زبان کے دو لفظوں سے مل کر بنا ہے یعنی سائیکی (Psyche) اور لوگس (Logos)۔سائیکی کا مطلب روح (soul) اور لوگس کا مطلب مطالعہ (study) ہے۔تو اس کا لفظی معنی روح کا مطالعہ کرنا ہے۔روح کا مطالعہ ایک پیچیدہ مسئلہ ہے اور فلسفی لوگ روح مطالعے کے مفہوم کو واضح نہیں کر سکتے تھے اس لیے آگے چل کر اس طرح کے مفہوم کو مسترد کر دیا گیا۔

یونانی فلاسفہ اسے روح کا مطالعہ نہ مان کر دماغ کا مطالعہ تصور کرنے لگے۔لیکن ان فلسفیوں کے سامنے دماغ کے تصور کو واضح کرنے میں وہ سبھی دشواریاں پیش آئیں جو روح کے تصور کو واضح کرنے میں پیش آئی تھیں۔لہٰذا آگے چل کر اسے دماغ کا مطالعہ تسلیم نہیں کیا گیا کیوں کہ کچھ ماہرین بھی اس بات پر اتفاق نہیں رکھتے تھے کہ آخر کیسے دماغ کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔اس کے بعد کچھ ماہرین جیسے فرائڈ (Freud) اور ینگ (Jung) نے انسانی نفس کو دو سطحوں میں منقسم کیا یعنی شعور (concious) اور دوسرا لاشعور (unconcious) جو انسان کے طرز عمل کو اثر انداز کرتے ہیں۔اسی دوران ماہرین نفسیات نے تحت الشعور (subconcious) کو دریافت کیا اور نفسیات کو ان تینوں سطحوں سے موسوم کیا جانے لگا۔لیکن بیسویں صدی کی ابتدا میں جے۔ بی۔ واٹسن (Watson J.B.) نے اسے طرز عمل کی سائنس (Science of Behaviour) تسلیم کیا۔جدید دور میں اسے طرز عمل کا مطالعہ کہا جاتا ہے۔طرز عمل سے مراد انسان اور چرند و پرند کے وحرکات وسکنات ہیں جنہیں دوسروں کے ذریعے براہ راست، تجربہ یا آلات کی مدد سے دیکھا و سمجھا جا سکتا ہے۔ماہرین نفسیات نے ان طرز عمل کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ایک کو ظاہری طرز عمل اور دوسرے کو باطنی طرز عمل کہتے ہیں۔ظاہر ہے کہ ظاہری طرز عمل میں انسان اور چرند و پرند کے وہ طرز عمل آتے ہیں جن کو براہ راست طور پر دیکھا جا سکتا ہے جیسے بات کرنا، چلّانا، ہنسنا، رونا، اور دوسری طرف باطنی طرز عمل میں وہ طرز عمل آتے ہیں جنہیں براہ راست طور پر نہیں بلکہ تجربہ اور آلات کی مدد سے دیکھا و سمجھا جا سکتا ہے جیسے ذہنی تناو؟ اور خوف وغیرہ۔نفسیات میں ان دونوں طرز عمل کو دیکھا جاتا ہے اس لیے اسے طرز عمل کا سائنس کہا جاتا ہے۔

جیسا کی بورنگ لونگفیلڈ اور ویلڈ (Boring Longfield & Wield) نے کہا ہے کہ ''نفسیات انسانی فطرت کا مطالعہ ہے'' جب کہ اسکنر (Skinner) نے نفسیات کو طرز عمل اور تجربہ کا علم کہا ہے۔وہیں کرو اور کرو (Crow&Crow) نے نفسیات کو انسانی طرز عمل اور انسانی تعلق کا مطالعہ کہا ہے۔جیمس ڈریور (James Drever) کے مطابق ''نفسیات ایک حقیقی سائنس ہے جو انسانوں اور حیوانوں کے اس طرز عمل کا مطالعہ کرتی ہے جو طرز عمل ان کے اندر کے احساسات اور خیالات کی ترجمانی کرتا ہے''۔اوپر کی تعریف سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ نفسیات انسان اور حیوان کے طرز عمل مطالعے کا سائنس ہے۔یہ انسانی مسائل میں سائنس کے اطلاق کی شمولیت کرتا ہے۔

1.3.2 نفسیات کی فطرت (Nature of Psychology)

یہ حقیقت ہے کہ نفسیات کی نوعیت سائنٹیفک ہے۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کی نوعیت کو سائنٹیفک کیوں کہا جاتا ہے۔جیسا کہ سائنس علم کا منظم میدان ہے جسے بڑی ہوشیاری سے حالات کا مشاہدہ کر کے جمع کیا جاتا ہے۔نفسیات میں تجربے کیے جاتے ہیں اور مشاہدہ ہوتا ہے اور دوسرے اسے دہرا سکتے ہیں۔اس میں معطیات جمع کیا جاتا ہے۔اکثر مقداری شکل میں معطیات جمع ہوتے ہیں جو دوسرے بھی اس کی تصدیق کر سکتے ہیں۔ یہ سائنٹیفک طرز نظر فرد کے تجربے کی بنیاد پر رویہ کی تشکیل سے مختلف ہوتا ہے کچھ ایسی چیزوں سے جس کی جانچ نہیں

ہوسکتی۔اس طرح تجربات اور مشاہدات سائنٹیفک نفسیات کی اہم چیزیں ہیں۔ایک سائنس کے طور پر نفسیات منظّم ہے۔تجربات اور مشاہدے سے معطیات ضروری ہیں لیکن اس کو تجربہ کے ساتھ معنی دینا ضروری ہے تاکہ واقعے کی سمجھ ہو سکے۔نفسیات سائنٹیفک اس لیے بھی ہے کہ اس میں سچائی ہوتی ہے اور سبھی جگہ اس کا نتیجہ ایک ہی ہے۔یہ سچائی کی تلاش پر زور دیتا ہے۔یہ وجہ اور اثرات کے تعلق پر یقین رکھتا ہے۔

مندرجہ بالا بحث سے نفسیات کی نوعیت کو مندرجہ ذیل نکات کے طرز پر دیکھ سکتے ہیں:

1۔ نفسیات انسان اور حیوان کے طرزِ عمل کا سائنس ہے۔

2۔ نفسیات میں مکمل طرزِ عمل یعنی ظاہری اور باطنی طرزِ عمل شامل ہیں۔

3۔ نفسیات میں توارث اور ماحول دونوں کے اثرات کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔

4۔ نفسیات کے ذریعے انسان اور حیوان کے طرزِ عمل سے متعلق نئے نئے مسائل کا حل تلاش کیا جاتا ہے۔

5۔ نفسیات کے ذریعے انسان اور حیوان کے طرزِ عمل کو سمجھ کر ترمیم اور ان کے طرزِ عمل کے بارے میں پیشن گوئی کی جاتی ہے۔

6۔ نفسیات ایک حقیقی سائنس ہونے کی وجہ سے اس کے ذریعے دریافت اور تعمیر کردہ نظریات عالمگیر اور مستند ہوتے ہیں۔اسے تجربات سے دیکھا، جانچا اور ثابت کیا جاسکتا ہے۔

1.3.3 نفسیات کی وسعت (Scope of Psychology)

نفسیات کی وسعت سے مراد اس مطالعے کی اس حد سے ہے جس حد تک اس کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔اس کی وسعت کو دو حصوں میں سمجھا جاسکتا ہے۔ایک اس کی عملی اور اطلاق کی حدود اور دوسرا ان کی شاخیں۔نفسیات کی عملی اطلاق کی حدود بہت وسیع ہے۔یہ انسان اور حیوان کے طرزِ عمل کا مطالعہ اور تشریح کرتا ہے یہاں اس بات کا بھی علم ہونا چاہیے کہ طرزِ عمل اور انسان وحیوان کے معنی وسیع ہیں۔طرزِ عمل میں زندگی سے وابستہ سرگرمی اور تجربات کی شمولیت ہے چاہے وہ وقوفی، تاثراتی، تصوری، غیر شعوری کچھ بھی ہو۔اس طرح نفسیات کی ضرورت زندگی کے ہر پہلو میں ہے تاکہ انسان کی ترقی وفلاح و بہبود ہو سکے۔انسان تجربات کی بنیاد پر سیکھتا ہے اور تجربے سے مسائل حل کیے جاتے ہیں۔انسان کا طرزِ عمل واقعی میں پیچیدہ ہے جسے مشاہدے کی بنیاد پر بھی سمجھا جاسکتا ہے۔اس میں صرف انسان ہی نہیں بلکہ جانور کے ساتھ چرند پرند بھی شامل ہیں۔

مخصوص مطالعہ کے لیے نفسیات کو مختلف شاخوں میں بانٹا جاتا ہے۔انسانوں میں بھی دونوں طرح کے انسانوں، عمومی اور غیر عمومی انسانوں کے طرزِ عمل کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔اس بنیاد پر انسانی نفسیات کی دو شاخوں کا جنم ہوا۔عمومی نفسیات (General Psychology) اور غیر عمومی نفسیات (Abnormal Psychology)۔عمومی نفسیات میں عام انسانوں کے طرزِ عمل کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔وہیں دوسری طرف غیر عمومی نفسیات میں غیر عمومی انسانوں (ذہنی طور پر پسماندہ یا اعلیٰ ذہانت والے) کے مسائل کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔

نفسیات کو دو اور شاخوں میں بانٹا جاتا ہے۔ایک خالص نفسیات اور دوسرا عملی نفسیات۔خالص نفسیات مضمون کے نظریات اور بنیاد فراہم کراتے ہیں اور اس کا مواد نفسیاتی اصول اور نظریات کی تشکیل سے ربط رکھتا ہے اور تجربہ کے لیے مختلف طریقے اور تکنیک کا مشورہ دیتا ہے۔عملی نفسیات میں خالص نفسیات کے اصول، قوانین اور نظریات کا استعمال حالات زندگی میں ہوتا ہے۔زندگی کے عموماً سبھی شعبوں، سماجی، سیاسی، صنعتی اور تعلیمی حلقوں میں نفسیاتی اصولوں اور ضابطوں کا استعمال کیا جاتا ہے۔اس میں سماجی نفسیات (Social Psychology)،

سیاسی نفسیات (Political Psychology)، صنعتی نفسیات (Industrial Psychology) ، فوجی نفسیات (Military Psychology)، طبی نفسیات (Clinical Psychology) شامل ہیں۔ اس طرح دور جدید میں نفسیات میں نئی نئی شاخوں کا فروغ ہو رہا ہے جس سے اس کی وسعت میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔

1.4 تعلیمی نفسیات: مفہوم، فطرت و وسعت

(Educational Psychology : Meaning, Nature and Scope)

جیسا کہ ہم جانتے ہیں تعلیمی نفسیات عملی نفسیات کی شاخوں میں سے ایک ہے جو تعلیمی میدان میں آنے والے مسائل سے تعلق رکھتا ہے۔ عام طور پر تعلیم کے مسائل کو سمجھنے اور ان کو حل کرنے میں ماہرین نفسیات اصولوں اور ضابطوں کے استعمال کے علم کو تعلیمی نفسیات کہتے ہیں۔ لیکن دراصل تعلیمی نفسیات کا مفہوم جدا ہے۔

1.4.1 تعلیمی نفسیات کا مفہوم (Meaning of Educational Psychology)

ہم جانتے ہیں کہ تعلیم کا مقصد انسانوں کے اندر مثبت تبدیلی لانا ہے اور جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے کہ نفسیات ایک حقیقی سائنس ہے جس میں انسان کے طرز عمل کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے دونوں کا تعلق انسانوں اور حیوانوں کے طرز عمل سے ہے اور ان دونوں میں باہمی ہم آہنگی ہے۔ تعلیم سے انسانوں کے طرز عمل میں تبدیلی لائی جاتی ہے کہ وہ سماج کا ایک اچھا رکن بن سکیں لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انسانوں کے طرز عمل کو سمجھنا ایک پیچیدہ کام ہے۔ اسی پیچیدگی کو سمجھنے اور دور کرنے کے لیے نفسیات کی مدد لینی ہوتی ہے جس کی وجہ سے نفسیات کی ایک نئی شاخ کو فروغ حاصل ہوا جسے تعلیمی نفسیات کہتے ہیں۔ بالکل واضح ہے کہ تعلیمی نفسیات، نفسیات کی ایک شاخ ہے۔ یہ ایک عملی نفسیات ہے۔

تعلیمی نفسیات نفسیات کے علم کو تعلیم کے میدان میں لاگو کرتا ہے۔ یہاں انسانوں کے طرز عمل کا مطالعہ ہوتا ہے، خاص طور پر تعلیمی ماحول سے متعلق متعلم کا طرز عمل۔ دوسرے لفظوں میں تعلیمی نفسیات، نفسیات کی وہ شاخ ہے جو تعلیمی ضرورت اور ماحول کے تعلق سے ایک متعلم کے طرز عمل کا مطالعہ کرتا ہے۔

متعدد دانشوروں نے تعلیمی نفسیات کو اصطلاحی لفظوں میں ہمہ گیر کرنے کی کوشش کی ہے جیسے کرو اینڈ کرو (Crow and Crow) کے لفظوں میں "تعلیمی نفسیات فرد کی پیدائش سے ضعیفی کی عمر تک کے سیکھنے کے تجربوں کا بیان اور تشریح کرتی ہے"۔ اسکنر (Skinner) کے مطابق "تعلیمی نفسیات کے تحت تعلیم سے متعلق مکمل طرز عمل اور شخصیت آجاتی ہے۔ جب کہ ساروے ٹیلفورڈ (Sarwrey & Telford) کا کہنا ہے کہ تعلیمی نفسیات کا تعلق سیکھنے سے ہے۔ یہ نفسیات کا وہ جز ہے جو تعلیم کے نفسیاتی پہلوؤں کی سائنٹیفک تفتیش سے خصوصی طور سے متعلق ہے۔

مندرجہ بالا تعریف سے یہ صاف ہے کہ تعلیمی نفسیات کا مطلب تعلیمی میدان میں آنے والے مسائل کو حل کرنے کے لیے نفسیات کے نظریات و اصولوں کا استعمال کیا جانا ہے۔

1.4.2 تعلیمی نفسیات کی فطرت (Nature of Educational Psychology)

یہ بات واضح ہے کہ تعلیمی نفسیات کی نوعیت سائنٹیفک ہے۔ وہ اپنی تحقیقات کے لیے سائنسی طریقوں وتکنیکوں کا استعمال کرتی ہے۔ یہ بات تو سبھی سمجھتے ہیں کہ جیسے سائنس میں مسئلے کا انتخاب ہوتا ہے اسی طرح تعلیمی نفسیات میں بھی مسئلے کا انتخاب ہوتا ہے، وہاں مفروضہ ومقاصد تیار کیے جاتے ہیں یہاں بھی مفروضہ ومقاصد تیار کیے جاتے ہیں۔ معطیات جمع کیے جاتے ہیں اور تجزیہ کیا جاتا ہے اور ان سے حاصل شدہ نتائج پر تعلیمی مسائل کا حل تلاش کیا جاتا ہے۔ اساتذہ اپنا طریقۂ تدریس تعلیمی نفسیات کے نتائج پر متعین کرتے ہیں اور اسی وجہ سے تعلیمی نفسیات کی نوعیت کو سائنٹیفک کہا جاتا ہے۔ سارے اور ٹیلفورڈ (Sarwey and Telford) نے بھی لکھا ہے کہ تعلیمی نفسیات اپنی تحقیق کے خاص طریقوں میں سائنٹیفک طریقوں کا استعمال کرتی ہے۔ کرو اینڈ کرو (Crow&Crow) نے بھی لکھا ہے کہ تعلیمی نفسیات کو عملی سائنس مانا جاسکتا ہے۔ کیوں کہ یہ انسانی طرز عمل کے تعلق سے سائنٹیفک طریقے سے طے کے گئے اصولوں اور قوانین کے مطابق سیکھنے کی تشریح کرنے کی کوشش کرتی ہے۔

مندرجہ بالا تفصیلات کی بنیاد پر تعلیمی نفسیات کی فطرت کو مندرجہ ذیل نکات میں بیان کیا جاسکتا ہے۔

1۔ تعلیمی نفسیات ایک عملی نفسیات ہے۔
2۔ تعلیمی نفسیات، نفسیات کی شاخ ہے۔
3۔ تعلیمی نفسیات کے استعمال سے انسان کے طرز عمل کو بہتر بنانے میں مدد ملتی ہے۔
4۔ تعلیمی نفسیات میں صرف انسانوں کے ہی طرز عمل کا مطالعہ کیا جاتا ہے کیوں کہ حصول تعلیم انسان سے وابستہ ہے۔
5۔ تعلیمی نفسیات ایک عملی سائنس ہے۔
6۔ تعلیمی نفسیات میں تعلیم اور نفسیات دونوں شامل ہیں۔
7۔ تعلیمی نفسیات ان سارے عوامل، تکنیک اور قوانین شامل ہیں جن کا تعلق بچے کی نشوونما سے ہے۔
8۔ تعلیمی نفسیات اکتسابی حالات اور کتسابی عمل کو بہتر اور موثر بنانے سے جڑا ہے۔

1.4.3 تعلیمی نفسیات کی وسعت (Scope of Educational Psychology)

تعلیمی نفسیات تعلیم کا سائنس ہے جو خاص کر درس وتدریس کے درپیش مسائل سے وابستہ ہے تا کہ اساتذہ متعلم کے طرز عمل میں تبدیلی کر سکیں جس سے اس کی پوری شخصیت کی نشوونما ہو سکے۔ تعلیمی نفسیات کے میدان اور موادِ مضمون کو ہم مندرجہ ذیل نکات کے تحت واضح کر سکتے ہیں۔

(1) متعلم کو سمجھنے میں مدد: تعلیمی نفسیات سے متعلم کے جسمانی، افزائش اور اس کی جینیاتی، ذہنی، لسانی، جذباتی اور سماجی نشوونما کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ یہ ہم سبھی جانتے ہیں کہ انسان کی نشوونما و افزائش کے لیے مرحلے ہیں جیسے شیر خوارگی (Infancy)، طفولیت (Childhood)، عنفوانِ شباب (Adolescence) اور بلوغت (Adulthood)۔ ایک استاد کے لیے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ متعلم کے نشوونما کے مراحل کو سمجھے اور اس کی سمجھ تعلیمی نفسیات سے ممکن ہے۔ کیوں کہ جدید دور میں تعلیم کا مفہوم بھی یہی ہے کہ

بچوں کی پوری شخصیت کی نشو ونما کی جائے۔

(2) مختلف طریقۂ کار کی جانکاری: تعلیمی نفسیات سے مشاہدہ باطن، مشاہدہ، تجربہ، کیس اسٹڈی کی جانکاری ملتی ہے۔ دوسرا ایسا کوئی مضمون نہیں ہے جس کا تعلق اس طریقۂ کار سے ہو اور وہ متعلم کے طرز عمل کو سمجھنے میں مدد کرتا ہو۔ مشاہدہ باطن کا تعلق صرف متعلم یا شاگرد سے نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق اساتذہ سے بھی ہے کیوں کہ یہ طریقہ خود کو سمجھنے میں مدد کرتا ہے۔ مشاہدہ کا طریقہ اکثر استعمال کیا جاتا ہے اور اس کے ذریعے بہت سے مسائل حل کیے جاتے ہیں۔

(3) انفرادی اختلافات: دو بچے ایک جیسے نہیں ہوتے۔ نہ صرف جسمانی طور پر بلکہ ذہنی طور پر بھی۔ ایسا کیوں ہوتا ہے اور تعلیم کے عمل میں اس کی کیا اہمیت ہے، ان سب کا مطالعہ تعلیمی نفسیات کی وسعت میں آتا ہے۔ بچوں کی ذہنی صلاحیت ایک جیسی نہیں ہوتی یہ سبھی مانتے ہیں لیکن اس کا مطالعہ تعلیمی نفسیات فراہم کرتی ہے اور ساتھ میں ذہانتی پیمائش اسی مضمون کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ بچوں کے رجحان اور رویہ کا مطالعہ بھی اس مضمون کے ذریعے فراہم کیا جاتا ہے۔ کیوں کہ ایک استاد کو یہ جانکاری رکھنی چاہیے کہ بچوں کا رجحان اور رویہ کسی مخصوص مضمون کے لیے کیا ہے۔ اگر ایک استاد یہ جانتا ہے تو اس کی درس وتدریس بہتر ہوگی۔

(4) بچوں کی خصوصی اہلیتوں کا مطالعہ: تعلیمی نفسیات بچوں کی خصوصی اہلیتوں کا بھی مطالعہ کرتا ہے اور ان کے طرز عمل کو قابو میں کرنے اور ان کی تعلیم کے لیے مخصوص تدریسی طریقوں کا ارتقا بھی اسی کے تحت کیا جاتا ہے۔

(5) اکتسابی عمل: متعلم کو جاننے اور اس طرح کے تجربات فراہم کرنے کے بعد سب سے بڑا مسئلہ یہ سامنے آتا ہے کہ اکتسابی تجربات کیسے حاصل کیے جائیں۔ اس لیے اس کا تعلق اکتساب کی نوعیت اور اکتساب کیسے بہتر ہو اس سے ہے۔ تعلیمی نفسیات طلبا کی ذہنی سطح سے ہی متعلق ہے۔ اس کا مقصد ہے کہ اکتسابی حالات کی اس طرح سے ترتیب ہو کہ طلبا کی آموزش بہتر ہو سکے۔ اس لیے اس میں اکتساب نظریات، اصول اور قوانین کا مطالعہ ساتھ حافظہ اور بھولنا پر بھی ذور دیا جاتا ہے۔

مندرجہ بالا تفصیل سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ تعلیمی نفسیات اپنے اندر بہت سے معلومات سمیٹے ہوئے ہے۔ اس میں بچوں کی صلاحیت جیسے نشو ونما، اکتساب، ذہانت، حافظہ، کس طرح بہتر ہو اس کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ اس طرح تعلیم کے میدان میں جو بھی مسائل درپیش ہیں اس کا حل تعلیمی نفسیات میں ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ تعلیمی نفسیات کا دامن بہت وسیع ہے اور تعلیم اور نفسیات سے جڑے ہوئے تمام معاملات کا مطالعہ اس میں کیا جاتا ہے۔

1.5 تعلیمی نفسیات کے طریقۂ کار: مشاہدہ باطن، مشاہدہ، تجرباتی اور کیس اسٹڈی

(Methods of Educational Psychology: Introspection, Observation, Experimental and Case study)

تعلیمی نفسیات متعلمین کے طرز عمل اس کے تعلیمی ماحول کے تعلق سے مطالعہ کرتا ہے۔ حالانکہ یہ بات واضح ہے کہ طرز عمل کے ہر پہلو کو ایک طرز نظر یعنی مشاہدے کے ذریعے مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ نتیجتاً ماہرین نفسیات نے تعلیمی نفسیات کے مطالعے کے طریقۂ کار کو سائنسی شکل فراہم کی اور ساتھ ہی ساتھ ان مطالعے کے لیے دیگر سائنسی طریقوں کو فروغ دیا۔

1.5.1 مشاہدہ باطن (Introspection)

مشاہدہ باطن سب سے پرانا طریقہ ہے۔ جب نفسیات کا ارتقا ہوا تب طرزِ عمل مطالعے کے لیے اسی طریقہ کا استعمال کیا جاتا تھا جس میں صرف طرزِ عمل کو اندرونی مشاہدہ خود کے ذریعے کیا جاتا تھا تو اسے مشاہدہ باطن کہتے تھے۔

انٹروسپیکشن (Introspection) لفظ لاطینی زبان کے دو لفظ یعنی انٹرو (Intro) اور اسپائری (Spiere) سے مل کر بنا ہے۔ انٹرو کا مطلب ہے within یعنی اندر اور اسپائری کا مطلب ہے دیکھنا (look)۔ اس طرح مشاہدہ باطن کا لفظی معنی ہوا اپنے اندر دیکھنا۔ انسانی طرزِ عمل کے ضمن میں اس کا مطلب کسی فرد کے ذریعے اپنے طرزِ عمل کا خود مطالعہ کرنا ہوتا ہے۔ اسٹاوٹ (Stout) کے مطابق ''اپنے نفس کی سرگرمیوں کا منظّم طریقے سے مطالعہ کرنا ہی مشاہدہ نفس ہے''۔

اس طریقے کو دو طرح سے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ ایک مدعی (Subject) کے ذریعے خود اپنے طرزِ عمل کا مطالعہ کرنا اور دوسرا مدعی کے ذریعے مطالعہ کار کو اپنے طرزِ عمل کا مطالعہ کرنے کے لیے کہنا۔ جدید دور میں اس کے استعمال میں اکثر انہیں جس فرد کے طرزِ عمل کا مطالعہ کرنا ہوتا ہے وہ اسی فرد (مدعی) سے اپنے طرزِ عمل کا مطالعہ خود کرنے اور اس کی وجوہات کو خود جاننے، پہچاننے کے لیے کہتے ہیں۔ اور اس کے ذریعے مطالعے کے نتیجے کو اسی سے پوچھ کر لکھتے ہیں۔ مشاہدہ باطن کے ذریعے یہ مطالعہ کے مراحل مندرجہ ذیل ہیں:

(1) سب سے پہلے مدعی کسی باہری چیز یا عمل کے تئیں اپنے ردِعمل کو دیکھتا، سمجھتا ہے۔

(2) اس کے بعد وہ اپنی ذہنی ردِعمل کا تجزیہ کرتا ہے اور اس ردِعمل کے وجوہات کا پتہ لگاتا ہے۔

(3) آخر میں وہ اپنے ردِعمل کی خوبیوں اور خامیوں کا جائزہ لیتا ہے پھر ان میں اصلاح کی فکر کرتا ہے۔

مشاہدہ باطن کی خوبیاں:

(1) یہ طریقہ کفایتی ہے۔ اس طریقے میں کسی بھی طرح کے وسائل یا آلات کی ضرورت نہیں ہوتی۔

(2) اس طریقۂ کار کا استعمال کسی بھی وقت کسی بھی جگہ کیا جا سکتا ہے۔

(3) یہ آسان طریقہ ہے اور ہر فرد کو آسانی سے فراہم بھی ہے۔

(4) اس طریقۂ کار کے ذریعے مدعی کی نفسیاتی حالت کی جانکاری براہ راست حاصل ہوتی ہے۔

(5) یہ واحد ایسا طریقہ ہے جس کی مدد سے ایک فرد اپنے جذبات اور احساسات کو جان سکتا ہے۔

(6) اس طریقۂ کار کے ذریعے کسی انسان کے طرزِ عمل کے کسی دیگر طریقے سے حاصل نتائج کی جانچ کی جا سکتی ہے۔

مشاہدہ باطن کی خامیاں:

اس طریقۂ کار کی خامیاں مندرجہ ذیل ہیں:

(1) اس طریقے سے حاصل شدہ معطیات میں تصدیق ممکن نہیں ہے۔

(2) اس طریقۂ کار سے حاصل شدہ معطیات کی استحکام اور بھروسہ مندی کی کمی رہتی ہے۔

(3) یہ طریقہ مدعی کی اپنی اہلیت اور صلاحیت پر منحصر کرتی ہے۔ اس میں فرد کو اپنے ہی تجربات، غور وفکر اور فیصلے شامل ہوتے ہیں۔ اس لیے اس کی نوعیت موضوعی ہوتی ہے۔ اس کے نتیجوں پر یقین نہیں کیا جا سکتا۔

(4) اس طریقۂ کار کا استعمال شیر خوار، اطفال اور کند ذہن افراد پر نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ ان میں اپنی ذہنی کیفیات کو سمجھنے اور ان کا تجربہ

کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی ہے۔

(5) مشاہدہ باطن کی یہ خامی ہے کہ مدعی کے ذریعے کچھ حقائق چھپائے جاسکتے ہیں۔ایسی حالت میں یہ طریقہ بے کار اور بے معنی ہوجاتا ہے۔

1.5.2 مشاہداتی طریقہ (Observation Method)

مشاہدے کا مطلب ہوتا ہے، دیکھنا اور مشاہداتی طریقۂ کار کے لفظی معنی ہیں کسی چیز یا عمل کو بامقصد دیکھنا۔قدرتی طور پر ہم بہت ساری چیزوں کو دیکھتے ہیں اور ہم لوگوں کا عمل اور طرزعمل بھی دیکھتے ہیں اور ان کے بارے میں ایک ادراک بنا لیتے ہیں۔ہم دوسرے لوگوں کو دیکھتے ہیں ان کے باتوں کو سنتے ہیں اور ہم کچھ نتیجہ نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔اس مشاہدے کی بنیاد پر ان کے خصوصیات، خامیاں، محرک، احساسات کے بارے میں نتیجہ نکالتے ہیں۔

مشاہدے کے معنی ہیں انسانی طرزعمل کے مطالعے کے ضمن میں انسان کے ظاہری طرزعمل کو دیکھنا، سمجھنا، اور اس کے متعلق حقائق کا پتہ لگانا۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ انسان کا جیسا طرزعمل ہے ویسا دیکھنا۔مثال کے طور پر کسی طلبا کو اس کے درجہ میں حوصولیابی کے تعلق سے اچھا یا خراب مانا جاتا ہے تو اس کی بنیاد مشاہدہ ہے۔

مشاہداتی طریقے کے مراحل:

(1) طرزعمل کا مشاہدہ: پہلے مرحلے میں مشاہدہ کار فرد کے ظاہری طرزعمل کو محتاط طریقے سے دیکھتا اور سمجھتا ہے۔مثال کے طور پر جب ہم کو کسی بچے کا سماجی طرز کو اگر دیکھنا ہو تو اس سے ہم کھیلتے ہوئے یا جب وہ مل جل کر بیٹھتا ہے تو مشاہدہ کر سکتے ہیں۔

(2) مشاہدہ کیے ہوئے طرزعمل کو ریکارڈ کرنا: دوسرے مرحلے میں مدعی کے ان طرزعمل کو سلسلے وار شکل میں لکھتا ہے۔طرزعمل کو قلم بند کرنے کے بعد وہ مدعی کے باہری طرزعمل کی بنیاد پر اس کی ذہنی کیفیت کا اندازہ لگاتا ہے۔

(3) طرزعمل کی تشریح اور تجزیہ: جب مشاہدہ کیے ہوئے طرزعمل کو ترتیب وار طور پر لکھ لیا جاتا ہے تو اس کی بنیاد پر مدعی کے طرزعمل کا تجزیہ کرتا ہے اور اس کی تشریح کرتا ہے۔

(4) تعمیم: تجزیہ اور تشریح کی بنیاد پر کچھ تعمیم کیے جاسکتے ہیں اور حاصل حقائق کی تعمیر کر کے اصول وضوابط قائم کیے جاتے ہیں۔

مشاہدے کے طریقے:

(1) قدرتی مشاہدے: قدرتی مشاہدے کو غیر رسمی مشاہدہ بھی کہا جاسکتا ہے۔قدرتی مشاہدے کا مطلب ہے کہ مشاہدہ قدرتی حالت میں کیا جائے۔یعنی جس میں مشاہدہ کار مدعی کے طرزعمل کا مشاہدہ بغیر کسی منصوبہ بندی کے غیر اختیاری حالات میں کرتا ہے۔اس میں نہ تو کوئی اصول ہے اور نہ کوئی نظریات۔مشاہدہ کار قدرتی حالات کو قلم بند کرتا ہے۔

(2) شریک مشاہدہ: جب مدعی کو بہت نزدیک سے دیکھنا ہو تو مشاہدہ کار اس مدعی کے گروپ میں شامل ہوجاتا ہے اور وہ اس کا دوست بن کر ان تمام چیزوں کو قلم بند کرتا جاتا ہے جس کے لیے وہ اس گروپ میں شامل ہوا ہے۔

(3) غیر شریک مشاہدہ: اس طریقے میں مشاہد کار مخصوص طرزعمل کو غیر شریک طور پر کرتا ہے۔حالانکہ یہ قدرتی حالات میں ہی ہوتا ہے اور اس لیے مدعی کو یہ پتہ نہیں لگتا کہ اس کا مشاہدہ کیا جارہا ہے۔

(4) تعمیری مشاہدہ: یہاں مشاہدہ کار ایک خاکہ بناتا ہے اس میں زمرہ بندی کرتا ہے جس مقصد کے تحت مشاہدہ کیا جانا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس کو کہہ سکتے ہیں کہ مشاہدہ کار مدعی کے طرز عمل کا مشاہدہ اختیاری حالات میں منصوبہ بند طریقے سے کرتا ہے جس میں وقت معین ہوتا ہے اور عمل کی حدود بھی طے ہوتی ہے۔

(5) غیر تعمیری مشاہدہ: یہاں مشاہدہ کار نہ تو خاکہ بناتا ہے نہ ہی کوئی حدود طے کرتا ہے۔ بلکہ یہ شریک مشاہدہ کے طرح ہی ہے۔ بغیر منصوبہ کے طرز عمل کا مشاہدہ کرتا ہے۔

مشاہداتی طریقۂ کار کی خوبیاں:

بچوں کا مشاہدہ اور اس کے طرز عمل کا مشاہداتی طریقہ بہت فائدہ مند طریقہ ہے۔ اس طریقے کا استعمال اکثر کیا جاتا ہے جس کی مندرجہ ذیل خوبیاں ہیں:

(1) اس طریقے میں طرز عمل کو لکھا جاتا ہے۔ یہ طریقہ زیادہ معقول، بھروسہ منداور معروضی ہوتا ہے۔

(2) اس طریقے سے کسی بھی بچے کے طرز عمل کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے چاہے وہ شیر خوار، طفل، نوبلوغ اور بالغ فرد ہی کیوں نہ ہو۔

(3) اس طریقے سے مخصوص بچے کے طرز عمل کا بھی مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ اس کی صلاحیتوں، رجحان، دلچسپیوں کو سمجھا جاسکتا ہے۔

(4) اس طریقے سے کسی مخصوص فرد اور افراد کے گروہ یا دونوں کے طرز عمل کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

(5) غیر تعمیری اور قدرتی مشاہدے افراد کے طرز عمل کا صحیح پتہ لگانے میں معاون ہوتے ہیں۔ کیوں کہ مشاہدہ قدرتی ماحول میں ہوتا ہے اس لیے حاصل شدہ معطیات کے تجربے کی بنیاد پر ان کے طرز عمل میں اصلاح کی جاسکتی ہے۔

(6) اس طریقے کا استعمال سبھی حالات یعنی جسمانی سرگرمی، ورکشاپ اور جماعت میں بھی کیا جاسکتا ہے۔

مشاہداتی طریقۂ کار کی خامیاں:

اس طریقۂ کار کی کچھ خامیاں بھی ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

(1) طرز عمل کو سو فی صدی لکھنا ممکن نہیں ہے جس کی وجہ سے نتیجے درست نہیں ہوتے۔

(2) مشاہدے کار کا اپنا تعصب نتیجے کو متاثر کرتا ہے۔

(3) اس طریقے کی سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ اگر مدعی کو پتہ لگ گیا کہ اس کا مشاہدہ کیا جارہا تو جس مقصد کے تحت مشاہدہ کیا جارہا ہے اس کا حصول ممکن نہیں ہے۔

(4) یہ طریقہ دوسرے سائنسی طریقے کی بہ نسبت کم بھروسہ مند ہے۔

(5) اس طریقے سے حاصل شدہ نتائج کو جانچنا ممکن نہیں ہے۔

مندرجہ بالا تفصیل سے یہ صاف ہے کہ اگر محتاط طور پر اس کا استعمال کیا گیا تو اس کے نتائج مثبت ہوں گے اس لیے اس کا مشاہدہ کار اہل، تربیت یافتہ اور غیر مفاد پرست ہو تو زیادہ فائدہ مند ثابت ہوسکتا ہے۔

1.5.3 تجرباتی طریقۂ کار(Experimental Method)

ابھی تک جو بھی طریقۂ کار کی بات ہوئی ہے وہ طریقہ طرزِ عمل کو مشاہدہ کرنے کے لیے ناکافی ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ان طریقوں میں معروضیت، سائنسی معروضیت اور واجبیت کی کمی ہے۔اس کمی کو دور کرنے میں تجرباتی طریقۂ کار ایک اہم رول ادا کرتا ہے کیوں کہ یہ طریقہ زیادہ سائنٹیفک اور معروضیت رکھتا ہے۔یہ وہی طریقہ ہے جس نے نفسیات کو سائنس کا درجہ فراہم کرایا۔

ویلیم ونٹ (William Wundt) نے 1879 میں جرمنی کے لیپجینگ (Leipzing) میں نفسیاتی لیبارٹرین قائم کی تھی اور تب سے تجرباتی طریقۂ کار مشہور ہوا۔اس طریقے کا استعمال ایک کنٹرول حالات میں کیا جاتا ہے جس میں زیادہ توجہ تجربہ پر ہوتا ہے۔لفظ ایکسپریمنٹ (experiment) لاطینی زبان کے ایکسپریمنٹم (Experimentum) سے آیا ہے جس کا مطلب ہوتا ہے، ایک کوشش (trial) یا جانچ (test)۔

تجرباتی طریقۂ کار میں مشاہدہ کار مدعی کے طرزِ عمل کا مطالعہ ایک کنٹرول حالات میں کرتا ہے۔تجربہ ہمیشہ تجربہ گاہ میں ہوتا ہے اس لیے تجربہ گاہ ضروری ہے۔تجرباتی طریقے میں دو لوگوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ایک تجربہ کرنے والا اور دوسرا جس پر تجربہ کیا جارہا ہو۔یہاں تیسری بات جو دھیان میں رکھنی چاہیے وہ ہے کنٹرول حالات (Controlled situations) یا کنٹرول متغیرہ۔کنٹرول حالات سے مطلب ایک ایسی حالات سے ہے جس میں آزاد متغیرہ میں کھل کر جوڑ توڑ کرنا ممکن ہو اور ساتھ ہی ساتھ دوسرے متغیرہ جن کے اثرات منحصر متغیرہ پر پڑسکتا ہے، کنٹرول ہوتا ہے۔نفسیات اور تعلیمی نفسیات میں ان کا استعمال کئی طریقے سے ہوتا ہے۔ایک طریقہ یہ ہے کہ انسانوں کے طرزِ عمل کے وجوہات کا پتہ لگایا جاسکے کہ وہ یہ طرزِ عمل کیونکر کررہا ہے۔دوسرا جو اہم ہے وہ یہ ہے کہ نظریات اور اصولوں کا ارتقا ہو اور تیسرا یہ کہ جو نظریات اور اصول ہمارے سامنے ہیں اس کی دوبارہ جانچ کی جاسکے۔

تجرباتی طریقہ کے مرحلے:

یہ بات واضح ہے کہ تجربہ کرنا ایک پیچیدہ کام ہے۔اس لیے تجربہ کرتے وقت مندرجہ ذیل مراحل کو دھیان میں رکھنا چاہیے۔

(1) مسئلے کا انتخاب: کسی بھی تجربہ میں سب سے پہلا مرحلہ مسئلے کے انتخاب کا ہوتا ہے۔انسانی طرزِ عمل کے مشاہدے کی بنیاد پر مسئلے کا انتخاب کیا جاتا ہے۔مسئلے کو مخصوص طور پر سمجھا جاتا ہے اور اس کی تشریح کی جاتی ہے۔مثال کے طور پر مان لیجیے کہ طلبا امتحانات میں نقل کرتے ہیں۔اس کو روکنے کے لیے کئی لوگ یہ مشورہ دیں گے کہ محتاط نگرانی کی ضرورت ہے۔لیکن اگر یہ کہا جائے کہ محتاط نگرانی میں بھی نقل ہوئی ہے تو یہی مسئلہ تجربہ کی طرف لے جاتا ہے۔

(2) مفروضات کی تشکیل: مفروضات کا مطلب کسی مسئلے کا فوری حل ہوتا ہے۔اس لیے اس مرحلے میں تجربہ کار مسئلے کا فوری حل سوچتا ہے۔مفروضات کئی طریقے کے ہوتے ہیں۔اگر اوپر کی مثال لی جایے تو یہی مفروضہ بن سکتا ہے کہ محتاط نگرانی اور لچک نگرانی سے نقل میں کوئی واضح فرق نہیں ہے۔

(3) جانچ کی صورت حال پر کنٹرول: ایک تجربہ کار تب تک درست نتیجہ نہیں دے سکتا جب تک متغیرہ کو قابو میں نہ کرلے۔اگر تجربہ کا انعقاد مختلف طلبا کے ساتھ کیا جاتا ہے جن کی اقدار مختلف ہیں تو نتیجہ بھی مختلف ہوگا۔اس لیے اس کے اثر کا مطالعہ کرنے کے لیے بقیہ سبھی متغیرہ پر اختیار یا قابو کیا جاتا ہے۔

(5) جانچ کے خاکے کا انتخاب: جانچ کے کئی خاکے ہیں۔اس لیے تجربہ کار کے لیے یہ ضروری ہوجاتا ہے کہ وہ خاکے کا انتخاب کرے کہ

کون سا خاکہ کس جانچ اور مقاصد کے لیے موزوں ہے۔

(6) مفروضات کی جانچ اور تجزیہ: سب سے پہلے ڈیٹا جمع کیے جاتے ہیں، پھر ان کے تجزیے کے ذریعے مفروضات کی جانچ کی جاتی ہے۔ مفروضات یا تو منظور کیے جاتے ہیں یا رد کیے جاتے ہیں اور اس کی بنیاد پر نتیجہ نکالا جاتا ہے۔

(7) تعمیم: نتیجے میں تجربہ کار اپنے ہی تجربے کے نتیجے کی بازیافت کرتا ہے اگر وہ اپنے کیے ہوئے تجربات کو درست پاتا ہے تو اسے اصول یا ضوابط میں ماخوذ کرتا ہے۔

تجرباتی طریقۂ کار کی خوبیاں:

تجرباتی طریقہ زیادہ سائنٹفک ہے اور اس کی مندرجہ ذیل خوبیاں ہیں:

(1) تجرباتی طریقہ ایک نظم و ترتیب رکھتا ہے۔

(2) تجرباتی طریقۂ کار میں متغیرہ اور حالات کو کنٹرول کیا جاتا ہے جو زیادہ درست مشاہدے میں مدد کرتا ہے۔

(3) تجرباتی طریقہ سائنسی، معروضی، معقول اور بھروسہ مند طریقہ ہے۔

(4) اس طریقے سے حاصل شدہ نتائج درست اور بھروسہ مند ہوتے ہیں۔

(5) اس طریقے سے حاصل شدہ نتائج کی دوبارہ جانچ کی جاسکتی ہے۔

(6) یہ طریقہ مسئلے کی درست معلومات دیتا ہے۔

(7) یہ طریقہ وجہ اور اثرات کے درمیان تعلق قائم کرتا ہے۔

تجرباتی طریقہ کی خامیاں:

اس طریقے کی خامیاں مندرجہ ذیل ہیں:

(1) تجرباتی طریقے کے لیے تجربہ گاہ کی ضرورت ہوتی ہے اور تجربہ گاہ میں ساز و سامان چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ مہنگا ہے۔

(2) تجرباتی طریقے میں کافی وقت درکار ہے۔

(3) تجربہ کا انعقاد قدرتی نہ ہو کر مصنوعی ہوتا ہے جو اصل زندگی سے الگ ہے۔ تجربہ گاہ میں مدعی محتاط ہو جاتا ہے۔ اپنی فطری ردعمل نہ کرکے محتاط ردعمل کرتا ہے۔ جس کی وجہ سے اختراعی کی کمی ہو جاتی ہے۔

(4) تجرباتی طریقے کے لیے خصوصی علم کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے یہ مانا جاتا ہے کہ سبھی اساتذہ تجربہ نہیں کر سکتے۔

(5) مدعی کے طرزِ عمل سے متعلق بقیہ سبھی متغیرات کو قابو میں کرنا ممکن نہیں ہے۔

(6) اس کی وسعت محدود ہے کیوں کہ نفسیات کے سبھی مسائل کا حل اس طریقے سے ممکن نہیں ہے۔

تجربہ کا طریقہ ایک بہترین طریقہ ہے کیوں کہ نفسیات کے جتنے بھی نظریات اور اصول آئے ہیں اسی کے نتیجہ میں آئے ہیں۔ لیکن صرف یہ واحد طریقہ نہیں ہے جس کا استعمال کرکے ہی انسانوں کے طرزِ عمل کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔

1.5.4 کیس اسٹڈی طریقہ (Case Study)

کیس اسٹڈی کا طریقہ ایک مخصوص تحقیقی طریقہ ہے۔ تعلیم کا مقصد چوں کہ بچے کی شخصیت کی پوری نشو و نما ہے اور بچے کی شخصیت کی

پوری نشوونما میں مختلف افراد، مختلف گروہ، ادارے اور واقعات کا مثبت رول ہوتا ہے۔اسی لیے سبھی کے طرزعمل کو سمجھنا اور اسے ایک سمت میں نشوونما کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے۔کسی فرد یا بچے یا بالغ شخص کے کسی غیر معمولی طرزعمل کے وجوہات کا پتہ لگانے اور مناسب سمت دینے کے لیے اس کی زندگی کے بارے میں تفصیل سے جاننے کی ضرورت پڑتی ہے۔نشوونما کے سبھی مراحل جس سے وہ گزر چکا ہے اس کو جاننا ہے۔ ہر مرحلے میں مدعی کے توارثی، خاندانی اور سماجی ماحول، جسمانی نشوونما، جذباتی نشوونما، اخلاقی نشوونما، رجحان، دلچسپی اور عادتوں، اس کی تعلیمی ترقی وغیرہ کے ضمن میں معلومات حاصل کی جاتی ہے۔ پیدائش سے لے کر اس کی موجودہ عمر تک کے مخصوص واقعات جن کی وجہ سے ان کا طرز عمل متاثر ہوا ہے ان کی پوری معلومات حاصل کی جاتی ہے۔کسی فرد کے بارے میں اس طرح کی جانکاری حاصل کرنا ہی کیس اسٹڈی کہلاتا ہے۔لیکن یہاں صرف یہ نہیں سمجھ لینا چاہیے کی کیس اسٹڈی صرف فرد کی ہوتی ہے بلکہ یہ بھی یاد رکھیں کہ اس کے کئی اقسام ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

(1) فرد یا شخص : یہاں فرد یا شخص سے مراد یہ ہے کہ چاہے وہ بچہ ہو، نوجوان ہو یا بالغ ہو اس کا کیس اسٹڈی ہوسکتا ہے کسی خاص مقصد کے تحت۔

(2) گروپ :لوگوں کے مجموعے کا مطالعہ جیسے ایک خاندان یا دوستوں کے چھوٹے گروپ کا کیس اسٹڈی

(3) مقام :کسی مقام کا بھی کیس اسٹڈی کیا جا سکتا ہے۔

(4) تنظیم :ایک تنظیم، ایک کمپنی کا مطالعہ کہ کیسے ایک ساتھ کام کرتے ہیں۔

(5) واقعات :کسی مخصوص سماجی یا ثقافتی واقعات کا مطالعہ کیس اسٹڈی کے مندرجہ ذیل مراحل ہیں:

(1) تیاری: پہلے مرحلہ میں تحقیق کاران سبھی اقسام یا مواد سے واقفیت حاصل کرتا ہے جن کی تفتیش کرنی ہے۔اس کے لیے تحقیق کار کو ان سبھی مطالعہ، سروے، تجربات ونظریات کا تجزیہ کرتا ہے جو اس سے متعلق ہوں۔تحقیقی الفاظ میں اس کو متعلقہ مواد کا جائزہ بھی کہتے ہیں۔ یہ وہ مواد ہیں جو ایک تحقیق کار کو آگے کی تفتیش میں مدد کرتا ہے۔دوسرے لفظوں میں یہ ایک طرح کا تعارف ہے جو تحقیق کار کو نقل کرنے سے بھی بچاتا ہے اور تحقیق کے لیے راہ ہموار کرتا ہے۔

(2) مدعی کا انتخاب : مدعی کا انتخاب ایک اہم مسئلہ ہے کیوں کہ اسی کے اوپر پورے تحقیق کا دارومدار ہے۔اس مرحلے میں یہ دھیان میں رکھنا ہے کی مدعی کا انتخاب کیوں کرنا ہے۔اس تحقیق کے مقاصد کیا ہیں۔

(3) معطیات جمع کرنا: اگر کسی فرد کا کیس اسٹڈی کرنا ہے تو اس فرد کے بارے میں مکمل جانکاری یا معلومات حاصل کرنی ہوگی جیسے اس کا نام، عمر، جنس اور اس کے ماں باپ کی تعلیمی سطح وغیرہ اور انہیں قلم بند کرنا ہوگا۔اس کے بعد مطالعہ کار مدعی کے ماں باپ اور خاندان کے دیگر اراکین سے مدعی کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کرتا ہے۔ یہ معلومات ماں کے شکم سے لے کر موجودہ وقت کی ہوتی ہیں۔جیسے جب وہ ماں کے شکم میں تھا تو ماں کی جسمانی و ذہنی صحت کیسی تھی۔اس کی جذباتی کیفیت کیسی تھی یعنی وہ خوش رہتی تھی یا غمگین رہتی تھی؟ جب اس کے بچے کی پیدائش ہوئی تو اس وقت بچے کی صحت کیسی تھی، کن حالات میں ان کی پرورش ہوئی؟ اس کے طرزعمل میں یہ تبدیلی کیسے آئی؟ اس کی دلچسپیاں کیا ہیں؟ عادتیں کیا ہیں وغیرہ۔تحقیق کاران سبھی نکات کو قلم بند کرتا ہے۔تحقیق کار فرد سے متعلق مزید جانکاری کے لیے سماج کی مدد لیتا ہے۔کیوں کہ انسان ایک سماجی جانور ہے وہ سماج میں ہی رہ کر اپنی فلاح و بہبود کرتا ہے۔سماج لوگوں کے مجموعے کا نام ہے جس کے کچھ خاص مقاصد ہوتے ہے۔اس لیے فرد سے متعلق تحقیق کار پڑوسیوں دوستوں،

ہم جماعت ساتھیوں اور اساتذہ وغیرہ سے مدعی کے موجودہ حالات کے بارے میں معلومات حاصل کرتا ہے اور اس کو قلم بند کرتا ہے۔

(4) معطیات کا تجزیہ کرنا: حاصل شدہ معطیات کی بنیاد پر تحقیق کار معطیات کا تجزیہ کرتا ہے اور فرد کے مخصوص طرز عمل کا پتہ لگاتا ہے۔

کیس اسٹڈی کی خوبیاں:

اس طریقے کی خوبیاں مندرجہ ذیل ہیں:

(1) نئی تحقیق کے لیے محرک کا کام کرتا ہے۔ کبھی کبھی کوئی کیس اسٹڈی کسی خاص طرز عمل کو دیکھتا ہے جس سے ایک نئے کیس کا پتہ لگتا ہے۔

(2) کیس اسٹڈی سے مدعی کے مخصوص طرز عمل کی وجوہات کی تفصیل اور اس کی درست معلومات حاصل کی جا سکتی ہیں۔

(3) یہ طریقہ بھروسہ مند ہوتا ہے کیوں کہ جب ہم کسی فرد سے متعلق معطیات جمع کرتے ہیں تو اس میں سچائی ہوتی ہے اور اس کی بنیاد پر معقول نتیجہ نکلتا ہے۔

(4) اس طریقے کی مدد سے غیر معمولی بچوں کے طرز عمل کے عناصر کا پتہ لگا کر انہیں دور کیا جاتا ہے۔ ان کے طرز عمل کو مناسب سمت فراہم کی جاتی ہے۔

کیس اسٹڈی طریقہ کی خامیاں:

اس طریقے کی مندرجہ ذیل خامیاں ہیں:

(1) نقش ثانی ممکن نہیں ہے۔ یہ ایک وقت میں ایک فرد کے طرز عمل کا مطالعہ اور اس کے حصول معطیات صرف اسی فرد کے لیے درست ہے اور اس کے نتائج کو دہرایا نہیں جا سکتا۔

(2) اس میں بہت زیادہ وقت درکار ہے۔

(3) خود تحقیق کار کے تعصب کا شکار ہو سکتا ہے۔

(4) یہ طریقہ مطالعہ کار کی مہارت اور مدعی سے متعلق افراد کے ذریعے فراہم کی گئی معلومات پر منحصر کرتا ہے۔ عموماً پڑوسی، دوست، گروپ وہ سب جانکاری نہیں دیتے جو مدعی کے بارے میں اہم ہوتی ہیں۔ والدین بھی جان بوجھ کر اکثر باتیں چھپا لیا کرتے ہیں۔ اس لیے درست نتیجہ نکالنا بہت مشکل ہوتا ہے۔

مندرجہ بالا تفصیلات سے یہ ظاہر ہے کہ کیس اسٹڈی طریقے کی ایک الگ اہمیت ہے۔ اس طریقے کے ذریعے بہت سے بچے جیسے کمزور، شرارتی، پسماندہ، کند ذہن کے طرز عمل کا مطالعہ کر کے ان کی ان کمزوریوں کو سمجھا اور دور کیا جا سکتا ہے۔

1.6 مدرس کے لیے تعلیمی نفسیات کی ضرورت واہمیت

(Need and Importance of Educational Psychology for the Teacher)

تعلیم ہی ایک واحد ذریعہ جس سے انسان حیوان سے الگ ہوتا ہے۔ تعلیم سے نہ صرف انسان ترقی کرتا ہے بلکہ ملک کی ترقی بھی تعلیم پر منحصر ہے۔ جس ملک کے لوگ جتنے تعلیم یافتہ ہوں گے وہاں کا معیار اتنا ہی اونچا ہوگا۔ دنیا میں کوئی ایسا ملک نہیں ہے جو اس بات سے انکار

کرے۔ سقراط نے بھی تعلیم کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے کہا کہ تعلیم کا مطلب ہے ہر انسان کے دماغ میں پوشیدہ شکل میں کائنات سے تسلیم شدہ موجودہ خیالات کو واضح کرنا اور گاندھی جی کی باتوں پر غور کریں تو وہ کہتے تھے کہ تعلیم سے میرا مطلب ان بہترین خوبیوں کا اظہار ہے جو بچے کے جسم، دماغ اور روح میں پوشیدہ ہیں۔

اس طرح ایجوکیشن کا مطلب آ گاہی علم ہے۔ ہم سبھی جانتے ہیں کہ تعلیم کئی طریقے سے دی جاتی ہے۔ اس میں ایک رسمی تعلیم بھی ہے۔ کسی بھی ملک کی رسمی تعلیم کا معیار وہاں کے علم فراہم کرنے والے پر ہی منحصر کرتا ہے۔ علم فراہم کرنے والے کو معلم، مدرس، استاد اور ٹیچر کہا جاتا ہے۔ درس وتدریس ایک پیچیدہ عمل ہے۔ لیکن ایک فن بھی ہے۔ اس کے لیے تربیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ دور جدید میں تعلیمی نفسیات اساتذہ کے لیے بہت اہم ہے اور اس سے اساتذہ کو زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانا چاہیے۔ تعلیمی نفسیات ایک مدرس کو طریقہ تدریس اور پیشہ ورانہ صلاحیتوں کو اجاگر کرتی ہے اور ان کو ایک کامیاب مدرس بنانے میں معاون ہوتی ہے۔

تعلیمی میدان میں تعلیمی نفسیات کے تعاون سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ تعلیم ایک استاد کو بنیادی مہارت فراہم کرتا ہے اور اسی مہارت اور رہنمائی کی وجہ سے تعلیمی عمل میں آنے والے پیچیدگی اور مسائل کو حل کرتا ہے۔ اساتذہ کے لیے اس کی افادیت، ضرورت اور اہمیت کو مندرجہ ذیل نکات پر تفصیل سے سمجھا جاسکتا ہے۔

(1) تعلیم کے تصور کو سمجھنے میں معاون: درس وتدریس کے میدان میں ایک استاد کے لیے یہ ضروری ہوجاتا ہے کہ وہ تعلیم کے تصور کو واضح طور پر سمجھے۔ حالانکہ مختلف ماہرین نے اپنے اپنے طریقوں سے تعلیم کی تعریفات بیان کی ہیں لیکن تعلیمی نفسیات میں تعلیم کی سائنسی تعریف بیان کی گئی ہے۔ اس مطالعے سے اساتذہ کو تعلیم کا تصور بہتر طور پر واضح ہوجاتا ہے اور وہ تعلیم کو صحیح شکل فراہم کرنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں۔

(2) تعلیم کے مقاصد کی حصولیابی کے امکان اور ہدف متعین کرنے میں معاون: فلسفیوں، ماہرین عمرانیات، سماجیات وسیاسیات ہی تعلیم کے مقاصد کو متعین کرتے ہیں لیکن یہ مقاصد کس سطح پر کس حد تک اور کیسے حاصل کیے جاسکتے ہیں اس کام میں تعلیمی نفسیات اساتذہ کو مدد فراہم کرتی ہے۔

(3) تعلیمی نصاب کی تعمیر اور انتخاب میں معاون: نصاب کی تعمیر کرتے وقت تعلیمی نفسیات مددگار ثابت ہوتی ہے۔ اس مطالعے سے اساتذہ بچوں کی جسمانی اور ذہنی عمر اور ان کی ذہنی پختگی کے نظریہ سے تعلیم کی مخصوص سطح کے لیے مناسب نصاب تعلیم کی تشکیل کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں اور ساتھ ہی مناسب مواد مضمون اور تدریسی سرگرمیوں کے انتخاب میں کامیاب ہوتے ہیں۔

(4) متعلم سے واقفیت: تعلیم کے میدان میں متعلم کی اپنی اہمیت ہے۔ آج کے دور میں نصاب، متعلم کے اردگرد ہی رہتا ہے جسے طفل مرکوزیت کہتے ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ تعلیم کا مقصد بچے کی پوری شخصیت کی نشوونما کرنا ہے۔ اس لیے معلم کے لیے ضروری ہوجاتا ہے کہ درس وتدریس کی کامیابی کے لیے وہ متعلم کی پوشیدہ صلاحیتوں سے بخوبی واقف ہو۔ تعلیمی نفسیات بچوں کی ذہانت، دلچسپیاں، رجحان، نقطۂ نظر، اکتسابی یا فطری صلاحیتیں اور اہلیتوں سے واقفیت کراتی ہے۔ اساتذہ تعلیمی نفسیات کی جانکاری کے بعد یہ سمجھ پاتے ہیں کہ نشوونما کے مختلف مراحل ہیں جس میں متعلم کی سماجی، جذباتی، دانشورانہ طبعی اور جمالیاتی ضرورتوں کے ادراک سے واقفیت کراتی ہے۔ تعلیمی نفسیات سے متعلم کی اکتساب کے لیے آمدگی کے اصول اور اس کی واقفیت ایک استاد کو ملتی ہے۔ یہ ضروری ہے کہ استاد طلبا کی آمادگی کا خیال رکھے۔ یعنی اگر طلبا سبق کو سیکھنے میں آمادہ ہے تو ایک استاد کو یقین ہوجاتا ہے کہ اس کے درس و

تدریس کی کامیابی ممکن ہے۔

ایک استاد کے لیے یہ جانکاری رکھنی ضروری ہوتی ہے کہ طلبا کے شعوری حالات کیسے ہیں لیکن اس کی جانکاری بھی تعلیمی نفسیات ہی فراہم کرتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ استاد کو طلبا کی شعوری اور لاشعوری طرز عمل سے بھی واقفیت کراتی ہے کیوں کہ ہم جانتے ہیں کہ شعوری ولاشعوری طرز عمل یقینی ہے۔ایک استاد کے لیے تعلیمی نفسیات مفید ہے کیوں کہ یہ سبق کے وسیلے سے ہی طلبا میں تحریک پیدا کرسکتا ہے۔ بچے اکثر گروہ میں کام کرتے ہیں لیکن گروہی طرز عمل کیا ہے، یہ کیسے کام کرتا ہے، اس کی خصوصیات کیا ہیں اس کی بھی جانکاری تعلیمی نفسیات ہی فراہم کراتی ہے۔

(5) درس وتدریس کے فن اور طریقۂ کار کی رہنمائی: جب عملی تدریس کا وقت آتا ہے تو طریقہ تعلیم کے انتخاب کا مرحلہ آتا ہے۔ تعلیمی نفسیات میں اس کا حل موجود ہے۔ تعلیمی نفسیات چوں کہ اکتسابی اصولوں، ضابطوں، نظریات وطرز نظر کو پیش کرتی ہے اور انہیں اصولوں، ضابطوں، نظریات وطرز نظر کی بنیاد پر ماہرین تعلیم نے متعین تدریسی طریقوں کو تعمیر کیا ہے۔اس لیے مدرس کو چاہیے کہ درپیش حالات کے لحاظ سے موزوں طریقہ ہائے تعلیم کا انتخاب کرے۔

(6) اکتسابی ماحول: یہ تعلیمی نفسیات کا اہم اصول ہے کہ تعلیمی سرگرمی اکتسابی ماحول کی ضرورت ہوتی ہے۔ اکتسابی ماحول ایک طرفہ نہیں ہوسکتا۔ یہ معلم اور متعلم کے باہمی تعلق یا اشتراک سے ہی ممکن ہے۔ یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ طریقے کا انتخاب موقع اور ماحول کے ساتھ ہونا چاہیے۔ مدرس کو تعلیمی نفسیات کے اصولوں سے واقف ہونا ضروری ہے تاکہ وہ اس بات کا فیصلہ کرسکے کہ کہاں انفرادی تدریس ہو کہاں گروہی سرگرمی کی ضرورت ہے۔گروہی محرکات یا گروہی طرز عمل کے پس منظر میں گروہی تدریس کی افادیت سے معلم کو واقف ہونا چاہیے۔

(7) توارث اور ماحول: بچے کی نشوونما میں یہ دونوں عوامل اثر انداز ہوتے ہیں یعنی مدرس کو چاہیے کہ بچے کے توارث اور ماحول سے واقف ہو۔ تعلیمی نفسیات مدرس کو ان پیچیدگیوں سے آگاہ کراتی ہے۔اس طرح وہ اس قابل ہوجاتا ہے کہ اپنے درس وتدریس کو متعلم کے توارث اور ماحول کے مطابق ڈھال سکے۔

(8) اساتذہ کو اپنے آپ کو سمجھنے میں معاون: ایک کامیاب استاد بننے کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ تعلیمی نفسیات کے اصولوں اور نظریات سے واقف ہو اور یہ کام نفسیات بہ خوبی کرتا ہے۔ کیوں کہ ایک استاد اپنی اہلیت وصلاحیت کو سمجھنے لگتا ہے جس سے وہ اپنی سرگرمیوں کی پیمائش وتعین قدر کرسکتا ہے۔جس کی بنیاد پر اگر خود میں اصلاح کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ کرسکتا ہے جس سے وہ ایک اچھا استاد بن سکتا ہے۔ کیوں کہ تعلیمی نفسیات کے اصولوں کے تحت مدرس خود اپنی صلاحیتوں سے آگاہ ہوجاتا ہے۔خود اپنے طرز سلوک کا انداز، شخصیت کی خصوصیات، محرکات، ہم آہنگی وغیرہ کا مطالعہ کرسکتا ہے۔

(9) مشاورت خدمات: تعلیمی نفسیات کے اصولوں کے تحت مدرس ماہرانہ انداز میں بچوں سے زیادہ بہتر طریقے سے واقفیت رکھتا ہے۔ اس کی وجہ سے بچوں کی صلاحیتوں، دلچسپیوں اور رجحانات کی بہتر طور پر نشاندہی کرسکتا ہے اور اس کے فروغ کے سمت اور رفتار کے بارے میں رائے قائم کرسکتا ہے جس کی وجہ سے وہ بچوں کے بہتر فروغ کے لیے رہنمائی کرسکتا ہے۔

(10) نظم وضبط کی برقراری میں مدد: تعلیمی نفسیات ایک طرف بچوں کی فطرت، ان کی کمزوریوں، محاسن، دلچسپیوں، اور رجحانات کی نشاندہی کے اصول سے واقفیت کراتی ہے تو دوسری طرف تدریسی فن کے اصولوں سے آگاہ کرتی ہے۔جس میں ان کے حقیقی تصور کو واضح

کیا گیا ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ جو معلم تعلیمی نفسیات کا علم رکھتے ہیں وہ اسکول اور جماعت میں نظم وضبط بنائے رکھنے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔اس کے علاوہ متعلم کی ضرورتیں،مقصد کے حصول کی زبردست خواہش کا وجود، تھکن اور محرک کے پہلوؤں سے آگاہی کے علاوہ طرز عمل کا انداز اس کی شخصیت کی خصوصیات معلم کو جماعت میں نظم وضبط کی تعمیری فضا میں مددگار ہوتی ہے۔

(11) جانچ: تعلیمی نفسیات میں تعلیمی حصولیابی کی پیائش اور تعین قدر کی معروضی جانچ کے طریقوں کو فروغ دیا گیا ہے۔ یہ وہ طریقہ ہے جس سے یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس کے طرز عمل میں کس قسم کی تبدیلیاں آرہی ہیں اور اس میں پوشیدہ صلاحیتیں کیسے فروغ پارہی ہیں۔

(12) جماعت کے مسائل کا حل: تعلیمی نفسیات میں بے شمار مسائل کے حل موجود ہیں۔ایک معلم یہ بھی جانتا ہے کہ اسکول اور جماعت میں بے شمار مسائل ہوتے ہیں مثلاً جماعت میں کچھ طلبا کند ذہن ہوتے ہیں' کچھ طلبا غیر حاضر رہتے ہیں۔تعلیمی نفسیات اس طرح کے مسائل کو حل کرنے میں معلم کے لیے مددگار ثابت ہوتا ہے۔

مندرجہ بالا تفصیلات سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ درس وتدریس ایک پیچیدہ عمل ہے جس میں سائنس وٹکنالوجی کی مدد لینی ہوتی ہے۔ ہاں یہ بات بھی واضح ہے کہ تعلیمی نفسیات معلم کی پیشہ ورانہ فروغ کے لیے نہایت اہم ہے اور درس وتدریس میں اسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

1.7 یاد رکھنے کے نکات (Points to Remember)

☆ نفسیات ایک حقیقی سائنس ہے جو انسانوں اور حیوانوں کے اس طرز عمل کا مطالعہ کرتی ہے جو طرز عمل ان کے اندر کے احساسات اور خیالات کی ترجمانی کرتا ہے۔

☆ نفسیات میں مکمل طرز عمل یعنی ظاہری اور باطنی طرز عمل شامل ہیں۔

☆ تعلیمی نفسیات کا مطلب تعلیمی میدان میں آنے والے مسائل کو حل کرنے کے لیے نفسیات کے نظریات واصولوں کا استعمال کیا جاتا ہے۔

☆ تعلیمی نفسیات ایک عملی نفسیات ہے۔

☆ تعلیمی نفسیات کے استعمال سے انسان کے طرز عمل کو بہتر بنانے میں مدد ملتی ہے۔

☆ مشاہدہ باطن کا لفظی معنی اپنے اندر دیکھنا ہے۔

☆ مشاہدہ باطن کا انسانی طرز عمل کے ضمن میں اس کا مطلب کسی فرد کے ذریعے اپنے طرز عمل کا خود مطالعہ کرنا ہے۔

☆ مشاہداتی طریقۂ کار کے لفظی معنی ہیں کسی چیز یا عمل کو بامقصد دیکھنا۔

☆ کنٹرول حالات میں طرز عمل کے مطالعے کو تجرباتی طریقہ کہتے ہیں۔

☆ مفروضات کا مطلب کسی مسئلے کا فوری حل ہوتا ہے جو ایک رخ فراہم کرتا ہے۔

☆ کیس اسٹڈی کا طریقہ ایک مخصوص تحقیقی طریقہ ہے، جس میں کسی فرد، گروہ یا تنظیم کی تفصیلی معلومات حاصل کی جاتی ہے۔

☆ تعلیمی نفسیات تعلیم کے تصور کو سمجھنے میں معاون ہے۔

☆ تعلیمی نفسیات تعلیمی نصاب کی تعمیر میں مددگار رہے۔

1.8 فرہنگ (Glossary)

Nature (فطرت)	کسی چیز کی بنیادی یا معقول خصوصیات
Scope (وسعت)	کسی مطالعے کی حدود
Meaning (مفہوم)	لفظ متن، تصور یا عمل کو کہتے ہیں
Psychology (نفسیات)	انسانی طرز عمل یا برتاؤ کا سائنسی مطالعہ
Psyche (سائیکی)	روح کو کہا جاتا ہے جو کہ ایک یونانی لفظ ہے۔
Logos (لوگس)	مطالعہ کو کہا جاتا ہے جو کہ ایک یونانی لفظ ہے۔
Concious (شعور)	دماغ کی وہ کیفیت جس میں انسان مکمل طور پر باشعور رہتا ہے۔
Subconcious (تحت شعور)	دماغ کی وہ کیفیت جس میں انسان نہ تو مکمل طور پر باشعور ہوتا ہے نہ ہی لاشعوری میں بلکہ یہ درمیانی کیفیت ہے۔
Unconcious (لاشعور)	دماغ کی وہ کیفیت جس میں انسان مکمل طور پر لاشعوری حالت میں رہتا ہے۔
Behaviour (طرز عمل)	انسان کا ایک دوسرے کے ساتھ برتاؤ
Learning (اکتساب)	تجربہ، مطالعہ یا تدریس کی طرف سے علم یا مہارت کا حصول
Method (طریقہ)	کچھ حاصل کرنے کے لیے ایک خاص طریقۂ کار، خاص طور پر ایک منظّم یا قائم کیا ہوا۔
Introspection (مشاہدہ باطن)	کسی کے اپنے ذہنی اور جذباتی عمل کا امتحان یا مشاہدہ۔
Observation (مشاہدہ)	معلومات حاصل کرنے کے لیے احتیاط سے نگرانی کرنے کا عمل۔
Experiment (تجربہ)	دریافت کرنے کے لیے ایک سائنسی طریقہ۔
Case Study (کیس اسٹڈی)	ایک عمل یا تحقیق کا ریکارڈ جس میں تفصیلی توجہ سے کسی مخصوص شخص، گروہ یا صورت حال کا مطالعہ کیا جائے۔

1.9 اکائی کے اختتام کی سرگرمیاں (Unit End Activities)

معروضی جوابات کے حامل سوالات:

(1) سائیکی (Psyche) کا مطلب ہے۔

(a) روح (b) دماغ

(c) طرز عمل (d) ان میں سے کوئی نہیں

(2) نفسیات کس کو کہتے ہیں۔

(a) طرزِ عمل کا مطالعہ (b) دماغ کا مطالعہ

(c) شعور کا مطالعہ (d) ان میں سے کوئی نہیں

(3) تعلیمی نفسیات کا بنیادی مقصد ہے۔

(a) تعلیمی طریقوں کی تفہیم کے لیے

(b) اساتذہ کو بچے کی تعلیم میں نفسیات کی سمجھ دیتا ہے

(c) موثر تدریس کے لیے ضروری تعلیمی پس منظر فراہم کرنے کے لیے

(d) تعلیمی تحقیق کے لیے نظریاتی خاکہ فراہم کرنے کے لیے

(4) تجرباتی نفسیات کا موجد کسے کہا جاتا ہے۔

(a) بورنگ (Boring) (b) ہل (Hull)

(c) ونڈٹ (Wundt) (d) ٹول مان (Tolman)

(5) پہلی تجرباتی نفسیاتی لیباریٹری کہاں قائم کی گئی؟

(a) برلن (Berlin) (b) بوسٹن (Boston)

(c) فرینک فورٹ (Frankfurt) (d) لیپ زِگ (Leipzig)

مختصر جوابات کے حامل سوالات؛

(1) نفسیات اور تعلیمی نفسیات میں فرق واضح کریں۔

(2) مشاہدہ طریقۂ کار کی خصوصیات بیان کریں۔

(3) تجرباتی طریقے کی اہمیت پر روشنی ڈالیں۔

(4) ایک استاد کے لیے تعلیمی نفسیات کی اہمیت بیان کیجیے۔

(5) نفسیات کی تعریف بیان کیجیے۔

(6) تعلیمی نفسیات کا دائرہ کار لکھیے۔

(7) مشاہداتی طریقے کے مرحلے بیان کیجیے۔

(8) شریک مشاہدہ کی مثال دیجئے۔

(9) ساختہ مشاہدے کی مثال دیجئے۔

طویل جوابات کے حامل سوالات؛

(1) نفسیات کا مفہوم، نوعیت اور وسعت بیان کریں۔

(2) تعلیمی نفسیات سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟اس کی نوعیت اور وسعت کو مثال کے ذریعے واضح کریں۔
(3) مشاہدہ باطن طریقۂ کار پر ایک تفصیلی نوٹ لکھیں۔
(4) مشاہداتی طریقۂ کار اور تجرباتی طریقے میں فرق واضح کیجیے۔
(5) خصوصی بچوں کے طرزِ عمل کو گہرائی سے دیکھنے کے لیے کون سا طریقہ موزوں ہے؟اس طریقے کی خوبیوں اور خامیوں کو بیان کریں۔
(6) تعلیمی نفسیات ایک استاد کے لیے کیسے افادیت رکھتی ہے؟تفصیل سے سمجھائیے۔

1.10 تجویز کردہ مواد (Suggested Readings)

(1) پروفیسر محمد شریف خاں ''جدید تعلیمی نفسیات''ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ
(2) ڈاکٹر آفاق ندیم خاں وسید معاز حسین ''تعلیمی نفسیات کے پہلو''ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ
(3) مرزا شوکت بیگ،محمد ابراہیم خلیل،سید اصغر حسین ''نفسیاتی اساس تعلیم''دکن ٹریڈرس بک سیلر حیدرآباد
(4) محمد شریف خاں ''تعلیم اور اس کے اصول''ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ
(5) شاذیہ رشید ''نایاب تعلیمی نفسیات''جدران پبلی کیشنز لاہور
(6) ملک محمد موسیٰ شاذیہ رشید ''تعلیمی نفسیات اور رہنمائی''جدران پبلی کیشنز

(7)Kulshestra, S.P. (1997), Educational Psychology - Raj Printers - Meerut

(8)Mangal, S.K. (2003), Advanced Educational Psychology - Prentice Hill of India Pvt. Ltd. New Delhi

(9)Schopler, J. Weisz, J. King R & Morgan,k C (1993), Introduction to Psychology - Prentice Hill of India Pvt. Ltd., New Delhi

اکائی 2۔ متعلم کی نمو اور نشوونما

(Growth and Development of the Learner)

اکائی کے اجزا؛

2.1 تمہید(Introduction)

2.2 مقاصد(Objectives)

2.3 نشوونما(Growth and Development)

2.3.1 تصور اور نوعیت(Concept and Nature)

2.3.2 نمو اور نشوونما میں فرق(Difference between growth and development)

2.3.3 نشوونما کے اصول(Principles of Development)

2.3.4 نمو اور نشوونما پر اثر انداز ہونے والے عوامل(Factors influencing Gwoth and Development)

2.4 نمو اور نشوونما کے مراحل(Stage of Growth and Development)

2.4.1 شیرخوارگی(Infancy)

2.4.2 ابتدائی بچپن(Early Childhood)

2.4.3 ثانوی بچپن(Later Childhood)

2.4.4 عنفوان شباب(Adolescence)

2.5 نشوونما کے نظریات(Concepts of Growth and Development)

2.5.1 پیاژے کا وقوفی نشوونما کا نظریہ(Piaget's Theory of Cognative Development)

2.5.2 ایرکسن کا نفسی سماجی نشوونما کا نظریہ(Erikson's Theory of Psycho-Social Development)

2.5.3 لارینس کوہل برگ کا اخلاقی نشوونما کا نظریہ

(Lawrence Kholberg's Theory of Moral Development)

2.5.4 فرائڈ کا نفسی تجزیہ کا نظریہ اور اخلاقی نشوونما

(Psychoanalytic Theory of Freud and Moral Development)

2.5.5 زبان کے ارتقا کا نوم چومسکی نظریہ(Language development theory of Noam Chomsky)

2.6 فرہنگ(Glossary)

2.7 یادرکھنے کے نکات(Points to Remember)

2.8 اکائی کے اختتام کی سرگرمیاں(Unit End Activies)

2.9 تجویز کردہ مواد(Suggested Readings)

2.1 تمہید (Introduction)

انسان کو اشرف المخلوقات کہا جاتا ہے کیوں کہ اللہ نے اس کو عقل وشعور دیا۔ ماں کے شکم سے ہی بچے کی نشو ونما شروع ہو جاتی ہے اور بدلاؤ آتا رہتا ہے۔ شیر خوارگی کے زمانے میں بچوں کی شکل وصورت اور جسامت بھی بدلتی رہتی ہے۔ بدلنے کا انداز ان میں ایک جیسا نہیں ہوتا ہے۔ لیکن عموماً سبھی انسانوں کی نشو ونما ایک جیسی ہوتی ہے اور ایک منظّم شکل میں ہوتی ہے۔ انسان کی نشو ونما میں اس کے توارث کے ساتھ ساتھ اس کی پرورش کس طرح کی جارہی ہے پر منحصر کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک بچے میں تبدیلیاں مختلف انداز میں ہوتی ہے جیسے اس کے قد کو لیجیے۔ یہ اس بات پر بھی منحصر کرتا ہے کہ اسے کس طرح کی غذا فراہم کی گئی۔

انسان کی نشو ونما کا مطالعہ کئی جسمانی، ذہنی، سماجی، جذباتی، لسانی پہلوؤں کے طور پر کیا جاتا ہے۔ کبھی کبھی نمو یا افزائش تمام مقداری تبدیلیوں کو مقرر کرنے میں استعمال کیا جاتا ہے۔ نمو کا مطلب ہی ہوتا ہے معیاری تبدیلیاں اور کیفیتی تبدیلیوں کو نشو ونما کے طور پر سمجھا جاتا ہے۔ انسان زندگی کے مختلف مرحلے سے گزرتا ہے اور یہ تبدیلیاں لازمی طور پر وقوع پذیر ہوتی رہتی ہیں۔ یہ بھی واضح ہے کہ انفرادی فرق' جسمانی، سماجی، جذباتی نفسیاتی سماجی طور پر پائے جاتے ہیں یعنی یہ رفتار الگ الگ ہوتی ہے اور جو بہت حد تک نشو ونما کے اصولوں پر منحصر کرتی ہے۔

یہ اس کورس کی دوسری اکائی ہے۔ اس اکائی میں ہم نشو ونما اور افزائش کے تصور، نوعیت، نمو اور نشو ونما میں فرق اور نشو ونما کے اصولو ل پر بحث کریں گے۔ اس اکائی میں نمو اور نشو ونما کو اثر انداز کرنے والے عوامل یعنی توارث اور ماحول پر بحث ہوگی۔ نشو ونما کے مختلف مراحل یعنی شیر خوارگی، بچپن اور عنفوانِ شباب کے دوران کس طرح کی تبدیلیاں یا بدلاؤ آتا رہتا ہے اس کا ذکر ہوگا۔ بہت سارے ماہرین نے اپنے نظریات پیش کیے ہیں۔ اس پر بحث کی جائے گی۔

2.2 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد طلبا اس لائق ہو جائیں گے کہ:

☆ نمو کا مفہوم بیان کرسکیں گے۔

☆ نشو ونما کی تعریف بیان کرسکیں گے۔

☆ نشو ونما اور نمو میں فرق کرسکیں گے۔

☆ نشو ونما اور نمو کے مراحل کو بیان کرسکیں گے۔

☆ نشو ونما کے اصولوں کی وضاحت کرسکیں گے۔

☆ نشو ونما کے نظریات کو واضح کرسکیں گے۔

2.3 نمو اور نشو ونما (Growth and Development)

اگر آپ اپنے ماضی کو دیکھیں اور خاص کر شیر خوارگی اور بچپن کے واقعات تو آپ کو محسوس ہوگا کہ زیادہ تر چیزیں آپ بھول چکے ہوں گے اور کچھ دھندلی سی یادیں آ رہی ہوں گی۔ یہ وہ دن تھے جس کی بنیاد پر آپ کی تشکیل ہوئی ہے۔ کتنی تبدیلیاں آپ میں آئی ہوں گی جن کا تعلق براہ راست آپ سے ہے۔ یہی ساری چیزیں نمو اور نشو ونما کے تصور، نظریات اور اصول کا مرکز ہیں۔

2.3.1 تصور اور نوعیت (The Concept and Nature)

نمو، نشو ونما، بالیدگی، افزائش، پختگی یہ تمام وہ لفظ ہیں جو ایک جیسے لگتے ہیں اور اکثر اصطلاحات میں یہ الفاظ ایک دوسرے کے متبادل کے طور پر استعمال کیے جاتے ہیں۔ لیکن ان میں فرق ہے۔ نمو سے مراد انسانوں میں واقع ہونے والی ان تبدیلیوں سے ہے جن میں قد، وزن، سائز اور اندرونی اعضاء وغیرہ میں تبدیلیاں شامل ہیں۔ اس لیے اسے مقداری یا کمیتی تبدیلیاں کہتے ہیں۔ اس کے جسمانی اعضاء میں بیرونی اور اندرونی دونوں اعضا شامل ہیں۔ بیرونی اعضا جو اوپر دکھائی دیتے ہیں جیسے انسان کا پورا جسم جس میں ہاتھ، پاؤں، ناک، کان، سر، پیٹ شامل ہیں اور اندرونی اعضا میں مختلف نظام جیسے دل، ہڈی، ہاضمہ وغیرہ شامل ہیں۔ یہ تبدیلیاں انسان کی عمر کے ساتھ ہوتی رہتی ہیں۔ فرینک (Frank) کے مطابق ''نشو ونما خلیوں میں ہونے والے اضافے سے ہوتا ہے جیسے لمبائی اور وزن میں اضافہ۔''

اس طرح نمو کی تعریف جسم اور اس کے حصوں کی شکل اور وزن کے بڑھنے سے کیا جاتا ہے اور اس میں جسمانی تناسب اور بحیثیت مجموعی قد اور وزن میں آئی تبدیلیاں شامل ہیں۔

اس کے برعکس نشو ونما سے مراد انسانوں میں واقع ہونے والی ان تبدیلیوں سے ہے جو حمل سے موت تک جاری رہتی ہیں۔ نشو ونما میں نمو کے ساتھ ساتھ اس کے جسمانی اور ذہنی طرز عمل میں ہونے والی تبدیلیوں سے ہوتا ہے۔ نشو ونما ایک مسلسل چلنے والا عمل ہے جس کے ذریعے انسان میں کیفیتی تبدیلیاں آتی ہیں جو نمو کی مقداری یا کمیتی تبدیلی کے ساتھ واقع ہوتی ہیں۔ نشو ونما میں نمو کا جز ہمیشہ جڑا ہوا ہوتا ہے۔ نشو ونما کے نتیجہ میں انسان کے اندر کئی خصوصیات اور صلاحیتیں پیدا ہوتی ہیں۔ کیفیتی تبدیلی کو محسوس کیا جا سکتا ہے لیکن ناپا نہیں جا سکتا۔ جسم کے مختلف حصوں میں مشترکہ طور پر تبدیلیاں آتی ہیں۔ یہ تبدیلیاں مخصوص سمت میں ہوتی ہیں یعنی وہ پیچھے جانے کے بجائے آگے کی جانب چلتی ہیں۔ کرو اور کرو (Crow and Crow) کے مطابق نشو ونما ایک ساختی تبدیلی ہے۔

اس طرح نشو ونما کی وضاحت ان الفاظ میں کی جا سکتی ہے کہ ہر تبدیلی کو ہم نشو ونما نہیں کہہ سکتے صرف ترقی پذیر تبدیلیاں ہی نشو ونما کے زمرے میں آتی ہیں۔ یہ ایک مسلسل جاری رہنے والا عمل ہے۔

انسان کے جسم کا نمو دورانِ حمل سے شروع ہوجاتا ہے لیکن یہ مسلسل چلنے والا عمل نہیں ہے بلکہ ایک عمر تک چل کر مکمل ہو جاتا ہے۔ ماحولیاتی اور توارث سے متاثر ہو کر یہ تبدیلیاں ہوتی ہیں اور اس پر منحصر کرتی ہیں۔ لڑکے اور لڑکیوں کا جسمانی نمو بھی ایک عمر تک جا کر مکمل ہو جاتا ہے اور دماغ اور ذہنی صلاحیتوں میں ہونے والی قدرتی تبدیلیاں بھی ایک معین عمر تک پہنچ کر مکمل ہو جاتی ہیں، انسان کے اسی جسمانی ذہنی نمو اور نشو ونما کی حالت کو پختگی کہتے ہیں۔

وولف اینڈ وولف (Woolf and Woolf) کے مطابق ''پختگی کے معنی نشو ونما کی اس متعین سطح سے ہے جس میں بچے اس کاموں کو کرنے

کے قابل ہو جاتے ہیں جنہیں اس سطح سے قبل نہیں کر سکتے تھے۔،،

جیسا کہ ہم جانتے ہیں نشو ونما اور نمو کے کئی مرحلے ہیں اور ہر مرحلے کی اپنی اپنی خصوصیات ہوتی ہیں۔مثال کے طور پر دوران حمل یہ کام شروع ہو جاتا ہے اور ایک متعین وقت کے بعد ہی بچے کی پیدائش ہوتی ہے اور یہ متعین وقت ہی اُس مخصوص اعضا کی پختگی کہلاتی ہے۔ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ شیر خوارگی کے زمانے میں نمو کی رفتار بہت تیز ہوتی ہے اور بچپن کے زمانے میں یہ رفتار متوسط ہو جاتی ہے اور عنفونِ شباب میں سست ہو جاتی ہے۔ایسا بھی وقت آتا ہے جب یہ مکمل ہو جاتی ہے اور اس کی تکمیل کو پختگی کہتے ہیں۔

اس طرح پختگی سے مراد انسان کے اس جسمانی،فطری اور ذہنی نمو اور صلاحیتوں کے اس فطری نشو ونما کے عمر سے ہے۔جس کے بعد اس میں کوئی نمو اور نشو ونما کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔

2.3.2 نمو اور نشو ونما میں فرق (Difference between Growth and Development)

مندرجہ بالا نمو اور نشو ونما کا مطلب سمجھنے کے بعد ان دونوں کے فرق کو مندرجہ ذیل طور پر سمجھنا آسان ہوگا۔

نمبر شمار	نمو(Growth)	نشو ونما(Development)
1	نمو سے مراد انسان کی جسامت اور وزن میں ہونے والے اضافے سے ہوتا ہے۔	نشو ونما سے مراد انسان میں جسامت اور وزن کے ساتھ ساتھ اس کے علم مہارتوں اور طرز عمل میں ہونے والی ترقی امور تبدیلیوں سے ہے۔
2	نمو ایک ایسا پہلو ہے جس کے اندر تبدیلی کو ناپا اور تولا جا سکتا ہے جیسے لمبائی،اونچائی،وزن وغیرہ۔	نشو ونما کے اندر جسامت اور وزن کے ساتھ قابلیت اور کیفیتی بھی تبدیلی رہتی ہے اور کاموں کے طریقے میں درستگی ہوتی ہے۔
3	نمو کی ایک حد ہوتی ہے جسے پختگی کہتے ہیں۔	نشو ونما کی کوئی حد نہیں ہوتی۔ یہ مسلسل چلنے والا عمل ہے جو تا حیات جاری رہتا ہے۔
4	نمو صرف جسمانی اعضا اور ان کی عملی قوتوں میں ہونے والے اضافے تک محدود رہتی ہے۔	نشو ونما کا میدان حد درجہ وسیع ہوتا ہے اس میں جسمانی اضافے کے ساتھ ساتھ ذہنی،لسانی،جذباتی،سماجی اور اخلاقی ارتقا سبھی شامل ہیں۔
5	نمو صرف مقداری ہوتی ہے۔اسے ناپا جا سکتا ہے۔	نشو ونما مقداری کے ساتھ کیفیتی بھی ہوتی ہے۔ اس کے مقداری پہلوؤں کو ناپا جا سکتا ہے لیکن کیفیتی پہلوؤں کو ناپا نہیں جا سکتا۔اس کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے اس لیے خصوصی طریقہ و تراکیب کی ضرورت ہے۔

6	نمو کی رفتار شیر خوارگی کے زمانے میں زیادہ ہوتی ہے بعد میں کم	نشو و نما ہمیشہ عام سے خاص کی طرف ہوتی ہے۔

2.3.3 نشو ونما کے اصول (Principles of Developement)

کسی بھی شے کا مشاہدہ اور مطالعہ کرنا ایک پیچیدہ عمل ہے اور اشرف الخلوقات کا مطالعہ تو یقیناً پیچیدہ ہے کیوں کہ قدرت نے اسے ایک دماغ دیا ہے جس کا استعمال انسان مختلف طریقے سے کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسانوں کے طرز عمل کو سمجھنا ایک پیچیدہ کام ہے۔ لیکن ماہرین نفسیات نے انسانی نشو ونما کے اس عمل کا بہت محنت اور باریکی سے مطالعہ کیا ہے اور اس کی نشو ونما کے مراحل کی تکمیل میں جو حقائق رونما ہوئے انہیں نشو ونما کے اصول کی شکل میں پیش کیا ہے۔ نشو ونما کے اہم اصول مندرجہ ذیل ہے:

(1) تسلسل کا اصول (Principle of Continuity)

قرارِ حمل سے لے کر موت تک نشو ونما ایک مسلسل عمل ہے۔ کوئی بھی نشو ونما اچانک نہیں ہوتی بلکہ رفتہ رفتہ ہوتی ہے۔ اسکینر (Skinner) کے لفظوں میں نشو ونما کے عمل کے تسلسل کا اصول صرف اس بات پر زور دیتا ہے کہ انسان میں کوئی اچانک تبدیلی نہیں ہوتی۔ تبدیلیاں مسلسل جاری رہتی ہیں اور زندگی کی اُس مدت تک جاری رہتی ہے جب تک کہ انسان کی روح فنا نہیں ہو جاتی۔ مثلاً انسان کی جسمانی نمو رفتہ رفتہ ہوتی ہے اور پختگی حاصل کرنے کے بعد اس کی نمو رک جاتی ہے۔

(2) ترتیب واریت کا اصول (Principle of Sequentiality)

ماہرین نفسیات شرلے (Shirley) اور گیسیل (Geseel) اس بات پر متفق ہیں کہ نشو ونما ترتیب وار یا باضابطہ ہوتی ہے۔ یعنی متعین ترتیب میں ہوتی ہے۔ اس اصول کے مطابق ہر جاندار چاہے انسان ہو یا جانور اپنی تخلیق کے مطابق نشو ونما کے اصولوں پر چلتا ہے۔ مثال کے طور پر جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ بولنا نہیں جانتا۔ اب وہ جس ماحول میں رہتا ہے وہی زبان سیکھتا ہے۔ شروعاتی دنوں میں ہم صرف اس کے رونے کی آواز سنتے ہیں لیکن وہ ماحول سے دوسروں کی آوازیں سنتا ہے اور اس کی نقل کر کے بولنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہی ترتیب کا اصول ہے۔ ہر ممالک میں یہ ترتیب ایک جیسی ہی ہوتی ہے۔ اگر ہم چاہیں کہ بچہ پیدا ہوتے ہی بولنے لگے تو یہ ناممکن ہے، کیوں کہ پیدائشی صلاحیت بھی ترتیب وار آتی ہیں۔

(3) یکسانی نمونے کا اصول (Principle of Unifrom Pattern)

کائنات میں مختلف نسل موجود ہے چاہے وہ انسان ہو یا حیوان۔ تمام مخلوق کی اپنی خصوصیات ہے۔ لیکن تمام کی پیدائش اور نشو ونما ایک جیسی ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام مخلوق کی نشو ونما ایک خاص اصولوں پر ہی ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر قرارِ حمل سے لے کر بچے کی پیدائش کا وقفہ نو مہینہ کا ہوتا ہے۔ یہی یکسانیت کا اصول ہے۔ نوزائدہ بچہ کو کوئی چوسنا نہیں سکھاتا بلکہ سبھی بچے کی یہ صلاحیت پیدائشی ہے اور سبھی ممالک میں یہ یکساں ہے۔ ماہرین نفسیات نے یہ واضح کیا ہے کہ بچہ تقریباً چار ماہ کی عمر میں پیٹ کے بل کھسکتا ہے۔ تقریباً 6 ماہ کی عمر میں گھٹنوں کے بل چلتا ہے اور دس ماہ کی عمر میں اپنے پیروں پر کھڑا ہوتا ہے اور تقریباً 12 ماہ کی عمر میں اپنے پیروں سے چلنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ سبھی ممالک میں یہ نشو ونما ایک جیسی ہی ہوتی ہے جو کہ یکسانیت کے اصول پر منحصر ہے۔

(4) نشوونما کے متعین رخ کا اصول (Principle of Direction of Developement)

اس اصول کے مطابق بچے کی نشوونما سر سے پیر کی طرف ہوتی ہے بلکہ ایک متعین سمت کی طرف ہوتی ہے۔مثلاً اپنی زندگی کے پہلے ہفتے میں صرف اپنے سر کو اٹھا پاتا ہے۔تین مہینے کے اندر آنکھوں پر قابو پا لیتا ہے، مطلب آنکھوں کی رفتار پر قابو کر سکتا ہے۔ چھ ماہ میں وہ اپنے ہاتھوں کی ہرکت پر اختیار حاصل کر لیتا ہے اور نو ماہ میں وہ سہارا لیے بغیر بیٹھ سکتا ہے اور بارہ ماہ میں وہ اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی کوشش کرتا ہے۔

(5) عمومی سے خصوصی ردعمل کا اصول (Principle of General to Specific Responses)

ماہرین نفسیات نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ انسان کا ردّعمل تجربات کی بنیاد پر تبدیل ہوتا ہے۔ یہ ردّعمل میں تبدیلی عمومی سے خصوصی کی طرف ہوتی ہے۔جیسا کہ آپ نے دیکھا چھوٹا بچہ مٹی کو ہی منہ میں ڈالتا ہے کیوں کہ یہ قدرتی ہے جو عام ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ وہ منہ میں صرف کھانے ہی کی چیزوں کو رکھتا ہے یہ خصوصی نشوونما ہے۔

(6) انضمام کا اصول (Principle of Integration):

نوزائدہ بچہ دوسروں پر منحصر کرتا ہے۔اس کی بہت سی سرگرمیاں اس کے کنٹرول میں نہیں ہوتی ہیں۔وہ بچہ جو کچھ سیکھتا ہے وہ جزو کی شکل میں سیکھتا ہے اور جزو سے کل کے جانب بڑھتا ہے۔اس حقیقت کو ماہرین نفسیات نے انضمام کے اصول کے طور پر پیش کیا ہے۔

(7) نشوونما کی مختلف رفتار کا اصول (Principle of Different Rate of Development):

نشوونما کی رفتار یکساں نہیں ہوتی۔ ماہرین نفسیات مانتے ہیں کہ زیادہ تر حالات میں نشوونما اور نمو کی رفتار مختلف ہوتی ہے۔لڑکے اور لڑکیوں کی نشوونما میں فرق پایا جاتا ہے۔ یہ بات اس سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ نشوونما کے مختلف مرحلے میں رفتار مختلف ہوتی ہے۔مثال کے طور پر ابتدائی بلوغت کے دور میں ہاتھ، پیر، ناک، اپنی زیادہ سے زیادہ نشوونما کو پہنچتے ہیں اور ذہنی نشوونما بعد میں پروان چڑھتی ہیں اور آخر میں یہ سست پڑ جاتی ہیں۔

(8) باہمی تعلق کا اصول (Principle of Interrelation)

ماہرین نفسیات اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ نشوونما چاہے وہ سماجی، جذباتی، اخلاقی، جسمانی، ذہنی اور لسانی کسی بھی طرح کی ہو سبھی میں باہمی تعلق ہونے کی وجہ سے یہ ایک دوسرے پر منحصر کرتے ہیں۔آپ نے یہ تو سنا ہی ہوگا کہ اچھے دماغ کے لیے اچھی صحت کی ضرورت ہوتی ہے یا اس کو یوں کہیں کہ جب جسمانی نشوونما ہوتی ہے تو وزن اور جسامت میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اور ان کی صلاحیت میں بھی اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

(9) توارث اور ماحول کے باہمی اثر کا اصول

(Principle of Interaction of Heredity and Environment)

انسان کی نشوونما میں دو عوامل خاص طور پر شامل ہیں۔ایک کو توارث اور دوسرے کے ماحول کہا جاتا ہے۔توارث کا مطلب وسیع ہے لیکن یہاں اس بات کو سمجھ لینا ہے کہ بچہ اپنے والدین، آباواجداد سے کچھ خصوصیات کے ساتھ پیدا ہوتا ہے اور چوں کہ انسان سماج میں رہتے ہیں اور سماج لوگوں کے مجموعے کو کہا جاتا ہے جسے قدرتی اور سماجی ماحول کہا جاتا ہے اور اس کے ذریعے اس کی نشوونما ہوتی رہتی ہے۔توارث کے ذریعے جو خصوصیات آجاتی ہیں اسے تبدیل نہیں کیا جا سکتا لیکن ماحول کے اثرات سے اس میں تبدیلی لائی جا سکتی ہے۔اس لیے نشوونما کو

باہمی اثر کا نتیجہ کہا جاتا ہے۔

(10) انفرادی اختلاف کا اصول(Principle of Individual Difference):

کوئی دو بچے ایک جیسے نہیں ہوتے۔ یہ ماہرین نفسیات مانتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ جڑواں بچے بھی ایک جیسے نہیں ہوتے یعنی ایک دوسرے سے اختلاف کرتے ہیں۔ان کی نشوونما میں بھی انفرادی اختلاف پایا جاتا ہے۔سماجی نشوونما، ذہنی، جذباتی نشوونما میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

2.3.4 نمواور نشوونما کو اثر انداز کرنے والے عوامل(Factors Influencing Growth and Development)

ہمیشہ یہ زیر بحث رہا ہے کہ کون سے عوامل ہیں جو نشوونما کو اثر انداز کرتے ہیں اور یہ بات سامنے آئی کہ نشوونما کے جو بنیادی عوامل ہیں وہ ہیں:

توارث(Heredity)اور ماحول(Environment)

عموماً یہ کہا جاتا ہے کہ بچے کا رنگ وروپ، ذہن اور مزاج میں وہ اپنے والدین کی طرح ہوتے ہیں۔ یہ عناصر صرف والدین ہی نہیں بلکہ اس کو یوں کہیں کہ آباواجداد،نسل، والدین،جنین (Genes) کی شمولیت ہے۔لیکن بعض اوقات اس کے برعکس بھی ہوتا ہے۔ جیسے کند ذہن ماں باپ کے بچے ذہین ہوتے ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ بچوں کو یہ خصوصیات صرف والدین ہی نہیں بلکہ اس کے آباواجداد سے بھی ملتے ہیں۔ اس لیے توارث عام زبان میں انسان کی پیدائشی خصوصیات کو کہتے ہیں۔جیمس ڈریور(JamesDrever) نے توارث کی تعریف اس طرح کی ہے۔''والدین کے جسمانی اور ذہنی خصوصیات کو بچوں میں منتقل ہونا ہی توارث کہلاتا ہے۔''

پیٹرسن (Peterson) کے لفظوں میں'' انسان والدین کے ذریعے آباواجداد کی جو خصوصیات حاصل کرتا ہے اسے توارث کہتے ہیں۔''

ورڈورتھ کے مطابق''توارث میں وہ سبھی باتیں شامل ہیں جو زندگی کی شروعات کرتے وقت پیدائش کے وقت نہیں بلکہ پیدائش سے نو ماہ قبل قرارِحمل کے وقت موجود ہوتی ہے۔''

اس طرح توارث کا مطلب وہ ساری خصوصیات سے ہے جو انسان اپنی نسل آباواجداداور والدین سے حاصل کرتے ہیں۔

توارث کے قوانین(Laws of Heredity)

توارث کے مندرجہ ذیل قوانین ہیں:

(1) مشابہت کا قانون(Law of Resemblence)

مشابہت کا لفظی معنی ہے ایک طرح کا ہونا اور مشابہت کے قانون کے مطابق جیسے والدین ہوتے ہیں ویسی ہی اولاد ہوتی ہے۔ بچے کا رنگ وروپ، قد وقامت اور ذہانت اپنے ماں باپ کی طرح ہوتا ہے۔ذہین ماں باپ کے بچے ذہین اور کند ذہن ماں باپ کیکند ذہن ہوتے ہیں۔

(2) تغیر کا قانون (Law of Variation)

اس قانون کے مطابق بچہ اپنے والدین سے پوری طرح مشابہت نہیں رکھتے بلکہ ان میں کچھ نہ کچھ فرق ہوتا ہے۔ایک والدین کے تمام بچے ایک جیسے نہیں ہوتے ان کی ذہانت، رنگ وروپ، قد وقامت میں فرق پایا جاتا ہے۔ان کی جسمانی اور ذہنی صلاحیت بھی مختلف ہوتی ہے۔

(3) مراجعت کا قانون (Law of Regression)

انسان کے اندر دو خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ایک عمومی اور دوسری خصوصی۔اس قانون کے مطابق بچے اپنے والدین سے صرف عمومی خصوصیات ہی حاصل کرتے ہیں۔اس لیے توارث کی جبلت عمومی یعنی اوسط کے جانب ہوتی ہے۔اس کی وجوہات کو دیکھیں تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ والدین کے تناسل میں سے ایک زیادہ اور دوسرا کم طاقتور ہوتا ہے اور دوسرا یہ ہے کہ والدین میں ان کے آباواجداد میں سے کسی ایک کا تناسل زیادہ طاقتور ہوتا ہے۔

نمو اور نشوونما کو اثر انداز کرنے والے دوسرا عنصر ماحولیات ہے۔بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو وہ قدرت کی بنائی ہوئی دنیا میں سانس لیتا ہے اور پھلتا پھولتا ہے۔اس کا مطلب پورے ماحول سے ہے۔اگر غور وفکر کریں تو ہم دیکھتے ہیں کہ انسان جس ماحول میں رہتا ہے دو طرح سے دیکھا جاسکتا ہے۔ایک ماحول کو قدرتی کہہ سکتے ہیں کیوں کہ وہ قدرت کی طرف ہمیں فراہم ہے اور دوسرے کو سماجی ماحول کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ بچے کے والدین کسی نہ کسی سماج سے تعلق رکھتے ہیں۔چوں کہ انسان ایک سماجی جانور ہے، انسان، انسانوں کے بغیر نہیں رہ سکتا۔

قدرتی ماحول کا مطلب ہے پہاڑ، پٹھار، آب وہوا اور درجہ حرارت جو ہمیں قدرت کی طرف سے فراہم ہے اور سماجی ماحول کا مطلب انسان کے ان خاندانی، سماجی، تہذیبی، مذہبی اور سیاسی حالات سے ہوتا ہے جس میں وہ رہتا ہے اور نشوونما میں دونوں طرح کے حالات کو ماحول کہتے ہیں۔ ووڈ ورتھ (Wood worth) کے مطابق ''ماحول میں وہ تمام بیرونی اجزا شامل ہیں جو خود کو اس کی زندگی کے آغاز سے متاثر کرتے رہتے ہیں''۔

بورنگ لونگ فیلڈ اینڈ ویلڈ (Boring Longfield & Wild) کے مطابق ''جنس کے علاوہ فرد پر اثر انداز ہونے والی ہر شے ماحول کہلاتی ہے۔''

مندرجہ بالا تفصیل سے ظاہر ہے کہ انسان کے اوپر ماحول کا اثر ہوتا ہے۔یہ ماحول قرارِ حمل سے ہی شروع ہو جاتا ہے۔بچے کی ماں جس ماحول میں رہتی ہے بچے کی نشوونما ویسی ہی ہوتی ہے۔واضح رہے کہ بچے کی نشوونما میں توارث اور ماحول دونوں کے اثرات شامل ہیں۔

2.4 نمو اور نشوونما کے مراحل (Stages of Growth and Development)

انسانی نشوونما رفتہ رفتہ ہوتی رہتی ہے۔ماہرین نفسیات نے انسانی نشوونما کو مختلف مرحلے میں دیکھا ہے جن کی اپنی خصوصیات ہیں۔ یہ خصوصیات ہر مرحلے میں مختلف ہوتی ہیں۔یہ مرحلے یا درجہ بندی مطالعہ کرنے میں مدد کرتا ہے اور اس درجہ بندی کو مندرجہ ذیل جدول میں دکھایا گیا ہے۔

جدول 1.0 نشوونما کے مراحل

عمر گروہ	نشوونما کا مرحلہ	اسکول جانے کا مرحلہ
پیدائش سے 2 سال تک	شیر خوارگی	-
2 سے 6 سال تک	ابتدائی بچپن	ابتدائی سے پہلے
6 سے 12 سال تک	ثانوی بچپن	ابتدائی
12 سے 18 سال	عنفوان شباب	ثانوی اور اعلیٰ ثانوی
18 سے 40 سال	ابتدائی بلوغیت	-
40 سے 65 سال	پختہ بلوغت	-
65 سے زیادہ	معمر بلوغت	-

مندرجہ بالا جدول میں انسانی زندگی کے عرصہ کو زمانوں میں دکھایا گیا ہے اور نشوونما کے ہر مرحلے کی اپنی اپنی خصوصیات ہیں۔

2.4.1 شیر خوارگی (Infancy)

پیدائش سے 2 سال عمر تک کے عرصے کو شیر خوارگی کہا جاتا ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جس میں بچہ اپنے والدین پر منحصر رہتا ہے۔ پیدائش کے وقت عام طور سے بچے کا سر بڑا ہوتا ہے۔ بچے کا وزن عام طور سے تقریباً 6 سے 9 پونڈ کا ہوتا ہے اور پہلے سال کے اندر ہی تین گنا بڑھ جاتا ہے۔ بچے کے قد میں اس دوران تیزی سے اضافہ ہوتا ہے۔ بچے اس دوران لگ بھگ 18 سے 20 گھنٹے سوتے ہیں۔ بھوک لگنے سے جگ جاتے ہیں بچے غذا کے لیے صرف ماں کے دودھ پر ہی منحصر ہوتے ہیں۔ بچے کی صحت کسی حد تک ماں کی صحت پر منحصر کرتی ہے۔ ابتدائی تین ماہ کی عمر تک نظریں نہیں ٹھہرتی ہیں اور سات آٹھ مہینہ تک اپنی گرفت پر قابو نہیں ہوتا ہے۔ ان میں اپنے والدین کے ساتھ لگاؤ کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ چھ ماہ کی عمر میں بچہ بیٹھنا شروع کر دیتا ہے اور نو ماہ کی عمر تک سہارا لے کر کھڑا ہونا شروع کر دیتا ہے اور 12 سے 15 ماہ کی عمر تک بغیر کسی سہارے کے چلنے لگتا ہے۔ اس مرحلے میں بچے کی جسمانی نشوونما تیزی سے ہوتی ہے۔ عمر کے پہلے سال میں ہڈیوں اور دیگر عضو کی نشوونما ہو جاتی ہے۔ دانت نکل آتے ہیں۔ ذہنی نشوونما پیدائش سے ہی شروع ہو جاتی ہے جس میں بہت تیزی ہوتی ہے۔ اس مرحلے میں بچہ چیزوں کو دیکھ کر، چھو کر، سیکھتا ہے اور پھر تجربات سے سیکھ جاتا ہے۔ اس سے وہ ذہن کو اور زیادہ وسعت کے ساتھ استعمال کرنا سیکھ جاتا ہے۔ اس لیے اس کا ذخیرہ الفاظ پہلے سال میں تقریباً 10 الفاظ اور دوسرے سال میں لگ بھگ 50 الفاظ کا ہو جاتا ہے۔ چند دنوں میں وہ اپنے ماں کی آواز پہچاننا شروع کر دیتا ہے اور ماں سے لگاو اور تعلق کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی عمر میں اسے پیار کی ضرورت ہوتی ہے اور اسے پیار و محبت ملنے پر اعتماد کا ایک احساس پیدا ہوتا ہے۔ نویں، دسویں اور بارہویں ماہ کے درمیان پیار، ہمدردی، غصہ اور دوستانہ سلوک واضح طور پر ظاہر ہوتا ہے۔ تقریباً بارہ ماہ کی عمر میں بچے اپنے بڑوں کی نقل کرتے ہیں اور مخصوص اشیا کے ساتھ آوازوں کو جوڑنے لگتے ہیں اور دادا، ماما اور پاپا جیسے الفاظ نکالنا شروع کرتے ہیں۔ بچہ ایک ماہ کا ہوتے ہوتے، تکلیف و آرام کا احساس کرنے لگتا ہے۔

حرکی صلاحیت سر سے پیر کی طرف بڑھتی جاتی ہے۔ جیسا کی اوپر بتایا جا چکا ہے۔ پیدائش کے وقت بچے کا سر بڑا ہوتا ہے اور اسے

زیادہ کنٹرول کرسکتا ہے۔ یہ نشوونما کی ترتیب اس طرح ہے کہ پہلے سراُس کے بعد کندھے، بازو اور پیٹ اور آخر میں ٹانگیں اور پیر۔ عمر گزرنے کے ساتھ ساتھ بچوں کی رکی طرز عمل عمومی سے خصوصی ہوجاتا ہے۔ مثال کے طور پر دوماہ کا بچہ کسی رنگین چیز کو صرف ٹکٹکی لگا کر دیکھتا ہے اور اپنے ہاتھ پاؤں پھینکنے لگتا ہے۔ یہ سب عمومی خصوصیات ہیں۔ پھر 7-6 ماہ کی عمر میں وہ اپنے ہاتھ کو اس اشیا کی طرف لے جاتا ہے جو خصوصی کی مثال ہے۔ اس مرحلے میں جذباتی نشوونما جس میں غصّہ، پیار، لگاو، درد، دکھ، خوشی کے جذبات کی نشوونما ہوجاتی ہے اور اس کے طرز عمل سے یہ ظاہر ہونے لگتا ہے اور اس کا مظاہرہ وہ اپنے طرز عمل کے ذریعے کرتا ہے۔

2.4.2 ابتدائی بچپن(Early Childhood)

دوسال سے 6 سال کی عمر کے عرصے کو ابتدائی بچپن کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور اسے اسکول سے پہلے کا عرصہ بھی کہا جاتا ہے۔ اس عرصے میں بچے میں نئے طرز عمل کی نشوونما کے ساتھ سیکھی ہوئی مہارتوں میں اصلاح بھی ہوتی ہے تا کہ نئے ماحول کے ساتھ ہم آہنگی ہوسکے اور وہ سماج کا ایک اچھا رکن بن سکے۔

حالانکہ پیار و محبت کے جذبات شیر خوارگی کے زمانے سے ہی نشوونما کے دائرے میں آتے ہیں لیکن اس عرصے میں بھی اس کے اندر پیار و محبت جیسے مثبت جذبات دیکھنے میں آتے ہیں۔ بچہ اپنے گروہ یا ہم عمر ساتھیوں کے ساتھ کھیلتا اور سماجی خصوصیات کی نقل بھی کرنا شروع کردیتا ہے۔ اور کچھ بچے گڑیا کے ساتھ بھی کھیلنے لگتے ہیں اور اس دوران ان کے جذبات بھی واضح طور پر دیکھے جاسکتے ہیں۔

یہ تجسس کا بھی مرحلہ ہے کیوں کہ اسی مرحلے میں وقوفی صلاحیتوں کا تیزی سے پھیلاو کے ذریعے اس کی ذہنی نشوونما کی خصوصیت معین ہوتی ہے۔ اس عرصے میں بچے انفرادی طور پر کوئی کام کرنے پر زور دیتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ اپنے آس پڑوس کی اشیا چاہے وہ جاندار ہوں یا غیر جاندار ان کے بارے میں جاننے کی جستجو ہوتی ہے۔ وہ ہمیشہ یہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ ماحول میں یہ سب موجود اشیا کس طرح کی ہیں وہ کیسے کام کرتی ہیں اور وہ کیسے ایک دوسرے سے جڑی ہوئی ہیں۔

اس مرحلے میں بچہ اپنے والدین کی نقل بھی کرتا ہے۔ والدین کے ساتھ ساتھ بچے کے آس پاس کے وہ سبھی لوگ جس سے وہ ملتا ہے ' وہ ان کی نقل کرتا ہے۔ اس عرصے میں لڑکے اور لڑکیوں کے جسمانی حصوں میں تبدیلی آنا شروع ہوجاتی ہے۔ لڑکوں کے پیر کا کافی اضافہ ہوتا ہے۔ چار سال کے بچے کا وزن 38 پونڈ کا ہوتا ہے لمبائی 40 انچ ہوتی ہے۔ لڑکیاں ان سے جسمانی اور وزن میں تھوڑی کم ہوتی ہیں۔

اس مرحلہ میں بچے اپنی ضرورتوں کے لیے بولتے ہیں اور اس مرحلے کے آخر میں پہنچتے پہنچتے وہ خاندان کے دوسرے لوگوں کے بارے میں بھی بولتے ہیں۔ اس عرصے میں غصّہ آنے پر دوسرے کو گالی بھی دینا شروع کردیتے ہیں اور لفظوں کا تلفظ اور جملے کی تشکیل بھی سیکھتے ہیں۔

2 سے 6 سال کے مرحلے میں بچے سماجی رابطہ اور تعلق بنانا سیکھتے ہیں اور آس پڑوس کے بچوں کے ساتھ ملنا جلنا پسند کرتے ہیں۔ اس لیے حیاتیاتی عوامل کے علاوہ سماجی عوامل بھی بچوں کے جنسی کردار پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

2.4.3 ثانوی بچپن(Later Childhood)

عام طور سے اسکول کا زمانہ شروع ہوجاتا ہے اور اپنے ساتھیوں کے اثرات بھی پڑنے لگتے ہیں۔ وہ اپنے والدین کی بات کو کم اہمیت دیتے ہیں۔

اس عرصے میں لڑنے جھگڑنے کی خاصیت ہوتی ہے۔ساتھ ساتھ ان کے عادات یعنی بولنے چالنے کا ڈھنگ، کپڑا پہننے کا ڈھنگ، سیکھنے اور پینے کی چیزوں کی پسند وغیرہ اپنے گروپ کے حساب سے ہوتے ہیں۔وہ عام طور سے اپنی ہی صنف کے کھلاڑیوں کا انتخاب کرتے ہیں اور گروپ میں کھیلتے ہیں اس لیے اسے گینگ عمر بھی کہا جاتا ہے۔

اس عمر کے بچے اپنی قوت اور ذہانت کو نئی چیزوں میں لگانے کی کوشش کرتے ہیں وہ نئی نئی قسم کی تصویریں بناتے اور کرافٹ کرتے ہیں یعنی اس عمر میں اختراعی صلاحیتوں کی نشوونما ہوتی ہے۔اس عمر میں بچوں میں 2 سے 3 انچ کا اضافہ سالانہ ہوتا ہے۔11 سال کے لڑکے کی اوسط لمبائی تقریباً 58 انچ اور اسی عمر کی لڑکی کی لمبائی تقریباً 57.5 انچ ہوتی ہے۔ان کا سالانہ وزن تقریباً 3 سے 4 پونڈ تک بڑھتا ہے اور 28 دانت نکل آتے ہیں۔

اس عمر میں زبان کی نشوونما زیادہ تیزی سے ہوتی ہے اور اب وہ رونے اور چلانے کو اہمیت کم دیتے ہیں۔ذخیرہ الفاظ میں اضافہ اور تلفظ صاف ہو جاتا ہے اور مشکل جملہ کا استعمال زیادہ کرتے ہیں۔جذباتی نشوونما میں پختگی آتی ہے اور اب وہ سمجھنے لگتے ہیں کی بات بات میں رو دینا، ڈر کر بھاگ جانا ایک طرح کی بچکانہ حرکت ہے۔بچے ٹولی میں رہ کر سماجی خصوصیات کو سیکھنے اور ٹولی میں رہنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔اس مرحلے میں سماج کے ساتھ کیا رویہ ہونا چاہیے سیکھ جاتے ہیں اور ان کا طرز عمل بھی اس طرح کا ہوتا ہے۔بچوں کی سوجھ بوجھ اور دلچسپیوں وغیرہ میں کافی وسعت آجاتی ہے۔10 سے 11 سال کی عمر تک لگ بھگ 90% ذہنی نشوونما ہو جاتی ہے۔

2.4.4 عنفوانِ شباب (Adolescence)

12 سے 18 سال کے عمر کو عنفوانِ شباب کہا جاتا ہے۔ماہرین نفسیات نے اسے ایک اہم مرحلہ کہا ہے اور مانا بھی جاتا ہے۔یہ وہ مرحلہ ہے جس کا بچوں میں فوری اور طویل دونوں طرح کے اثرات پڑنے کے ساتھ ساتھ جسمانی ونفسیاتی دونوں طرح کے اثرات دیکھنے کو ملتے ہیں۔اس میں قد اور وزن میں تیزی کے ساتھ اضافہ ہوتا ہے اور بچے اپنے آپ کو بالغ سے کم نہیں سمجھتے۔

یہ بچپن اور بلوغیت کے درمیان کا عرصہ ہے۔یہ وہی زمانہ ہے جس میں زیادہ تر بچوں میں جنسی پختگی آتی ہے۔لڑکیوں کی لمبائی لڑکوں سے زیادہ ہوتی ہے۔ان میں مضبوطی آتی ہے۔ان کے سبھی خارجی اور اندرونی اعضا مکمل صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ہندوستان میں لڑکیوں میں 13 سال اور لڑکوں میں پندرہ سال کی عمر میں اعضا تناسل (Gonads) سرگرم ہو جاتے ہیں۔اسی عمر میں بچے میں نشوونما نہایت انقلابی ہوتی ہے اور جنسی پختگی کا مظاہرہ ہوتا ہے۔بالغ اکثر خود اپنی اور اپنے دوستوں کی جسمانی شکل وصورت کے بارے میں بے حد حساس ہوتے ہیں اور اسے جاذب اور خوبصورت بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔جسمانی نقطۂ نظر سے 15 سال میں لڑکیوں میں نسوانی خصوصیات مکمل ہو جاتے ہے اور 18 سال کی عمر میں لڑکوں میں مردانہ خصوصیات مکمل ہو جاتی ہیں۔

ذہانت کی مکمل نشوونما اس عمر میں ہوتی ہے۔قوت حافظہ غضب کا ہوتا ہے اور اضافہ بھی ہوتا ہے اور استحکام آنے لگتا ہے۔استدلال، ترکیب، تجزیہ اور تصور کی صلاحیت میں اضافہ ہوتا ہے۔ساتھ ساتھ مسائل کو حل کرنے کی صلاحیت میں اضافہ ہوتا ہے اور آخر میں پختگی بھی آنے لگتی ہے اور سماجی دائرہ بڑا ہو جاتا ہے۔اسی وجہ سے ذخیرہ الفاظ میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے اور الفاظ کے درمیان فرق کرنے لگتے ہیں۔یہاں تک کہ ہم معنی اور مترادف الفاظ میں تفریق کرنے لگتے ہیں۔بچے زبان کے قواعد کو بھی سمجھنے لگتے ہیں۔اس زمانے میں زبانی اظہار اچھی ہو جاتی ہے۔زبان کے اظہار کے ساتھ ساتھ ان کی تحریر میں سلاست اور صفائی آنے لگتی ہے۔

اس عمر میں خوف، فکر، محبت، غصہ اور حد کے جذبات بہت تیز ہوتے ہیں اور اپنے رتبے کے تئیں محتاط رہتے ہیں۔ عموماً لڑکوں میں بہادری لڑکیوں میں فن کاری کی خصوصیات پیدا ہو جاتی ہے اور وہ مستقبل کے تئیں فکر مند رہتے ہیں۔ سماجی شعوری بھی اسی عمر میں پروان چڑھتی ہے اور مختلف معاشرے کا رکن بننے کی جانب جاذبیت ہوتی ہے۔ ان کا دائرہ وسیع ہو جاتا ہے۔ سماج کے سبھی شعبہ میں دلچسپی لینے لگتے ہیں۔ اس میں شریک ہوتے ہیں۔ اس سے سماجی پختگی آتی ہے۔ وہ سماج کی اچھائیوں اور برائیوں میں تفریق کرنے لگتے ہیں۔ سماجی تبدیلی میں ان کی دلچسپی ہوتی ہے۔ اس عمر میں لڑکے لڑکیوں سے دوستی کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو گہرے دوست بناتے ہیں۔

مندرجہ بالا تفصیل سے یہ صاف ہے کہ عنفوانِ شباب میں لڑکے اور لڑکیوں کے جسم، شعور، اور دماغ میں انقلابی تبدیلیاں ہوتی ہے۔ یہ زمانہ لڑکے اور لڑکیوں کے بننے اور بگڑنے کا زمانہ ہوتا ہے۔ اگر اس وقت ان کے لیے مناسب تعلیم و تربیت کا اچھا انتظام کیا جاتا ہے تو وہ اچھے بن جاتے ہیں ورنہ بگڑ جاتے ہیں۔ اس لیے اس مرحلے میں اچھی تعلیم اور ماحول کی ضرورت ہے۔

2.5 نشو ونما کے نظریات (Concepts of Growth and Development)

2.5.1 پیاجے کا وقوفی نشو نما کا نظریہ (Piaget's Theory of Cognative Development)

جین پیاجے (Jean Piaget) 1896'-'1980 ایک مشہور ماہر نفسیات تھے۔ انہوں نے 1923 اور 1932 کے درمیان پانچ کتابیں شائع کیں۔ جن میں انہوں نے وقوفی نشو نما کے نظریات کو پیش کیا۔ پیاجے کے مطابق بچوں میں حقیقت کی ساخت کے بارے میں غور فکر کرنے اور اسے دریافت کرنے کی صلاحیت نہ صرف ان کی پختگی کی سطح اور ان کے تجربات پر منحصر کرتی ہے بلکہ ان دونوں کے باہمی تعلق کے ذریعے متعین ہوتی ہے۔ پیاجے نے کچھ اہم تصورات پیش کیے جو درج ذیل ہیں۔

1۔ مطابقت (Adaptation)

پیاجے کے مطابق بچوں میں ماحول کے ساتھ ہم آہنگ ہونے کی ایک پیدائشی جبلت ہوتی ہے جسے مطابقت کہا جاتا ہے۔ انہوں نے مطابقت کے عمل کے دو ذیلی عمل بتایے ہیں؛ جذب کرنا (Assimilation) اور ہم آہنگی (Accomodation)۔ جذب کرنا ایک ایسا عمل ہے جس میں بچہ مسئلے کو حل کرنے کے لیے یا حقیقت سے ہم آہنگ ہونے کے لیے سابقہ سیکھی گئی ترا کیب یا ذہنی عوامل کا سہارا لیتا ہے۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ حقیقت سے آہنگ کرنے میں پہلے کے متعارف عمل یا ذہنی عمل سے کام نہیں چلتا ہے، ایسی حالت میں بچہ اپنے عمل، ادراک یا برتاو میں تبدیلی لاتا ہے جس سے کہ وہ نئے ماحول کے ساتھ مطابقت یا ہم آہنگی قائم کر سکے۔

2۔ متوازنت (Equilibration)

متوازنت کا تصور مطابقت کے تصور سے ملتا جلتا ہے۔ متوازنت ایک ایسا عمل ہے جس کے ذریعے بچہ جذب اور مطابقت کے عمل کے درمیان ایک توازن قائم کرتا ہے۔

3۔ خاکہ (Schema)

پیاجے کے مطابق اسکیما (خاکہ) سے مراد ایک ایسی وقوفی ساخت ہے جس کی تعمیم کی جا سکے۔ اس طرح اسکیما ذہنی کارروائی اور وقوفی ساخت سے متعلق تصور ہے۔

پیاجے کے وقوفی نظریہ کی تفصیلی وضاحت

جین پیاجے نے بچوں کی وقوفی نشوونما کی وضاحت کرنے کے لیے چار مراحل پیش کیے ہیں۔ یہ مراحل درج ذیل ہیں۔

1۔ حسی حرکی مرحلہ (Sensory Motor Stage)

2۔ قبل تفاعلی مرحلہ (Pre-operational Stage)

3۔ ٹھوس تفاعلی مرحلہ (Concrete Operational Stage)

4۔ رسمی تفاعلی مرحلہ (Stage of Formal Operation)

ان مراحل کی وضاحت پیش کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ اس نظریہ کے اہم مفروضات پر غور کرلیا جائے۔ اس نظریہ کے درج ذیل چار اہم مفروضات (Assumptions) ہیں۔

I۔ انسان کا بچہ پیدائش کے وقت سے ہی ماحول کے غیر یقینی حالات سے مطابقت کرتا ہے اور ایک مربوط اور منظم طریقے سے اس صلاحیت کی نشوونما کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

II۔ جب بچے کے سامنے کچھ ایسے واقعات رونما ہوتے ہیں جن کا اسے پہلے تجربہ نہیں ہوا ہے تو اس سے اس میں ایک طرح کی غیر متوازن وقوفی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے جسے وہ جذب اور ہم آہنگی (Assimilation and Accomodation) کے ذریعے متوازن کرتا ہے۔

III۔ متوازنت (Equilibration) کا عمل صرف بچوں کے سابقہ تجربات پر ہی منحصر نہیں کرتا بلکہ ان کی جسمانی پختگی (Physical Maturation) کی سطح پر بھی منحصر کرتا ہے۔ یعنی یہ سب اس کے اعصابی نظام (Nervous system) ، حسیاتی اعضا (Sensory organs) کی نشوونما پر منحصر کرتا ہے۔

IV۔ متوازنت (Equilibration) کا اثر یہ ہوتا ہے کہ بچوں کی وقوفی ساخت (Cognative structure) کی نشونما کے چاروں مراحل میں ان کی نشونما ہموار ہوتی ہے۔

وقوفی نشونما کے چاروں مراحل کی تفصیل درج ذیل ہے۔

1۔ حسی حرکی مرحلہ (Sensory motor stage)

یہ مرحلہ پیدائش سے دو سال تک کا ہوتا ہے۔ اس مرحلہ میں بچوں میں دیگر سرگرمیوں کے علاوہ جسمانی طور پر چیزوں کو اِدھر اُدھر کرنا، چیزوں کو پہچاننے کی کوشش کرنا، کسی چیز کو پکڑنا اور اکثر اسے منھ میں ڈالنا، چوسنا، چیزوں کو الٹنے۔ پلٹنے اور چھونے پر اپنا زیادہ دھیان دینا، چیزوں کو ادھر اُدھر ہٹاتے ہوئے اسے تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ وقوفی نشونما درج ذیل چھ ذیلی مراحل سے ہو کر گزرتی ہے۔

I۔ پہلے مرحلہ کو انعکاسی سرگرمیوں کا مرحلہ (Stage of reflex activities) کہا جاتا ہے جو پیدائش سے 30 دن تک کی ہوتی ہے۔ اس عمر میں بچہ صرف انعکاسی سرگرمیاں ہی کرتا ہے۔ ان انعکاسی سرگرمیوں میں چوسنے کا انعکاس (Stage of Primary) کی شدت سب سے زیادہ ہوتی ہے۔

II۔ دوسرا مرحلہ بنیادی دائرہ نما ردعمل کا مرحلہ (Stage of primary circular reactions) کہا جاتا ہے جو ایک مہینے سے 4 مہینے کی عمر تک ہوتا ہے۔ اس عمر میں بچوں کی انعکاسی سرگرمیاں ان کے احساسات کے ذریعے کچھ حد تک تبدیل ہوتی ہیں، دوہرائی جاتی ہیں،

اور ایک دوسرے کے ساتھ زیادہ مربوط ہوجاتی ہیں۔اس طرزعمل کو بنیادی اس لیے کہا جاتا ہے کیوں کہ وہ ان کے بدن کی بنیادی انعکاسی سرگرمیاں ہوتی ہیں اور انہیں دائرہ نما اس لیے کہا جاتا ہے کیوں کہ انہیں دہرایا جاتا ہے۔

III۔ تیسرا مرحلہ ثانوی دائرہ نما ردعمل کا مرحلہ (Stage of secondory circular reactions) ہوتا ہے جو 4 سے 8 مہینے تک کی عمر کا ہوتا ہے، اس عمر میں بچے چیزوں کو الٹنے۔ پلٹنے (manipulation) اور چھونے پر زیادہ دھیان دیتے ہیں نہ کہ اپنے جسم کی انعکاسی سرگرمیوں پر۔اس کے علاوہ وہ جان بوجھ کر کچھ ایسے عمل کو دہراتے ہیں جو انہیں سننے یا کرنے میں دلچسپ اور مزیدار لگتے ہیں۔

IV۔ ثانوی قیاس کو مربوط کرنے کا مرحلہ (Stage of coordination of secondary sehergrate) چوتھا اہم مرحلہ ہے۔جو 8 سے 12 مہینے تک کی عمر کا ہوتا ہے۔اس عمر میں بچہ ہدف (Goal) اور اس پر پہنچنے کے وسائل (Means) میں فرق کرنا شروع کردیتا ہے۔جیسے اگر کسی کھلونے کو چھپادیا جاتا ہے تو وہ اس کے لیے چیزوں کو ادھر اُدھر ہٹاتے ہوئے اسے تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔اس عمر میں بچہ بڑوں کے ذریعے کیے جانے والے کاموں کی تقلید (imitation) بھی شروع کردیتا ہے۔اس عمر میں بچے جو خاکہ (Schema) سیکھتے ہیں ان کا وہ ایک حالت سے دوسری حالت میں تعمیم (Generalization) کرنا بھی شروع کردیتے ہیں۔

V۔ یہ ردعمل کا مرحلہ ہوتا ہے۔اس عمر میں بچہ چیزوں کی خوبیوں کو سعی اور خطا (Trial and Error) طریقے سے سیکھنے کی کوشش کرتا ہے۔اس عمر میں اس کی اپنی جسمانی سرگرمیوں میں رغبت کم ہوجاتی ہے اور وہ خود کچھ چیزوں کو لے کر تجربہ کرتا ہے۔بچوں میں تجسس کا محرکہ زیادہ شدید ہوجاتا ہے اور ان میں چیزوں کو اوپر سے نیچے گرا کر مطالعہ کرنے کی جبلت زیادہ ہوتی ہے۔

VI۔ ذہنی اتحاد کے ذریعے نئے وسائل کی دریافت کا مرحلہ (Stage of the invention of new means through mental ombinaiton) آخری مرحلہ ہے جو 18 مہینے سے 24 مہینے کی عمر کا ہوتا ہے۔یہ وہ عمر ہوتی ہے جس میں بچے چیزوں کے بارے میں غور وفکر شروع کرتے ہیں۔اس عمر میں بچہ ان چیزوں کے تئیں بھی ردعمل کرنا شروع کردیتا ہے جو براہ راست مشاہدے میں نہیں ہوتی ہیں۔ اس خوبی کو اشیا ٹھہراو (Object permanence) کہا جاتا ہے۔دوسرے لفظوں میں بچے 3 سے 4 مہینے کی عمر میں یہ سوچتے تھے کہ جب کوئی چیز ان کے سامنے سے ہٹ جاتی ہے تب اس کا وجود بھی ختم ہوجاتا ہے۔لیکن اب ان کی سوچ زیادہ حقیقی ہوجاتی ہے اور اب وہ یہ سوچتے ہیں کہ جب چیز اس کے سامنے نہیں بھی ہوتی ہے تو اس کا وجود قائم رہتا ہے۔اسے ہی اشیاء ٹھہراو کی خوبی کہا جاتا ہے۔

2۔ قبل کاروائی مرحلہ (Pre-operational stage)

وقوفی نشوونما کا یہ مرحلہ 2 سال سے 7 سال کی عمر کا ہوتا ہے۔دوسرے لفظوں میں یہ ابتدائی طفولیت کا زمانہ ہوتا ہے۔اس مرحلے کو پیاجے نے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔قبل تصوراتی مدت (Preconceptual period) اور وجدانی مدت (Intutive period)

I۔ قبل تصوراتی مدت یہ زمانہ 2 سال سے 4 سال کی عمر کا ہوتا ہے۔اس عمر میں بچے مظاہر (Signifiers) کی تشکیل کرلیتے ہیں۔ مظاہر سے مراد اس بات سے ہے کہ بچے یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ اشیا لفظی شکل اور خیال کس طرح کیے جاتے ہیں۔پیاجے نے دو طرح کے مظاہر پر زور دیا ہے۔علامت (Symbol) اور اشارہ (Sign)۔علامت جیسے جب بچہ اپنی ماں کی آواز کو سنتا ہے تب اس کے شعور میں ماں کی ایک تصویر بنتی ہے جو علامت کی مثال ہے۔اشارے میں چیزوں (Object) کا جب وہ ذہنی خیال کرتے ہیں تو ان کی اتنی زیادہ مماثلت نہیں ہوتی ہے۔اشارے میں چیزوں یا واقعات کی ایک تحریری تصویر ہوتی ہے۔لفظ یا زبان کے دیگر پہلو عمومی اشاروں کے مثالیں ہیں۔

پیاجے علامتوں (Symbol) اور اشاروں (Sign) کو قبل کاروائی خیالات (Preoperation) کا اہم آلہ تسلیم کرتے ہیں۔اس

عمر میں بچوں کو ان مظاہر (Signifiers) کا مفہوم سمجھنا ہوتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اپنے خیالات اور عمل میں اس کا استعمال کرنا سیکھنا ہوتا ہے۔ اسے پیاجے نے علامتی افعال (Symbolic function) کے نام سے منسوب کیا ہے۔ انہوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ بچوں میں علامتی افعال بنیادی طور پر دو طرح کی سرگرمیوں یعنی تقلید (Imitation) اور کھیل (Play) کے ذریعے ہوتا ہے۔ تقلیدی عمل کے ذریعے بچے اشاروں کو سیکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر بچہ جب ماں کے پھول کہنے پر پھول کہنے کی نقل کرتا ہے تو وہ رفتہ رفتہ پھول اور اس کے مفہوم کو سمجھ جاتا ہے۔ کھیل کے ذریعے بھی بچے اشاروں کے مفہوم کو سمجھتے ہیں اور اس کا صحیح صحیح استعمال اپنے خیالات اور عمل میں کرنا سیکھتے ہیں۔

پیاجے نے قبل کاروائی خیالات کی دو تحدید (Limitations) بھی بتائی ہیں۔ جو اس طرح ہیں۔

(a) روحیت (Animism) روحیت بچوں کے خیالات کی ایک ایسی تحدید کی جانب اشارہ کرتی ہے جس میں بچہ غیر جاندار چیزوں کو بھی جاندار سمجھتا ہے۔ جیسے: کار، پنکھا، ہوا، بادل سبھی اس کے خیال میں جاندار ہوتے ہیں۔

(b) خود بینی (Egocentrism) اس میں بچہ صرف اپنے ہی خیال کو درست مانتا ہے۔ اسے کچھ اس طرح کا یقین ہوتا ہے کہ دنیا کی زیادہ تر چیزیں اسی کے ارد گرد چکر لگاتی رہتی ہیں۔ جیسے جب وہ تیزی سے چلتا ہے تو سورج بھی تیزی سے چلنا شروع کر دیتا ہے، اس کی گڑیا وہی دیکھتی ہے جو وہ دیکھ رہا ہے۔ وغیرہ۔ وغیرہ پیاجے نے یہ بھی بتایا کہ جیسے جیسے بچے کا تعلق دیگر بچوں اور بھائی بہنوں سے بڑھتا جاتا ہے اس کے خیالات میں اس خود بینی کی کیفیت میں کمی ہوتی چلی جاتی ہے۔

II۔ وجدانی مدت (Intutive period) اس عمر میں بچوں کے خیالات اور استدلال (Reasoning) پہلے سے زیادہ پختہ ہو جاتے ہیں جس کے نتیجے میں وہ عمومی ذہنی کاروائیاں جیسے جوڑ، گھٹاؤ، ضرب اور تقسیم وغیرہ کرنے لگتا ہے۔ لیکن ان ذہنی کاروائیوں کے پیچھے چھپے اصولوں کو وہ سمجھ نہیں پاتا ہے۔ وجدانی خیالات اس طرح کے خیالات ہوتے ہیں جن میں کوئی ترتیب یا استدلال نہیں ہوتا۔ پیاجے نے وجدانی خیالات کی بھی ایک خامی بتائی ہے وہ یہ ہے کہ اس عمر میں بچوں کے خیالات میں الٹا کرنے کی صلاحیت (Trait of reversibbility) نہیں ہوتی ہے۔ جیسے بچہ یہ تو سمجھتا ہے کہ 4=2×2 ہوا ہے لیکن 2=4÷2 کیسے ہوا، یہ نہیں سمجھ پاتا ہے۔

III۔ ٹھوس کاروائی مرحلہ (Stage of Concrete Operation) عمر کا یہ مرحلہ 7 سال سے شروع ہو کر 12 سال تک چلتا ہے۔ اس عمر کی خصوصیت یہ ہے کہ بچہ ٹھوس اشیاء کی بنیاد پر آسانی سے ذہنی کاروائی کر کے مسئلے کو حل کر لیتا ہے۔ لیکن اگر ان چیزوں کو نہ دیکر اس کے بارے میں لفظی بیان تیار کر اکر مسئلہ حاضر کیا جاتا ہے تو وہ ایسے مسئلوں پر ذہنی کاروائی کرنے پر کسی نتیجے پر پہنچنے میں نا قابل ہوتا ہے۔ جیسے اگر انہیں تین چیزیں A,B,C دی جائیں تو انہیں دیکھ کر وہ آسانی سے کہہ دے گا کہ ان میں A,B سے بڑا ہے لیکن اسے اگر یہ کہا جائے کی مریم مہوش سے بڑی ہے اور مہوش مدیحہ سے بڑی ہے تو تینوں میں سب سے بڑا کون ہے تو وہ اس کا جواب دینے کے نا قابل ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس مسئلے میں ٹھوس کاروائی ممکن نہیں ہے۔ کیوں کہ مسئلہ لفظی بیان کی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ اس مثال سے یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ اس عمر میں بچوں کا تفکر اور استدلال قبل کاروائی مرحلہ کے مقابلے میں زیادہ باترتیب اور مدلل ہو جاتا ہے۔ اس مرحلہ میں سوچ کی ایک خوبی یہ ہے کہ اس میں الٹا کرنے کی صلاحیت (Trait of reversibility) آجاتی ہے جیسے اب بچہ یہ سمجھنے لگتا ہے کہ 4=2×2 ہوا ہے تو 2=2÷4 ہوگا۔ اس عمر میں بچوں میں تین اہم تصورات (Concept) کی نشوونما ہو جاتی ہے۔ تحفظ (Conservation)، تعلق (Relation) اور درجہ بندی

(Classification)۔اس عمر میں بچے رقیق (Liquid)،لمبائی (Length)،اوروزن (Weight) وغیرہ کے تصورات کو بھی سمجھنے لگتے ہیں۔ وہ تسلسل اور ترتیب سے متعلق مسائل کو بھی حل کرتے پائے جاتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں دی گئی چیزوں کواس کی لمبائی اوروزن کے مطابق اوپر سے نیچےاور نیچے سےاوپرکی ترتیب میں سجانے کی صلاحیت کی نشوونماان میں ہوجاتی ہے۔ اسے سلسلہ سازی (Seriation) کے نام سے منسوب کیا جاتا ہے۔اسی طرح اس عمر میں بچوں میں چیزوں کی خوبیوں کے مطابق اسے کسی ایک درجہ یازمرے میں چھانٹنے کی صلاحیت کی بھی نشوونما ہوجاتی ہے۔

اتنا ہونے کے باوجودٹھوس کاروائی مرحلہ کی دواہم تحدید بتائی گئی ہیں۔ پہلی خامی یہ بتائی گئی ہے کہ اس عمر میں بچے ذہنی کاروائی تبھی کر پاتے ہیں جب چیزیں ٹھوس صورت میں حاضر کی گئی ہوں۔ دوسری خامی یہ بتائی گئی ہے کہ اس عمر میں سوچ مکمل طور پر باالترتیب (Systematic) نہیں ہوتی ہے۔کیوں کہ بچہ پیش کیے گئے مسئلے کی استدلالی صورت سے سبھی ممکنہ حل کے بارے میں نہیں سوچ پاتا ہے۔جیسا کہ براؤن اورکوک۔1986 (Brown & Cook) نے کیا ہے" ٹھوس کاروائی مرحلے کی دوسری تحدید یہ ہے کہ یہ بہت مرتب (Systematic) نہیں ہوتی ہے۔کسی مسئلے کی استدلالی صورت کے ممکنہ سبھی حل کے بارے میں بچہ نہیں سوچ پاتا ہے۔

3۔رسمی کاروائی کا مرحلہ (Stage of Formal Operations) یہ عمر 11 سال سے شروع ہوکر بلوغت تک چلتی ہے۔اس عمر میں نوبلوغ کے خیالات زیادہ لچیلے اورموثر ہوجاتے ہیں۔اس کے خیالات میں مکمل مسئلے کا حل تصوراتی صورت میں سوچ کراورغوروفکر کرکے کرنے کے قابل ہوجاتے ہیں۔اس عمر میں مسئلے کوحل کرنے کے لیے مسئلے کے اجزا (Items) کی ٹھوس صورت ان کے سامنے موجود ہونا ضروری نہیں ہے۔ اس طرح اس عمر کے بچوں کی سوچ میں معروضیت (Objectivity) اور حقیقت (Reality) کا جز زیادہ بڑھ جاتا ہے۔دوسرے لفظوں میں بچوں میں غیرمرکزیت (Decentring) کی نشوونما مکمل طور پر ہوجاتی ہے۔

پیاجے کانظریہ ہے کہ رسمی کاروائی کا زمانہ دیگرزمانوں کی بہ نسبت زیادہ متغیر (Variable) ہوتا ہےاور یہ نوبلوغ کی تعلیمی سطح سے براہ راست طور پر متاثر ہوتا ہے۔جن بچوں کی تعلیمی سطح کافی کمتر ہوتی ہےان میں رسمی کاروائی کی سوچ بھی کافی کم ہوتی ہے۔لیکن جن بچوں کی تعلیمی سطح کافی اونچی ہوتی ہےان میں رسمی کاروائی کی سوچ زیادہ ہوتی ہے

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ پیاجے نے اپنے چارمراحل نظریے میں اس بات پرزوردیا ہے کہ فرد میں وقوفی نشوونما عمر کے چار مختلف ادوار میں ہوتی ہے۔ پیاجے کا یہ نظریہ حالانکہ ایک عمدہ نظریہ ہے پھربھی ماہرین نفسیات اس کی تنقید درج ذیل عناصر کی بنیاد پر کرتے ہیں۔

1۔ ناقدین کا خیال ہے کہ پیاجے کے ذریعے بچوں کے طرزعمل کے مشاہدے کے لیے جوطریقۂ کاراختیار کیا گیا تھا وہ موضوعی (subjective) ہے۔اس طریقۂ کار میں کبھی۔کبھی بچوں کوایسے ردعمل کرنے پڑتے ہیں کہ خود میں وقوفی قابلیت ہونے کے باوجود بھی وہ ان کا جواب نہیں دے پاتے۔

2۔ کچھ ناقدین بچوں کے ذریعے دیے گئے جوابات کی وضاحت جو پیاجے نے کی ہےاس کی تنقید کی ہے۔پیاجے کے مطابق جب بچہ دیے گئے مسئلے کوحل نہیں کر پاتا ہے تو اس کا سیدھا مطلب یہ اخذ کرلیا جاتا ہے کہ اس بچے میں وقوفی قابلیت (Cognintive Competence) کی کمی ہے۔ ناقدین پیاجے کی اس وضاحت کی تنقید کرتے ہیں۔گیل مین(Gelman, 1978) نے مطالعہ کی بنیاد پر یہ بتایا ہے کہ جب بچوں سے پیاجے کے ذریعے پوچھے گئے تحفظ (Conservation) سے متعلق مسائل کی اصلاح کرکے آسان زبان میں پوچھا گیا تو وہ ان کا صحیح صحیح حل پیش کرنے میں کامیاب ہوگئے۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ پیاجے کے

ذریعے کی گئی وضاحت زیادہ مناسب نہیں تھی۔

3۔ پیاجے کا ایسا یقین تھا کہ وقوفی نشو ونما مسلسل اور غیر مسلسل دونوں ہی ہوتی ہے۔ان کا کہنا تھا کہ کسی ایک مرحلہ میں وقوفی نشو ونما کا عمل مسلسل اور بتدریج بڑھنے والی ہوتی ہے۔لیکن ایک مرحلے سے دوسرے مرحلے میں یہ نشو ونما غیر مسلسل اور کیفیتی طور پر مختلف (Qualitative distinct) ہوتی ہے۔ناقدین کا خیال ہے کہ پیاجے کا یہ یقین سائنسی نہیں تھا۔کیوں کہ جو بھی ہم وقوفی نشو ونما دوسرے، تیسرے اور چوتھے مرحلے میں دیکھتے ہیں وہ ٹھیک پہلے کے مرحلے یا عمر سے مکمل طور پر مختلف نہیں رہتی ہے۔مثال کے طور پر بچوں کی سوچ میں تیسرے مرحلے میں اچانک الٹا کرنے کی صلاحیت نہیں آ جاتی ہے۔پہلے اس میں الٹا کرنے کی صلاحیت کی نشو ونما دوسرے مرحلے میں ہوتی ہے اور تب پختگی اور تجربات میں اضافہ ہونے سے اگلے مرحلے میں الٹا کرنے کی صلاحیت کی نشو ونما ہوتی ہے۔اس لیے وقوفی نشو ونما کے مختلف مراحل کو ایک دوسرے سے مکمل طور پر آزاد ماننا درست نہیں ہوگا۔

4۔ حالانکہ پیاجے نے وقوفی نشو ونما کے لیے بچوں کی حیاتیاتی پختگی (Biological maturation) اور تجربات دونوں کو ہی اہم مانا ہے۔لیکن وہ یہ نہیں بتا پائے کہ کسی خاص وقوفی ساخت کی نشو ونما میں تجربات کی کس مقدار میں ضرورت پڑتی ہے۔جیسے انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ اشیاء ٹھہراؤ (Object permanance) کی ساخت کی نشو ونما کرنے میں بصری محرکہ (Visual stimulus) کس مقدار میں بچوں کو دیا جانا چاہیئے۔اسی طرح رسمی کاروائی سوچ (Formal operation) کی اطمنان بخش سطح کے لیے نوبلوغ کی کہاں تک تعلیم ہونا چاہیے وغیرہ وغیرہ۔مندرجہ بالا تنقید کے باوجود پیاجے کا وقوفی نشو ونما کا نظریہ کافی اہم تسلیم کیا جاتا ہے۔اس نظریہ کے حقائق کی افادیت اساتذہ کے لیے کافی زیادہ بتائی جاتی ہے۔کیوں کہ اس سے بچوں کی ذہنی نشو ونما کی وضاحت آسانی سے اطمینان بخش طریقے سے ہو سکتی ہے۔وقوفی نشو ونما کے نظریہ سے اساتذہ کو تدریسی عمل کے لیے خود بھی بہترین رہنمائی حاصل ہوتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ متعلم کے لیے بھی یہ زیادہ مفید سمجھا جاتا ہے۔

2.5.2 ایرکسن کا نفسی۔سماجی نشو ونما کا نظریہ (Erikson's theory of Psycho-social Development)

ایرک ایرکسن (Erik Erikson) کے نظریے میں انفرادی، جذباتی اور تہذیبی یا سماجی نشو ونما کو منظم کیا گیا ہے، اس لیے اسے نفسی سماجی نشو ونما کا نظریہ کہا جاتا ہے۔ایرکسن کے نفسی سماجی نشو ونما کا نظریہ پانچ اہم حقائق پر محیط ہے۔جو درج ذیل ہیں:

I۔عموماً لوگوں میں ایک ہی طرح کی بنیادی ضروریات (Basic needs) ہوتی ہیں۔

II۔فرد میں انا (Ego) یا خودی (Self) کی نشو ونما انہیں ضروریات کے تئیں ردعمل کا نتیجہ ہوتی ہیں۔

III۔نشو ونما مختلف مراحل سے ہو کر مکمل ہوتی ہے۔

IV۔نشو ونما کے ہر ایک مرحلے میں ایک نفسی سماجی مبازرت (Challenge) ہوتی ہے جسے تکنیکی طور پر بحران (Crises) کہا جاتا ہے اور جو نشو ونما کے لیے مواقع بھی فراہم کرتی ہے۔

(v) مختلف مراحل میں فرد کی تحریک (Motivation) میں فرق ہونے کی بات منعکس ہوتی ہے۔

ایرکسن کے اس نظریے میں مکمل اوقات زندگی میں نشو ونما کے آٹھ مراحل ہوتے ہیں۔جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

1۔ اعتماد بمقابلہ بے اعتمادی (Trust vs Mistrust)

پہلے مرحلے کی مدت پیدائش سے ایک سال کی عمر تک ہوتی ہے۔ جن بچوں کو اپنے والدین اور دیگر دیکھ ریکھ کرنے والے افراد سے مسلسل مناسب شفقت، محبت وغیرہ ملتی ہے ان میں اعتماد (Trust) اور نہ ملنے پر بے اعتمادی کی نشونما ہو جاتی ہے۔

2۔ خودمختاری بمقابلہ شرم اور شبہ (Autonomy vs shame and doubt)

دوسرے مرحلے کی مدت ایک سال سے 3 سال کی عمر تک کی ہوتی ہے۔ جب بچوں کو اپنے والدین یا دیکھ ریکھ کرنے والوں میں اعتماد پیدا ہو جاتا ہے تو پھر ان میں یہ احساس پیدا ہونے لگتا ہے کہ ان کے برتاؤ بالکل اپنے ہیں تو وہ خودمختاری یا ا؟ زادی کو اہمیت دینے لگتے ہیں لگتے ہیں اور سخت والدین کے وجہ سے بچوں کو اپنی صلاحیتوں پر شک ہونے لگتا ہے اور وہ اپنے اندر ہی اندر شرم کا احساس کرتے ہیں۔ جب بچہ خود مختار بمقابلہ شرم اور شبہ کے بحران (Crises) کو کامیابی کے ساتھ حل کر لیتا ہے تو اس میں جو نفسی سماجی استعداد پیدا ہوتی ہے اسے قوت ارادی (Will power) کہا جاتا ہے جس کے نتیجے میں بچے شک اور شبہ کی حالت میں بھی کھل کر اپنے خودمختار پسند اور مزاحمت (Restraint) کا استعمال کر کے برتاؤ کرتے ہیں۔

3۔ پہل بمقابلہ جرم (Initiative vs Guilt)

تیسرے مرحلے کی مدت 3 سال سے 5 سال کی عمر تک کی ہوتی ہے۔ بچے غور و خوص اور نئے نئے تجسس دکھانا شروع کر دیتے ہیں۔ اگر کسی وجہ سے والد والدہ بچوں کی اس پہل کی تنقید کرنے لگتے ہیں تو اس میں جرم کا احساس پیدا ہو جاتا ہے۔ جب بچوں میں پہل کا تناسب اس جرم کے احساس کے تناسب سے زیادہ ہوتا ہے، یعنی پہل بنام جرم کا احساس کے بحران کا جب وہ ازالہ کر لیتا ہے، تو ان میں ایک مخصوص نفسی سماجی خوبیوں کی نشو ونما ہوتی ہے جسے مقاصد کہا جاتا ہے اور اس کے نتیجے میں بچوں میں با مقصد برتاؤ کرنے کی تحریک پیدا ہوتی ہے۔

4۔ مشقت بمقابلہ کمتری (Industry vs Inferiority)

چوتھے مرحلے کی مدت 6 سال سے 12 سال کی عمر تک کی ہوتی ہے۔ اس مرحلہ کو مابعد طفولیت بھی کہا جاتا ہے۔ اب بچے اپنی توانائی کو نئے علم کی حصولیابی اور ذہنی مہارتوں کو سیکھنے میں لگانا شروع کرتے ہیں۔ یہاں وہ اپنی مہارتوں سے حاصل کامیابی اور اس کی شناخت سے کافی متحرک بھی ہوتے ہیں اور کامیابی نہ ملنے پر احساس کمتری کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اس پہلو کو مشقت (Industry) کے نام سے منسوب کیا جاتا ہے۔ طلبا مشقت بنام کمتری کے بحران کا کامیابی کے ساتھ ازالہ (Solution) کر لیتے ہیں اور ان میں ایک مخصوص نفسی سماجی خوبی کی نشو و نما ہوتی ہے جسے اہلیت کے نام سے منسوب کیا جاتا ہے۔ اس کے نتیجے کی صورت میں طلبا میں یہ یقین پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ ماحول کے ساتھ صحیح طریقے سے ہم آہنگی کرنے کے قابل ہیں۔

5۔ شناخت بمقابلہ الجھن (Identity vs Confusion)

پانچویں مرحلے کی مدت 12 سال سے 18 سال کی عمر تک کی ہوتی ہے۔ اس عمر میں نو بلوغ میں یہ جاننے کی اہلیت ہوتی ہے کہ وہ کون ہیں؟ وہ کس لیے ہیں؟ اور وہ اپنی زندگی میں کہاں جا رہے ہیں؟ اسے ایرکسن نے شناخت (Identity) کے نام سے منسوب کیا ہے۔ نو بلوغ کو بہت نئے کردار ادا کرنے ہوتے ہیں۔ اگر کسی وجہ سے نو بلوغ مختلف کردار کو ادا نہیں کر پاتا ہے اور مستقبل کا راستہ متعین نہیں کر پاتا ہے تو وہ اپنی شناخت کے بارے میں الجھنوں کی حالت میں ہوتا ہے۔ جب شناخت بمقابلہ الجھن کے بحران کا صحیح ازالہ (Solution) وہ کر لیتا

ہےتو اس میں ایک خاص نفسی سماجی تاثیر پیدا ہوتی ہے جسے فرض شناسی (Fidelity) کے نام سے منسوب کیا جاتا ہے۔

6۔ میل بمقابلہ تنہائی (Intimacy vs Isolation)

یہ ایرکسن کے نظریے کا چھٹا مرحلہ ہے جس کی مدت عمر کے 20 سال سے 30 سال تک کی ہوتی ہے۔ یہ ابتدائی پختگی کا زمانہ ہوتا ہے۔ اس مرحلے میں فرد دوسروں کے ساتھ ایک مثبت رشتہ تعمیر کرتا ہے۔ جب فرد میں دوسروں کے ساتھ قربت کا احساس ترقی پاتا ہے تو وہ اپنے آپ کو دوسروں کے لیے وقف کر دیتا ہے۔ جو لوگ دوسروں کے ساتھ اس طریقے سے قربت پیدا نہیں کر پاتے وہ سماجی طور پر تنہا ہو جاتے ہیں۔

7۔ تولید بمقابلہ جمود (Generativity vs Stagnation)

ساتویں مرحلے کی مدت 40 سال سے 50 سال کی عمر کی ہوتی ہے۔ اس مرحلے میں فرد میں تولید کا احساس (Generativity) پیدا ہوتا ہے۔ تولید سے مراد اگلی نسل میں کچھ مثبت چیزوں کی منتقلی کرنے سے ہوتا ہے۔ جب فرد میں تولید کی فکر نہیں پیدا ہوتی ہے تو اس سے اس میں جمود پیدا ہو جاتا ہے اور ایسی حالت میں فرد میں یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ وہ اپنی اگلی نسل کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکا۔

8۔ کلیت بمقابلہ مایوسی (Integrity vs Despair)

ایرکسن کے نفسی سماجی نشو نما نظریہ کا یہ آخری مرحلہ ہے جس میں تقریباً 60 سال یا اس سے زیادہ کی عمر کا زمانہ شامل ہوتا ہے۔ دنیا کی تمام تہذیبوں میں اس عمر کو بڑھاپا کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ اس عمر میں فرد کا ذہن مستقبل سے ہٹ کر اپنے گزرے دنوں خصوصاً اس میں حاصل کامیابیوں اور ناکامیوں کی جانب زیادہ ہوتا ہے۔ اگر فرد اپنی سابقہ زندگی کا تعین قدر مثبت طور پر کرتا ہے یعنی کامیابی زیادہ اور ناکامی کم ہونے کا احساس کرتا ہے تو اس میں کلیت (Integrity) کا احساس پیدا ہوتا ہے۔

سماجی جذباتی عمل (Socio-emotional tasks) پر توجہ دیتا ہے اور ان کی وضاحت ایک نمو پذیر ڈھانچہ (Development framework) میں کرتا ہے۔ کالج کے طلبا اور بالغوں کو سمجھنے میں ان کے ذریعے پیش کردہ شناخت (Identity) کے تصور کو ماہرین تعلیم کے ذریعے کافی ستائش کی گئی ہے۔

2.5.3 لارینس کوہل برگ کا اخلاقی نشو نما کا نظریہ

(Lawrence Kholberg's Theory of Moral Development)

لارینس کوہل برگ نے 10 سے 16 سال کے بچوں کا انٹرویو کرنے کے بعد حاصل حقائق کا گہرائی سے مطالعہ کیا اور اپنے اخلاقی نشو ونما کا نظریہ پیش کیا۔ حالانکہ کوہل برگ کئی مختصر کہانیوں کو بچوں کے سامنے پیش کر کے ان میں شامل اخلاقی مسائل سے متعلق سوال پوچھتے تھے اور ان کے جواب کی بنیاد پر اخلاقی نشو نما پر مبنی تحقیق کرتے تھے۔ کوہل برگ نے اپنے تجربات میں مختلف تخیلاتی کہانیوں کو بچوں کے سامنے پیش کر کے ان کے ردعمل کو جاننے کی کوشش کی اور اس کا تجزیہ کرنے کے بعد یہ بتایا کہ فرد میں اخلاقی نشو ونما تین مراحل سے ہو کر گزرتی ہے۔ اور ہر مرحلہ (Level) کے دو دو مراحل ہوتے ہیں۔ کوہل برگ نے یہ خیال ظاہر کیا کہ ان مراحل کی ترتیب (Order) متعین (Fixed) ہوتی ہے، لیکن سبھی افراد ایک مرحلہ کو چھوڑ کر یا توڑ کر آگے نہیں بڑھتے ہیں۔ بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اخلاقی فیصلہ کی اعلیٰ

سطح پر کبھی نہیں پہنچ پاتے اور کچھ لوگ اخلاقی فیصلوں کی غیر پختہ سطح پر ہی ہمیشہ انعام پانے اور سزا سے چھٹکارا پانے تک ہی اپنے کو محدود رکھتے ہیں۔ان تینوں سطحوں اور ان میں شامل مراحل کی تفصیل درج ذیل ہے۔

A۔ قبل روایتی اخلاقیات کی سطح (Level of Perconventional Morality)

یہ سطح 4 سال سے 10 سال کی عمر تک ہوتی ہے۔اس عمر میں اخلاقی استدلال دوسرے لوگوں کے معیارات سے متعین ہوتا ہے، نہ کہ صحیح ،غلط کے اپنے اندرونی معیارات سے۔اگر چہ یہاں کسی بھی برتاؤ کو اچھا یا برا اس کے ماڈی نتائج کی بنیاد پر کہتے ہیں۔اس کے تحت آنے والے دو مراحل کی تفصیل اس طرح ہے۔

I۔ سزا اور فرمابرداری رُخ (Punishment and Orientation)

اس عمر کے بچوں میں سزا سے دور رہنے کا محرکہ زیادہ مضبوط ہوتا ہے۔اس عمر میں بچے مشہور اور مضبوط افراد، اکثر والد اور والدہ کے تئیں لحاظ کا اظہار کرتے ہیں تا کہ انہیں سزا نہ ملے۔کسی بھی عمل یا برتاؤ کی اخلاقیت کو یہاں فرد اس کے ماڈی نتائج Physical (consequences) کی صورت میں اخذ کرتا ہے۔

II۔ آلاتی نسبتی رخ (Instrumental Relativist Orientation)

اس مرحلے کے بچوں میں انعام پانے کی تحریک بہت شدید ہوتی ہے۔اس مرحلہ میں حالانکہ بچے باہمی عمل اور اشتراکیت کا واضح ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ یہ جوڑ توڑ اور خود بینی کے عمل پر محیط ہوتا ہے نہ کہ صحیح معنوں میں انصاف ،فیاضی اور ہمدردی پر محیط ۔ یہاں مبادلہ (Bartering) کا احساس مضبوط ہوتا ہے۔

B۔ روایتی اخلاقیات کی سطح (Level of Conventionality)

یہ مرحلہ 10 سال سے 13 سال تک کی عمر کا ہوتا ہے جہاں بچے دوسروں کے معیارات (Standard) کو اپنے میں داخل کر لیتے ہیں اور ان معیارات کے مطابق صحیح اور غلط کا فیصلہ کرتے ہیں۔بچہ یہاں ان سبھی سرگرمیوں کو صحیح سمجھتا ہے جن سے دوسروں کو مدد ملتی ہے اور دوسرے لوگ اسے منظور کرتے ہیں یا جو معاشرے کے اصولوں کے مطابق ہوتا ہے۔اس کے تحت آنے والے دو مراحل اس طرح ہیں۔

I۔ عمدہ لڑکا اور اچھی لڑکی کا رخ (Good-boy and Nice-girl Orientation)

اس مرحلے میں بچوں میں منظوری پانے اور نامنظوری سے دور رہنے کی تحریک شدید ہوتی ہے۔Heintz الجھن کی مثال سے بچے حمایت اور مخالفت میں اس طرح سے دلیل دے سکتے ہیں۔

c۔ **مابعد روایتی اخلاقیات کی سطح** (Postconventional of Level) اس مرحلے میں بچوں میں اخلاقی کردار مکمل طور پر اندرونی قدرت (Internal control) میں ہوتا ہے۔یہ اخلاقیات کی سب سے اعلیٰ سطح ہوتی ہے اور اس میں حقیقی اخلاقیات کا علم بچوں میں ہوتا ہے۔اس کے ضمن میں بھی دوسرے حل ہوتے ہیں جو اس طرح ہیں۔

I۔ سماجی معاہدہ رخ (Social Control-orientation)

اس مرحلے میں بچے یا نوبلوغ ان انفرادی حقوق اور اصولوں کا احترام کرتے ہیں جو جمہوری طور پر قبول ہوتے ہیں۔وہ یہاں کے لوگوں کی فلاح اور کثیر لوگوں کی خواہشات کو ترجیح دیتے ہیں۔یہاں وہ یقین کرتے ہیں کہ سماج کی بہترین فلاح تب ہوتی ہے جب اس کے اراکین سماج کے اصولوں کا احترام کریں اور اس کے پابند ہوں۔

II۔ عالم گیر اخلاقی اصول کا رخ

اس عمر میں اپنے اخلاقی اصولوں کو متحرک کرنے اور خود ملامت (Self-condemnatioan) سے بچنے کی تحریک میں شدت ہوتی ہے۔ یہ اعلیٰ سماجی سطح کا اعلیٰ مرحلہ ہوتا ہے۔ جہاں نوبلوغ میں عالم گیر اخلاقی اصول کی اخلاقیات برقرار رہتی ہے۔ یہاں نوبلوغ دوسروں کے خیالات اور اخلاقی پابندیوں سے آزاد ہو کر اپنے اندرونی معیارات کے مطابق طرز عمل کرتا ہے۔

2.5.4 فرائڈ کا نفسی تجزیہ کا نظریہ اور اخلاقی نشو ونما

(Psychoanalytic Theory of Freud and Moral Development)

صحیح معنوں میں اخلاقی نشو ونما کا یہ سب سے پہلا مکمل طور پر تشکیل شدہ نفسیاتی تجزیہ کا نظریہ ہے جس کے موجد سگمنڈ فرائڈ ہیں۔ فرائڈ کا خیال تھا کہ بچے میں اخلاقی نشو ونما کی شروعات خودی (Super ego) کی وجہ سے ہوتی ہے۔ انہوں نے خودی کو فرد کی اخلاقی نشو ونما کا اخلاقی سپہ سالار (Moral commander) کہا ہے۔ فرائڈ کا خیال ہے کہ بچوں میں مختلف طرح کے محرکات (Drives) یعنی جنسی اور جارحانہ بنیادی جبلت ہوتی ہے۔ جسے ذات (Id) کہا جاتا ہے۔ سماج کے معیار کے مطابق انہیں سماجیانے (Socialization) میں والدہ والدان محرکات کو روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس سے بچوں میں اپنی والدہ اور والد کے تئیں مخالفت کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں۔ لیکن چوں کہ بچوں میں اس طرح کے جذبات کو ظاہر کرنے میں اپنے والدہ اور والد کا پیار کھونے اور ان کے انتقام کا خوف رہتا ہے اس لیے وہ اپنے اس جذبات کو دفن کر دیتے ہیں اور والدہ ووالد کے منع کرنے یا روکنے کو قبول کر لیتے ہیں۔ اسے فرائڈ نے اپنانا (Internalization) سے منسوب کیا ہے۔

والدہ ووالد کے معیارات اور خیالات کو قبول کر لینے سے بچے اخلاقی طور پر طرز عمل کرنا سیکھ جاتے ہیں کیوں کہ اس سے وہ سزا (Self-Punishment)، اضطراب (Anxiety) اور جرم (Guilt) سے بھی محفوظ ہو جاتے ہیں۔ اب بچے ایسے طرز عمل پیش کرنے لگتے ہیں جیسے خودی (Suprego) کے عمل سے بچے اپنے آپ میں والدہ ووالد ہو گئے ہوں۔ باہری سزا (External punishment) خود سزا (Self punishment) میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اور باہری کنڑول (External Control) خود کنٹرول (Self control) میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اس طرح سے بچے والدہ ووالد کے ذریعے کیے گئے طرز عمل کی قدر پیمائی کو قبول کر کے سماج کے اخلاقی معیارات (Moral standards) کو خود میں شامل کر لیتے ہیں۔ بالکل واضح ہے کہ نفسی تجزیہ نظریہ کے مطابق بچوں کی اخلاقی نشو ونما میں خودی (Super ego) اور والدین کا اہم کردار ہوتا ہے۔

2.5.5 زبان کی ارتقا کا نوم چومسکی کا نظریہ

(Language Development, Theory of Noam Chomsky)

نوم چومسکی 7 دسمبر 1928 کو امریکہ میں پیدا ہوئے۔ چومسکی کو لسانیات میں تولیدی قواعد کے اصول (Principal of Generative Grammer) اور بیسوی صدی کی لسانیات (Linguistics) کا بانی کہا جاتا ہے۔

1967 میں انہوں نے نفسیات کے شہرت یافتہ ماہر نفیات بی۔ایف اسکینر کی کتاب (Verbal behaviors) کی تنقید لکھی جس سے انہیں کافی مقبولیت حاصل ہوئی۔ چومسکی کے نظریہ کے مطابق تمام زبانوں کی بنیاد ایک ہی ہے۔ان کے مطابق بچوں کا لفظ یا زبان سیکھنا تقلید اور تحریک پر محیط ضرور ہے لیکن تقلید اور تحریک دونوں ہی بچوں کے ذریعے لفظوں کو سیکھنے کے عمل کو بہتر طریقے سے وضاحت نہیں کرتے ہیں۔ چومسکی اپنے نظریہ کو ایک عددی ماڈل خاکہ کے ذریعے وضاحت کرتے ہیں۔

Linguistic Data	**LAD**	**The Ability to Understand and Produce Sentences**
	(Processing)	**(Out put)**

چومسکی کا خیال ہے کہ ہر بچے میں ایک تعمیر شدہ نظام (Built-In System) ہوتا ہے جسے لسانی تحصیلی آلہ (LAD-Language) Acquisition Device) کہتے ہیں۔اس کی ساخت ایسی ہوتی ہے کہ بچہ زبان کا ترتیبی عمل کر سکتا ہے اور وہ گفتگو کو سمجھ سکتا ہے اور اسے بول بھی سکتا ہے۔مندرجہ بالا خاکہ میں یہ کوئی جسمانی اعضاء نہیں ہے بلکہ ایک قیاس (Analogy) ہے۔خاکہ میں دکھائے گئے ماڈل کے مطابق بچہ جو کچھ بھی سنتا ہے اسے LAD کے ذریعے سمجھتا ہے اور اسے دوبارہ بول سکتا ہے اور نئے الفاظ بھی بول سکتا ہے۔

دراصل LAD ایک نظریاتی تصور ہے۔انسان کے دماغ میں کوئی ایسا گوشہ یا آلہ (Device) نہیں ہوتا جس کے استعمال سے زبان سیکھی جا سکے بلکہ یہ ان لاکھوں کروڑوں عملیات کی تشریح وتوضیح میں مددگار ہے جو انسان کے دماغ میں ہوتے ہیں اور جو انسان میں زبان کے سیکھنے اور سمجھنے کی قوت کے پیدا ہونے میں معاون ہیں۔

چومسکی نے اپنا یہ نظریہ 1950 کی دہائی میں پیش کیا۔انہوں نے ایک وسیع نظریہ مرتب کیا جسے آفاقی قواعد (Grammer Universal) کہا جاتا ہے۔یہ نظریہ انسان میں زبان سیکھنے کے عمل کی رفتار کی وضاحت فراہم کرتا ہے۔

چومسکی کے مطابق ہر بچے میں لسانی تحصیلی آلہ (LAD) کی خداداد قوت پیدائش کے ساتھ ہی وجود میں آتی ہے اور اس میں زبان کے بنیادی اصول پائے جاتے ہیں۔دوسرے لفظوں میں بچے زبان کے اصول وضوابط کی فہم کی قوت لیکر پیدا ہوتے ہیں۔انہیں صرف الفاظ کا ذخیرہ حاصل کرنے کی ضرورت رہ جاتی ہے۔اس نظریہ کی وکالت کرتے ہوئے چومسکی نے کچھ ثبوت بھی پیش کیے ہیں۔انہوں نے بتایا کہ بنی نوع انسان کی زبان بنیادی طور پر ایک جیسی ہے۔مثلاً ہر زبان میں فاعل،فعل،مفعول (Subject, Verb, Object) ہی ہوتے ہیں اور ہر ایک زبان میں چیزوں کو منفی یا مثبت میں پیش کرنے کی خوبی ہوتی ہے۔چومسکی نے یہ بھی دریافت کیا کہ جب بچے بولنا سیکھ رہے ہوتے ہیں تو وہ غلطیاں نہیں کرتے جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔انہوں نے مثال کے ذریعے بتایا کہ بچے یہ سمجھ رکھتے ہیں کہ سبھی جملوں کی ایک ساخت ہوتی ہے جس میں فاعل،فعل،اور مفعول ہوتے ہیں اور بچے یہ اس وقت بھی سمجھتے ہیں جب وہ مکمل جملے نہیں بول پاتے اور یہ چیز فطری ہے۔ اپنے تجربوں کی بنیاد پر چومسکی نے یہ بتایا کہ روانی کے ساتھ زبان کا استعمال کرنے کی سطح سے پہلے ہی بچوں میں اپنے ماحول کے لوگوں کی زبان میں قواعد سے متعلق غلطیوں کی نشاندہی کر لیتے ہیں۔انہوں نے یہ بتایا کہ بچے ان الفاظ میں بھی قواعد کے اصول کو نافذ کرتے ہیں جن کے سلسلے میں قواعد کے اصول مستثنیٰ (Exception) ہیں۔مثال کے طور پر ہر بچہ ملک کی جمع ملکوں اور کتاب کی جمع کتابیں بتاتا ہے۔جب کہ قواعد کے اصول کے تحت یہ غلط ہے۔(اصولاً ملک کی جمع ممالک اور کتاب کی جمع کتب ہوتا ہے۔) لیکن بچے کا یہ بتانا آفاقی قواعد کے مطابق ہے۔

چومسکی نے تحقیق کی بنیاد پر یہ دعویٰ کیا ہے کہ زبان انسان کی خداداد (Innate) صلاحیت ہے۔ ان کی مشہور تصنیف زبان اور ذہن (Language & Mind) 1972 میں شائع ہوئی۔ اس کتاب کے ذریعے چومسکی نے زبان سیکھنے کے ایک نئے نظریے پر روشنی ڈالی ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب میں تحریر کیا کہ جب ہم انسانی زبان کا مطالعہ کرتے ہیں تو دراصل ہم انسانی جوہر (Human essence) کے قریب ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ انسانی جوہر دماغ کی امتیازی خصوصیات میں سے ایک ہے۔ جس کو تا حال میں ہم جان سکے ہیں اور یہ امتیازی خصوصیت انسانوں کو دوسروں سے جدا کرتی ہے۔ یعنی انسان اس بے مثال خصوصیت کا تنہا حامل ہے۔ چومسکی کے مطابق سبھی جاندار چیزوں میں زبان کو امتیازی خصوصیت ہے۔ جو صرف انسانوں تک ہی محدود ہے۔ چومسکی کے نظریات کی مدد سے زبانوں کا ارتقائی اور نشوونما کو سمجھنا نہایت آسان ہو گیا ہے۔

2.6 یاد رکھنے کے نکات (Points to Remember)

☆ نمو سے مراد انسانی جسم کے اعضا کی بناوٹ، وزن اور عملی قوتوں میں ہونے والی افزائش سے ہے۔

☆ نشوونما کا مطلب ہے انسان کے جسم اور وزن میں اضافے کے ساتھ اس کی علمی مہارتوں اور طرز عمل میں ہونے والی تبدیلیاں۔

☆ پختگی کا مطلب انسان کی جسمانی افزائش اور ذہنی صلاحیتوں کی قدرتی نشوونما کی حالت سے ہے جس کے بعد اس میں مزید کوئی افزائش اور فروغ نہیں ہو پاتا۔

☆ نشوونما ایک مسلسل عمل ہے۔

☆ والدین کی جسمانی اور ذہنی خصوصیات کا بچوں میں منتقل ہونا ہی توارث کہلاتا ہے۔

☆ ماحول سے مراد قدرتی اور سماجی گردوپیش سے ہے جہاں انسان اپنی زندگی گزارتے ہیں۔

☆ نشوونما میں توارث اور ماحول دونوں کا اثر پڑتا ہے۔

☆ شیر خوارگی سے مراد بچے کی پیدائش سے 2 سال تک کی عمر سے ہوتا ہے۔

☆ بچپن سے مراد بچے کی 2 سال سے 12 سال تک کی عمر سے ہوتا ہے۔

☆ عنفوانِ شباب کا تعلق 12 سے 18 سال تک کی عمر کا ہوتا ہے۔

☆ پیاجے نے وقوفی نشوونما کے نظریہ میں چار مرحلے بتائیں ہیں۔ (1) حسی حرکی مرحلہ (2) قبل کارروائی مرحلہ (3) ٹھوس عملی مرحلہ (4) رسمی کارروائی مرحلہ۔

☆ اریکسن (Erikson) کی نفسی سماجی نشوونما کے نظریے کے مطابق (1) ایک ہی طرح کی بنیادی ضروریات ہوتی ہیں (2) فرد میں انا انہی ضروریات کے تئیں ردعمل کا نتیجہ ہوتی ہیں (3) نشوونما مختلف مراحل سے ہو کر مکمل ہوتی ہے۔ (4) نشوونما کے ہر ایک مرحلے میں ایک نفسی سماجی چیلنج ہوتا ہے۔

☆ کوہل برگ نے بتایا ہے کہ اخلاقی استدلال کی تین سطحیں ہوتی ہیں۔

1۔ قبل روایتی سطح (4 سے 10 سال)

2۔ روایتی سطح(11 سے13 سال)

3۔ بعدروایتی سطح(14 سال سے اوپر)

☆ فرائیڈ کے نظریہ کے مطابق بچہ پیدا ہونے کے بعد نفسی جنسی مرحلے سے گزرتا ہے اور اپنے پہلے محرکہ کی تسکین کرتا ہے یا اس کی تسکین سے محروم رہتا ہے۔

☆ چومکسی کے نظریہ کے مطابق تمام زبانوں کی بنیاد ایک ہی ہے۔ان کے مطابق بچوں کا لفظ یا زبان سیکھنا تقلید اور تحریک پر محیط ضرور ہے لیکن تقلید اور تحریک دونوں ہی بچوں کے ذریعے لفظوں کو سیکھنے کے عمل کو بہتر طریقے سے وضاحت نہیں کرتے ہیں۔

2.7 فرہنگ(Glossary)

Concept(تصور)	ایک مجرد خیال۔کسی شے کے بارے میں اس کی فہم
Growth(نمو)	ایسی جسمانی تبدیلیاں جن کو ناپا اور تولا جا سکے
Development(نشو ونما)	انسان کے اندر خصوصیاتی یا کیفیتی تبدیلیاں
(جسمانی نشو ونما) Physical development	ایک فرد میں جسمانی نشو ونما اور نمو
Emotional development (جذباتی نشو ونما)	کسی فرد کے اندر ہونے والی جذباتی تبدیلیاں
(وقوفی نشو ونما) Congnative development	وقت گزرنے کے ساتھ جاننے کی، تفہیم باوقوف کی، اہلیت میں اضافہ سے ہے۔
Infancy(شیر خوارگی)	ابتدائی بچپن کے دو سال کی مدت
Childhood(بچپن)	دو سال سے 12 سال کی عمر، کھیل اور معصومیت کا عرصہ جو عنفوانِ شباب کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے۔
Adolescence(عنفوانِ شباب)	بچپن اور بلوغت کے درمیان کا عرصہ
Maturity(پختگی)	جسمانی یا ذہنی نشو ونما کا آخری مرحلہ
Nature(نوعیت)	مجموعی طور پر فطری دنیا کا مظاہر جس میں پودوں، جانوروں زمین کی دیگر خصوصیات شامل ہیں اور کسی چیز کی بنیادی خصوصیات

2.8 اکائی کے اختتام کی سرگرمیاں(Unit End Activities)

معروضی جوابات کے حامل سوالات:

1۔ نمو سے متعلق ہے

(a) وزن (b) شکل (c) ایمانداری (d) ان میں سے کوئی نہیں

2۔ نشوونما کو ظاہر کرتی ہے۔

(a) وزن کا بڑھنا (b) ذہانت میں اضافہ ہونا (c) لسانی مہارت میں اضافہ (d) ان میں سے کوئی نہیں

3۔ پختگی۔

(a) ایک وقت کے بعد رک جاتی ہے (b) مسلسل بڑھتی رہتی ہے

(c) ایک وقت کے بعد گھٹنے لگتی ہے (d) ان میں سے کوئی نہیں

4۔ مسلسل نشوونما۔

(a) پیدائش کے بعد رک جاتی ہے (b) پیدائش کے بعد گھٹنے لگتی ہے

(c) صرف جوانی میں ہوتی ہے (d) پیدائش سے موت تک چلتی رہتی ہے۔

5۔ نشوونما کو کون سے عوامل اثر انداز کرتے ہیں۔

(a) توارث (b) ماحول (c) دونوں (d) ان میں سے کوئی نہیں

6۔ مشابہت کے ضابطے کا مطلب ہے۔

(a) جیسے والدین ہوتے ہیں ویسی ان کی اولاد ہوتی ہے (b) ذہین ماں باپ کے بچے کند ذہن ہوتے ہیں

(c) قد و قامت پر ماں باپ کے اثرات نہیں ہوتے (d) ان میں سے کوئی نہیں

7۔ کون سے مرحلہ کو انقلابی مرحلہ کہا جاتا ہے۔

(a) شیرخوارگی (b) بچپن (c) عنفوانِ شباب (d) بلوغت

8۔ بیسویں صدی کی لسانیات کا بانی کسے کہا جاتا ہے۔

(a) نام چومسکی (b) اریکسن (c) کوہل برگ (d) پیاجے

9۔ نفسی تجربہ کا نظریہ کس نے دیا

(a) فرائڈ (b) اریکسن (c) کوہل برگ (d)

پیاجے

10۔ وقوفی کا مطلب ہوتا ہے

(a) دیکھنا و سمجھنا (b) سونا (c) لکھنا (d) پڑھنا

مختصر جوابات کے حامل سوالات؛

1۔ نمو کو مثال کے ذریعے سمجھائیں۔

2۔ نشوونما کی خصوصیات بیان کریں۔

3۔ نشو ونما پر توارث کے اثرات بیان کریں۔

4۔ نشو ونما پر ماحول کے اثرات بیان کریں۔

5۔ شیر خوارگی کی مرحلے کی خصوصیات بیان کریں۔

طویل جوابات کے حامل سوالات؛

1۔ نمو اور نشو ونما کا تصور وضاحت کے ساتھ لکھیں۔

2۔ نمو اور نشو ونما میں فرق واضح کریں۔

3۔ نمور اور نشو ونما کے مختلف مرحلے بیان کریں۔

4۔ نمو اور نشو ونما کو اثر انداز کرنے والے عوامل بیان کریں۔

5۔ پیاجے کے وقوفی نشو ونما کے نظریے کو تفصیل سے بیان کریں۔

6۔ ایرکسن کا نفسی سماجی نظریہ کا تنقیدی جائزہ پیش کریں۔

7۔ کوہل برگ کا اخلاقی نشو ونما کے نظریے پر بحث کریں۔

2.98 تجویز کردہ مواد (Suggested Readings)

(1) پروفیسر محمد شریف خاں ''جدید تعلیمی نفسیات'' ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ

(2) ڈاکٹر آفاق ندیم خاں وسید معاز حسین ''تعلیمی نفسیات کے پہلو'' ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ

(3) مرزا شوکت بیگ، محمد ابراہیم خلیل، سید اصغر حسین ''نفسیاتی اساس تعلیم'' دکن ٹریڈرس بک سیلر حیدر آباد

(4) محمد شریف خاں ''تعلیم اور اس کے اصول'' ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ

(5) شاذیہ رشید ''نایاب تعلیمی نفسیات'' جدران پبلی کیشنز لاہور

(6) ملک محمد موسی شاذیہ رشید ''تعلیمی نفسیات اور رہنمائی'' جدران پبلی کیشنز

(7) Kulshestra, S.P. (1997), Educational Psycholgy - Raj Printers - Meerut

(8) Mangal, S.K (2003), Advanced Educational Psychology Prentice Hill of India Pvt. Ltd. New Delhi

(9) Schopler, J. Weisz, J. King R & Morgan, C (1993), Introduction to Psychology, Prentice Hill of India Pvt. Ltd., New Delhi

اکائی 3۔ فرد بحیثیت منفرد متعلّم

(Individual as a Unique Learner)

اکائی کے اجزا:

3.1 تمہید(Introduction)

3.2 مقاصد(Objectives)

3.3 انفرادی فرق کا تصور اور اقسام(Concept and Types of individual difference)

3.3.1 انفرادی فرق کا تصور(Concept of Individual difference)

3.3.2 انفرادی فرق کی اقسام(Types of Individual diffrence)

3.4 درونِ شخصی اور بین شخصی انفرادی فرق کا تصور(Concepy of Intra and Inter Individual Differences)

3.5 انفرادی فرق کو متعین کرنے والے عوامل(Factors Responsible for Individual Differences)

3.6 تعلیمی پروگرام کی تنظیم میں انفرادی فرق کے مضمرات

(Implication of Individual diffrences for organizing educational programmes)

3.7 یادرکھنے کے نکات(Points to Remember)

3.8 فرہنگ(Glossary)

3.9 اکائی کے اختتام کی سرگرمیاں(Unit End Activities)

3.10 تجویز کردہ مواد(Suggested readings)

3.1 تمہید (Introduction)

اس سے قبل آپ نے بالیدگی، نشوونما اور پختگی کے تصورات کو تفصیل کے ساتھ پڑھا ہوگا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی معلومات حاصل کی ہوگی کہ ان تمام تصورات میں بنیادی طور پر کیا فرق ہے۔ بعد ازاں آپ کو یہ بھی بتایا گیا ہوگا کہ نشوونما کا ایک اصول ہوتا ہے جس کے تحت انسانی زندگی کے مختلف مدارج اپنی اپنی خصوصیات کی بنیاد پر رواں دواں ہوتے ہیں۔ اب تک آپ اس حقیقت سے واقف ہو گئے ہوں گے کہ بالیدگی اور نشوونما کے عمل میں کون کون سے عوامل کارفرما ہوتے ہیں جو اپنے اثرات ایک بچے کے جسم، دل، دماغ اور پوری شخصیت پر نقش کرنے میں اہم رول ادا کرتے ہیں۔ ان عوامل کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا توارث اور دوسرا ماحول۔ توارثی اثرات ان اثرات کو کہتے ہیں جو بچہ پیدائشی طور پر اپنے والدین، خاندان اور آبا و اجداد سے جین (Gene) کی شکل میں لے کر پیدا ہوا ہے۔ اسی لیے ہم اس کو Genetic Factors بھی کہتے ہیں۔ یے جینیاتی اثرات ایک بچے کی زندگی کے نشوونما کے ہر مدارج اور اس کی شخصیت کے ہر پہلو مثلاً جسمانی، ذہنی، جذباتی وغیرہ پر اثر انداز ہوتے ہیں اور وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتے رہتے ہیں جن میں جسمانی ساخت، ذہانت IQ اور بیماریاں وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ یے اثرات انسانی زندگی کے کسی بھی مرحلہ میں نمودار ہو سکتی ہیں۔ اسی لیے تو ہم کبھی کبھی محسوس کرتے ہیں کہ ایک بچہ کا ڈیل ڈول اس کے والدین سے ملتا جلتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح مختلف قسم کی بیماریاں بھی توارثی اثرات کے مدنظر والدین اور خاندان سے ان کے بچوں میں منتقل ہوتی رہتی ہیں۔ آپ نے کبھی یہ ضرور محسوس کیا ہوگا کہ بعض اوقات اگر ہم بیماری کی وجہ سے کسی ڈاکٹر سے رجوع ہوتے ہیں تو وہ ہم سے یہ جاننے کی کوشش کرتا ہے یہ مخصوص وضع ہمارے خاندان میں کسی کو لاحق ہے کیا۔ جس سے اسے یہ معلوم ہو سکے کہ آیا یہ مرض کہیں توارثی یا خاندانی تو نہیں ہے۔ ٹھیک اسی طرح ماحول بھی اپنے اثرات کو ایک بچہ کے جسمانی، ذہنی، جذباتی اور پوری شخصیت کی نشوونما میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اور یہ اثرات بچے کی زندگی کی شروعات سے لے کر موت تک محسوس کی جا سکتی ہیں۔ اخلاقی نشوونما میں اپنے اثرات چھوڑ جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر جسمانی نشوونما، کھان پان، صفائی ستھرائی، محنت و آرام وغیرہ پر منحصر کرتی ہے۔ ٹھیک اسی طرح شخصیت کے دیگر پہلو بھی ماحولیاتی اثرات سے متاثر ہوتے ہیں۔ آپ نے یہ بھی پڑھا ہوگا کہ انسانی زندگی کے مختلف مدارج ہوتے ہیں جن میں شیر خوارگی، طفولیت، عنفوانِ شباب، بالغ عمری اور ضعیف العمری ہیں اور ان تمام مدارج کی اپنی مخصوص خصوصیات ہوتی ہیں۔ نشوونما کے تعلق سے مختلف نظریات بھی آپ کی نظروں سے گزرا ہوگا۔

اس یونٹ میں ہم آپ کو انفرادی فرق کے تصور سے واقف کرائیں گے اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی واضح کریں گے کہ یہ فرق کتنی قسم کا ہوتا ہے۔ اس کے بعد ہم آپ کو یہ بھی بتائیں گے کہ انفرادی فرق کا تعین کرنے والے عوامل کون کون سے ہیں اور آخر میں یہ بتانے کی کوشش کی جائے گی کہ تعلیمی پروگرام کی تنظیم میں انفرادی فرق کی معلومات اسکول اور اساتذہ کے لیے کس طرح معاون و مددگار ہوتی ہیں۔

3.2 مقاصد (Objectives)

اس اکائی مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

☆ انفرادی فرق کے تصورات کو بیان کر سکیں۔

☆ انفرادی فرق کے اقسام کو واضح کر سکیں۔

☆ درونِ شخصی اور بین شخصی انفرادی فرق کے درمیان فرق کو اُجاگر کر سکیں۔

☆ انفرادی فرق کو متاثر کرنے میں توارث کے رول کو سمجھا سکیں۔

☆ انفرادی فرق کو متاثر کرنے میں ماحول کے رول کو بیان کر سکیں۔

☆ درس و تدریس میں انفرادی فرق کے معلومات کی اہمیت اُجاگر کر سکیں۔

3.3 انفرادی فرق کا تصور اور اقسام (Concept and Types of individual difference)

3.3.1 انفرادی فرق کا تصور (Concept of Individual Differences):

اس دنیا میں ہر انسان انوکھا یعنی کہ Unique پیدا ہوا ہے۔ اس کی صلاحیتیں، خصوصیات، دلچسپیاں، رجحانات، خوبیاں و خامیاں وغیرہ مختلف ہوتی ہیں۔ اگر ایک انسان میں کچھ خوبیاں ہیں تو اس میں خامیاں بھی موجود ہوں گی۔ ان ہی خوبیوں اور خامیوں کی وجہ سے وہ انسان کہلاتا ہے۔ اگر انسانوں کے اندر خامیاں نہیں ہوتیں تو وہ فرشتہ ہوتا۔ بہر کیف قدرت نے کسی بھی دو انسان کو ایک جیسا نہیں بنایا۔ حتیٰ کہ دو جڑواں بھائی و بہنیں جو دیکھنے میں یا ظاہری طور پر شکل و صورت کے اعتبار سے ایک جیسے دکھائی دیتے ہیں پھر بھی ان میں بے شمار فرق پایا جاتا ہے۔ اس لیے مختلف افراد یا انسانوں کے درمیان پائی جانے والی جسمانی، ذہنی، جذباتی، سماجی و اخلاقی فرق وغیرہ کو ہم انفرادی فرق یا Individual Differences کہتے ہیں۔

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ نسل انسانی میں بہت سی خصوصیات خواہ وہ ظاہری ہوں یا باطنی مشترک ہوتی ہیں۔ پھر بھی ہر فرد مختلف اعتبار سے دوسرے فرد سے الگ اور جدا ہوتا ہے۔ اگر انسانوں کی شخصیت اور خصوصیات میں فرق نہ ہوتا اور سب ہی کو ورثے میں یکساں صلاحیتیں ملی ہوتیں تو تعلیم و تربیت کے ذریعے مشینی طریقے سے حسب ضرورت جس کی شخصیت کو جس سانچے میں چاہے ڈھالا جا سکتا تھا۔ لیکن قدرت نے ایسا نہیں کیا۔ اس نے ہر انسان کو دوسرے انسان سے نہ صرف مختلف بنایا بلکہ ان کی ذہنی صلاحیتیں بھی ایک دوسرے سے مختلف بنائی۔ یہاں تک کہ رنگ و روپ، خدوخال، ڈیل ڈول، رفتار و گفتار، قد و قامت اور ذہنی استعداد میں ہر فرد ایک دوسرے سے منفرد و مختلف نظر آتا ہے۔ ذہنی صلاحیت کے اعتبار سے کوئی اعلیٰ ذہن ہے تو کوئی کند ذہن، اسی طرح کوئی جسمانی صلاحیت کے اعتبار سے بہت مضبوط ہے تو کوئی بہت کمزور و لاغر۔ اگر کسی کو ہمیشہ اور ہر وقت غصہ آتا ہے تو کوئی بالکل ہی سنجیدہ اور خاموش مزاج۔ اگر کوئی بہت بولتا ہے تو کوئی اس کے برعکس بالکل خاموش رہتا ہے۔ کسی کو مطالعہ سے دلچسپی ہے تو کوئی سیر و تفریح کا دلدادہ ہے۔ کسی کو ادب پسند ہے تو کسی کو ریاضی۔

انفرادی فرق کو ہم چند مثالوں کی مدد سے بہتر سمجھ سکتے ہیں۔ زید کو کھانے میں میٹھی چیزیں پسند ہیں تو بکر کو نمکین چیزیں اچھی لگتی ہیں جب کہ شمیم چٹپٹی چیزوں کے دلدادہ ہیں۔ اسی طرح مریم خاموش مزاج ہیں اور ہر وقت مطالعہ میں غرق رہتی ہیں اور بالکل تنہائی پسند ہیں تو غزالہ خوش مزاج، ہنس مکھ اور دوسروں میں جلد ہی گھل مل جاتی ہیں جب کہ زینت ہمیشہ کھیل کود میں مصروف رہتی ہیں اور اپنی سہیلیوں کے حلقہ کی لیڈر بھی ہیں۔ یہ مثالیں ایک ہی خاندان کے مختلف افراد اور ایک ہی اسکول کے طلبا و طالبات کی ہیں۔ پھر بھی ان سب کے مزاج، پسند، دلچسپی، رجحان، رویہ اور طبیعت وغیرہ میں کافی فرق موجود ہے۔ غرض یہ کہ ہر فرد اپنی خصوصیت، صلاحیت، دلچسپی وغیرہ کے اعتبار سے دوسروں سے جدا ہوتا ہے۔ یہ فرق جسمانی مثلاً آنکھ، کان، ناک، جلد کی رنگت، چہرے کی بناوٹ میں ہوسکتا ہے یا ذہنی مثلاً سوچنے، سمجھنے، مسائل کو حل کرنے،

تخلیقیت وغیرہ میں ہوسکتا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ جذبات، احساسات،محسوسات، اخلاق، گفتار کردار وغیرہ میں بھی فرق پایا جاتا ہے۔ انسان کے ان ہی تمام جسمانی، ذہنی، جذباتی، سماجی، اخلاقی وغیرہ فرق کو ہم انفرادی فرق (Individual Differences) کہتے ہیں۔

انفرادی فرق کی تعریفیں (Definitions of Id)

مختلف ماہرین نے انفرادی فرق کی تعریف پیش کی ہیں جو کہ حسب ذیل ہیں:

اسکینر (Skinner) کے مطابق ''انفرادی فرق سے مراد مکمل شخصیت کے کسی بھی پیمائشی پہلو کو شامل کرنے سے ہے''۔

ٹائلر (Tyler) کے مطابق ''ایک فرد کا دوسرے فرد سے فرق لازمی طور پر دکھائی پڑتا ہے جو کہ عالمی طور پر مسلمہ ہے''۔

جیمس ڈریور (James Drever) کے مطابق ''کسی ایک گروپ کا دوسرے گروپ کے کسی فرد/ممبر سے ذہنی یا جسمانی خصوصیات کی بنیاد پر تنوع یا انحراف ہی انفرادی فرق کہلاتا ہے''۔

ووڈ ورتھ اور مارکوس (Woodword & Marquis) کے مطابق ''انفرادی فرق تمام نفسیاتی خصوصیات، جسمانی اور ذہنی صلاحیت، معلومات، عادات، شخصیت اور اخلاقی اوصاف میں پایا جاتا ہے''۔

ان تمام تعریفوں مطالعے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ انسانوں اور افراد کے درمیان پائی جانے والی جسمانی، ذہنی، جذباتی، معلومات، عادات، شخصیت، سماجی، اخلاقی و کرداری وغیرہ فرق کو ہی انفرادی فرق (Individual Differences) کہا جاتا ہے۔

انفرادی فرق کی خصوصیات (Characteristics of Individual Differences)

انفرادی فرق کے تصورات اور ماہرین نفسیات کے افکار کا جائزہ لینے کے بعد مختلف تعریفوں کے تجزیے سے درج ذیل انفرادی فرق کی خصوصیات منظر عام پر آتی ہیں:

☆ انفرادی فرق ایک عالمگیر Phenomenon ہے۔

☆ انفرادی فرق نفسیاتی مطالعہ کی اساس اور محور ہے۔

☆ انفرادی فرق جسمانی اور عملی کارکردگی کے ذریعے پیمائش کی جاسکتی ہے۔

☆ انفرادی فرق کیفیتی اور مقداری دونوں ہے۔

☆ انفرادی فرق ذہانت، دلچسپی، رویہ، اقدار اور مطابقت پر مبنی ہوتا ہے۔

☆ طبعی اعتبار سے انفرادی فرق کا مطلب قد، وزن، رنگ، نسل، شکل وصورت وغیرہ چیزوں میں پایا گیا فرق ہے۔

☆ جنسی فرق انفرادی فرق میں اہم رول ادا کرتا ہے۔

☆ ذہانت کے اعتبار سے انفرادی فرق کا مطلب ذہانت، اکتساب، سوچنے سمجھنے کی صلاحیت، تخلیقیت، مسائل کو حل کرنے کی صلاحیت کا نام ہے۔

☆ ماحولیاتی اعتبار سے انفرادی فرق سے مراد فرد کے رہنے کی جگہ (جغرافیائی حالات)، سماجی، معاشی، نسل اور ذات کے فرق وغیرہ سے ہے۔

3.3.2 انفرادی فرق کے اقسام (Types of Individual Differences):

انفرادی فرق کے تصورات اور تعریفوں مطالعے کے بعد ہمیں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اس دنیا میں کوئی بھی دو افراد خصوصیات، قابلیت، جسمانی ساخت، سوچنے سمجھنے کی صلاحیت، ظاہری اور باطنی اوصاف کے اعتبار سے ایک دوسرے سے ممتاز و ممیّز ہوتے ہیں۔ ان میں قابل لحاظ فرق پایا جاتا ہے اور یہ فرق آفاقی یعنی کہ Universal ہے۔ یہ فرق ہر جگہ، ہر ملک، ہر قوم، ہر سماج، ہر جغرافیائی علاقے کے باشندوں، ہر رنگ و نسل کے لوگوں، ہر تہذیب و تمدن، جنسی امتیازات یعنی کہ مرد و خواتین میں مختلف طور پر موجود ہوتا ہے، یا پایا جاتا ہے۔

زمانہ قدیم سے ہی انسانوں کے اندر موجود مختلف قسم کے فرق کو معلوم کرنے کی کوشش جاری و ساری ہے۔ خواہ وہ سائنسی میدان ہو یا ادب، فلسفہ ہو یا سماجیات لیکن ماہرین نفسیات نے بھی کافی کوشش و کاوش کی ہیں کہ انسانوں کے اندر پائی جانے والی مختلف خصوصیات، اوصاف، خوبیوں اور خامیوں کا سائنسی طور پر مطالعہ کیا جائے اور ان کی درجہ بندی بھی کی جائے۔ اپنے زمانہ کے مشہور ماہر نفسیات ٹائلر (Tyler) نے انسانوں کے اندر موجود فرق کو معلوم کرنے کی کوشش کی۔ بقول ٹائلر ''انفرادی فرق کی پیائش بنیادی یا خاص طور سے جسمانی ساخت اور شخصیاتی خصوصیات کی پیائش یا اندازہ لگانے سے ہے جس میں ہم ایک فرد کی جسمانی بناوٹ، جسمانی صلاحیتوں اور اس کے کام کرنے کی رفتار، اس کی ذہانت، اس کی تحصیل یا حصولیابی جو کہ تعلیمی اور سماجی کارناموں سے متعلق ہو، اس کی دلچسپیاں، اس کے رجحانات اور شخصی خوبیوں اور خامیوں پر غور کرتے ہیں۔ اگر ہم مختصراً کہیں تو انسان یا فرد کی ظاہری و باطنی خصوصیات کو اس ضمن میں شامل کیا جاسکتا ہے۔

اگر ہم انسانی فرق یا انفرادی فرق کو مختلف زمروں میں تقسیم کریں یا درجہ بندی کریں تو درج ذیل پہلو منظر عام پر آتے ہیں جن کی بنیاد پر ہم انفرادی فرق کا پتہ لگا سکتے ہیں اور ہم اسی کو انفرادی فرق کی اقسام کہتے ہیں جو کہ حسب ذیل ہیں:

☆ جسمانی فرق	☆ ذہنی فرق	☆ جذباتی فرق
☆ سماجی فرق	☆ اخلاقی فرق	☆ دلچسپیوں میں فرق
☆ تخلیقیت میں فرق	☆ عادات واطوار میں فرق	☆ تہذیب وتمدن میں فرق
☆ اکتسابی فرق	☆ خیالات، احساسات ومحسوسات میں فرق	☆ تحصیل میں فرق
☆ رویوں میں فرق	☆ خاص اہلیتوں میں فرق	☆ شخصیت میں فرق

جسمانی فرق:

جسمانی ساخت اور صلاحیتوں کے اعتبار سے ہم دیکھیں تو افراد مختلف ہوتے ہیں۔ کوئی گورا ہے تو کوئی کالا یا سانولا، کوئی لمبا ہے تو کوئی بونا/چھوٹا، اسی طرح کوئی دبلا اور پتلا ہے تو کوئی موٹا اور تگڑا۔ ٹھیک اسی طرح کسی کا وزن بہت زیادہ ہے تو کسی کا بہت کم، کوئی بہت طاقتور ہے تو کوئی بہت کمزور۔ کسی کے اندر بہت دیر تک جسمانی کام کرنے کی صلاحیت ہے تو کوئی بہت کم وقت میں تھک جاتا ہے۔ کوئی بہت خوبصورت ہے تو کوئی قبول صورت اور کوئی بدصورت۔ کسی کی آنکھیں کالی ہیں تو کسی کی بھوری اور کسی کی چمکیلی۔ اگر ہم افراد کی جسمانی خوبیوں اور خامیوں کے اعتبار سے جائزہ لیں تو پتہ چلتا ہے کہ ہر فرد کسی نہ کسی طور پر ایک دوسرے سے جدا ہے اور اس کی صلاحیتیں بھی الگ الگ ہیں۔

ذہنی فرق:-

اگر ہم ذہنی یا دماغی صلاحیت کے لحاظ سے لوگوں کو دیکھیں یا پرکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر انسان ایک دوسرے سے ممتاز و ممیّز ہے۔

ذہنی صلاحیت میں معلومات کو حاصل کرنے کی صلاحیت، فہم وفراست، تجرباتی صلاحیت، غور وفکر کرنے کی صلاحیت، مسائل کو حل کرنے کی صلاحیت، ذہانت یاIQ کافی اہمیت کے حامل ہیں۔کوئی فرد بہت معلومات رکھتا ہے تو کوئی بہت محدود معلومات کا مالک ہے۔کسی فرد میں سمجھ و بوجھ بہت ہوتی ہے، بہت کم وقت یا عرصے میں چیزوں اور حالات کو سمجھ جاتا ہے تو کوئی بہت دیر میں سمجھتا ہے۔اسی طرح مختلف انسانوں میں کسی بھی شے کا تجزیہ کرنے کی صلاحیت بھی الگ الگ ہوتی ہے۔ایک ہی حالات اور کیفیات کا مختلف لوگ مختلف طریقوں سے تجزیہ کرتے ہیں۔مختلف لوگوں میں غور وفکر کی صلاحیت بھی ایک جیسی نہیں ہوتی۔کوئی شخص کسی پہلو کو بہت باریک بینی کے ساتھ سوچتا اور پرکھتا ہے تو کوئی بہت سرسری طور پر۔کسی فرد کے اندر مسائل کو حل کرنے کی صلاحیت بہت زیادہ ہوتی ہے تو کسی میں کم اور کوئی فرد مسائل سے پریشان ہو جاتا ہے۔ذہانت یاIQ کے لحاظ سے بھی لوگوں میں فرق پایا جاتا ہے۔کسی کی ذہانت بہت اعلیٰ وافضل ہے تو کوئی اوسط اور کوئی کند ذہن۔انسانوں کی IQ سطح اس کی ذہنی کارکردگی کا تعین کرتی ہے۔جس فرد کی IQ زیادہ ہوگی اس کی ذہنی صلاحیت یا استعداد بھی زیادہ ہوگی۔وہ ذہین ہوگا یا دماغی کاموں اور ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی انجام دے سکتا ہے۔

جذباتی فرق:

جذبات کے اعتبار سے بھی انسانوں میں فرق پایا جاتا ہے۔جذبات انسان کے ان ذہنی حالات کو کہتے ہیں جو ہمیں خوشی وغم، غصہ، پیار ومحبت، عزت ونفرت کی شکل میں دیکھنے کو ملتی ہے۔کوئی شخص بہت زیادہ جذباتی ہوتا ہے تو دوسرا کم۔کسی کو غصہ بہت آتا ہے تو کسی کو کم یا کوئی شخص بالکل بھی غصہ نہیں ہوتا۔کسی انسان کو بہت بڑی کامیابی ملتی ہے پھر بھی وہ خاموش رہتا ہے تو دوسرا فرد چھوٹی سی کامیابی پر آپے سے باہر ہو جاتا ہے۔کوئی شخص بڑے سے بڑے غم کو سینے میں دفن کر دیتا ہے تو کوئی فرد چھوٹی سی تکلیف، غم، پریشانی اور مصیبت کو سر پر اُٹھا لیتا ہے۔ہم اکثر وبیشتر ایسے حالات سے دوچار ہوتے ہیں کہ زبان سے نکل جاتا ہے کہ فلاں فرد بہت جذباتی ہو گیا ہے۔آپ براہ کرم Please اپنے جذبات پر قابو کیجیے۔بہرکیف جذبات انسان کے اس ذہنی حالت کا نام ہے جس میں وہ نارمل (Normal) سے ہٹ کر قول وفعل انجام دیتا ہے۔اس وقت یعنی کہ جذباتی حالت میں اس کا دماغ مستحکم نہیں ہوتا ہے بلکہ خوشی، غم، غصہ، پیار ومحبت کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔

سماجی فرق:

ہمیں معلوم ہے کہ جب انسانوں کا گروہ ایک ساتھ مل جل کر رہتا ہے جس میں جغرافیائی علاقے، زندگی کے مقاصد وطور طریقے شامل ہیں۔اسی کو ہم سماج کہتے ہیں۔یعنی کہ سماج میں مختلف افراد کا مجموعہ ہوتا ہے جو مل جل کر ایک ساتھ رہتے و بستے ہیں۔اس دنیا میں جغرافیائی اعتبار سے بے شمار سماج موجود ہیں اور ہر سماج کی اپنی شناخت و پہچان ہے اور ہر فرد اپنے سماج کے مطابق زندگی گزارتا ہے، عمل کرتا ہے، ردعمل کرتا ہے۔اگر ہم غور کریں تو محسوس ہوگا کہ الگ الگ سماج کے رہنے والے افراد کے طور طریقے، سوچنے اور سمجھنے کا انداز، لباس، کھان پان، رہن سہن، زبان، تہذیب وتمدن میں نمایاں فرق موجود ہے اور اسی فرق کو ہم سماجی فرق کہتے ہیں۔اگر ہم اپنے ملک کے مختلف ریاستوں کے لوگوں کو دیکھیں تو یہ فرق واضح طور پر نمودار ہوگا۔جنوب کا باشندہ شمال کے باشندے سے مختلف اعتبار سے ممتاز وممیّز ہوگا۔ٹھیک اسی طرح مغربی ریاستوں کے لوگ مشرقی ریاستوں کے لوگوں سے جسمانی، ذہنی، جذباتی، تہذیب وتمدن، کھان پان، لباس وغیرہ کے اعتبار سے مختلف ہوں گے۔انہیں فرق کو ہم سماجی فرق کا نام دیں گے۔

اخلاقی فرق:

اگر ہم اخلاقی اعتبار سے جائزہ لیں تو انسانوں کے اندر بے پناہ فرق محسوس ہوگا۔کوئی شخص اخلاقی طور پر بہت اعلیٰ ہوتا ہے، اس کے

برتاؤ، گفتگو، چال چلن، دوسروں کا خیال رکھنے کی فطرت، چھوٹے اور بڑوں کے ساتھ سلوک وغیرہ میں دوسروں کے مقابلے کافی فرق پایا جاتا ہے تو دوسری جانب انحطاط نظر آتا ہے۔اسی لیے تو ہم اکثر سنتے ہیں کہ فلاں شخص کا اخلاق بہت اچھا ہے تو فلاں شخص کے اخلاق اچھا نہیں ہے۔ اس لیے بہ آسانی یہ کہا جا سکتا ہے کہ مختلف لوگوں میں یہ خصوصیت واضح طور پر نمایاں ہوتی ہے۔ چال چلن، برتاؤ، سلوک، گفتگو کے طور طریقوں، دوسرے افراد کا لحاظ و خیال، باہمی ہمدردی و خیر سگالی کا جذبہ وغیرہ اخلاق کے دائرہ میں آتے ہیں۔اس لحاظ سے اگر ہم افراد کا جائزہ لیں تو پتہ چلتا ہے کہ مختلف افراد مختلف اخلاق کے مالک ہوتے ہیں اور انہیں ہی خصوصیات کی بنیاد پر ہم انسانوں کی درجہ بندی کرتے ہیں۔کون انسان اچھے اخلاق کا مالک ہے اور کون برے اخلاق کا مرتکب۔

دلچسپیوں میں فرق:

دلچسپیوں کے اعتبار سے اگر ہم دیکھیں تو لوگوں میں کافی فرق موجود ہوتا ہے۔کسی میں ادب مطالعے کی دلچسپی ہے تو کوئی ریاضی پسند کرتا ہے، کسی کو فٹ بال پسند ہے تو کوئی کرکٹ میں دلچسپی رکھتا ہے۔کسی کو گوشت پسند ہے تو کوئی سبزی پسند فرماتا ہے۔آئیے ہم آپ کو ایک مثال کی مدد سے دلچسپیوں میں فرق کو اجاگر کرتے ہیں۔تعلیمی سال کا پہلا دن ہے۔کمرۂ جماعت نئے طالب علموں سے بھرا ہے۔تعارفی دور کا سلسلہ ہے جس میں ہر طالب علم اپنے بارے میں کچھ بتاتا ہے۔آپ بحیثیت استاد طلبا سے معلوم کیجیے کہ آپ کو کس مضمون میں دلچسپی ہے تو معلوم ہوگا کہ ایک طالب علم اردو زبان پسند کرتا ہے تو دوسرا ہندی اور تیسرا انگریزی تو چوتھا سائنس اور پانچواں ریاضی تو چھٹا موسیقی یا مصوری۔اسی طرح کھیل کے میدان میں دلچسپی معلوم کیجیے تو پتہ چلے گا کہ ایک طالب علم فٹ بال کھیلنا پسند کرتا ہے تو دوسرا کرکٹ اور تیسرا کبڈی۔اسی طرح اگر ہم مختلف طالب علموں سے معلوم کرتے چلیں جائیں تو اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ دلچسپیوں کے اعتبار سے ہر شخص مختلف ہوتا ہے اور یہ فرق جنس، رنگ و نسل، ملک و قوم اور سماج میں پایا جاتا ہے۔

تخلیقی صلاحیتوں میں فرق:

تخلیقی صلاحیت کے حامل شخص ہمیشہ کچھ نیا کرنے اور چیزوں کو نئے اور منفرد انداز میں پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ان کے کام کرنے کا طریقہ، سوچنے اور سمجھنے کا طریقہ و صلاحیت عام لوگوں سے منفرد ہوتی ہے۔ان کے احساسات، خیالات اور جذبات ہمیشہ منفرد انداز کے ہوتے ہیں۔وہ ایک ہی مسئلے کو مختلف طور اور صورت میں دیکھتے ہیں۔ساتھ ہی ساتھ اس مخصوص مسئلے کے حل کے طریقے بھی نت نئے انداز اور طریقوں سے سوچتے ہیں۔اس دنیا میں جتنی بھی دریافتیں، کھوج اور تحقیقی کام انجام پاتے ہیں ان میں تحقیقی اور تخلیقی صلاحیتوں کے حامل شخص ہی شامل ہوتے ہیں۔مثال کے طور پر جیمس واٹ جس نے بھاپ کے انجن کی دریافت کی۔اس کے پہلے بھی بے شمار لوگوں نے کھانا بنتے وقت برتن سے بھاپ کے نکلنے کو دیکھا ہوگا۔چوں کہ جیمس واٹ تخلیقی صلاحیت کا حامل فرد تھا اس لیے اس نے اس بھاپ کو دوسرے طریقے سے دیکھا، سمجھا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ بھاپ میں ایک طاقت ہوتی ہے اور اس طاقت کو انجن کو چلانے میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔اسی طرح ایک عام آدمی کو اگر کہیں سفر کرنا ہے تو وہ ایک ہی راستہ تلاش کرتا ہے لیکن تخلیقی صلاحیت کا مالک اپنی منزل تک پہنچنے کے لیے مختلف راستوں کو تلاش کرتا ہے۔ اگر ایک وسیلہ بند ہو گیا تو دوسرے وسیلے کی دریافت کرتا ہے اور دوسرا بند ہو گیا تو تیسرا اور اسی طرح نہ جانے کتنے وسیلے تلاش کرتا ہے اور یہاں تک کہ وہ اپنی منزل پر پہنچ جاتا ہے۔اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس دنیا کی بیشتر تحقیقات اور دریافتیں تخلیقی صلاحیتوں کے افراد کی مرہون منت ہیں جنھوں نے اپنی اختراعی و تخلیقی صلاحیتوں سے دنیا کو پستی سے بلندی پر پہنچادیا اور انسانی زندگی کو آسان اور سہل بنا دیا۔اس نقطۂ نظر سے اگر ہم دیکھیں تو یہ تخلیقی صلاحیتیں انسانوں میں مختلف ہوتی ہیں۔کسی میں یہ بہت زیادہ ہوتی ہیں تو کسی میں بہت کم اور کسی میں اوسط درجے کی ہوتی

ہیں تو کسی میں بالکل نا کے برابر۔ بہر کیف تخلیقی صلاحیتوں کے اعتبار سے بھی افراد میں فرق پایا جاتا ہے۔

عادات واطوار میں فرق:

اس دنیا میں جتنے بھی فرد ہیں ان کے طور طریقے الگ الگ ہیں۔ سب کے کام کرنے کا انداز الگ ہے، سب کی پسند الگ ہے۔ عادات واطوار کسی بھی فرد کے مکمل برتاؤ کا نام ہے جسے وہ اپنی زندگی کا طریقہ بناتا ہے۔ دوسروں کے ساتھ سلوک کرتا ہے۔ ہمارا ہندوستانی سماج اس لحاظ سے کافی متنوع ہے۔ اس میں بے پناہ لوگ رہتے و بستے ہیں ان کی مجموعی زندگی ایک دوسرے سے کافی منفرد ہے۔ ان کے کھان پان الگ ہیں۔ ان کی لباس الگ ہے، ان کے تہوار الگ ہیں۔ ان کے سونے وجاگنے کا وقت الگ ہے۔ تہذیب وتمدن الگ ہیں۔ یہ تمام چیزیں مل جل کر کسی بھی فرد، سماج، قوم وملک کی پہچان بنتی ہیں۔ اسی سے ایک فرد جانا و پہچانا جاتا ہے۔ ہر ایک شخص عادات واطوار کے لحاظ سے دوسرے فرد سے منفرد ہوتا ہے۔ اس کے کام کرنے کا طریقہ، اس کے لباس، اس کی پسند اور ناپسند دوسرے فرد سے مختلف ہوتی ہے۔ سماجی اعتبار سے ہر سماج کے طور طریقے، کھان پان، رسم ورواج دوسرے سماج سے مختلف ہوتے ہیں جو مجموعی طور پر اس سماج کے عادات واطوار کے طور پر لیے جاتے ہیں۔ یہ عادات واطوار اس قدر مختلف ہوتے ہیں کہ بعض اوقات دوسرے فرد، سماج اور قوم کے لیے ناپسندیدہ ہوتے ہیں۔ بہر حال عادات و اطوار جو کہ برتاؤ کے طور پر جانا جاتا ہے ایک فرد کا دوسرے فرد سے مختلف ہوتا ہے اور اس کی بنیاد پر افراد، خاندان اور سماج کی شناخت کی جاتی ہے۔

تہذیب وتمدن میں فرق:

اگر ہم تہذیب وتمدن کی بات کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس دنیا میں جتنے بھی ممالک ہیں، جتنے بھی جغرافیائی خطے ہیں، جتنے بھی مذاہب ہیں، سب کی اپنی ایک تہذیب ہے، سب کا اپنا ایک تمدن ہے جو ان کی اپنی پہچان ہے، شناخت ہے اور اسی مخصوص تہذیب وتمدن کی وجہ سے وہ جانے اور پہچانے جاتے ہیں۔ ہمارا ملک ہندوستان بھی اپنی منفرد تہذیب وتمدن کی وجہ سے پوری دنیا میں جانا جاتا ہے۔ جہاں پر مختلف مذاہب، مختلف رنگ ونسل، مختلف زبانوں کے بولنے والے افراد مل جل کر ایک ساتھ رہتے ہیں اور کثرت میں وحدت کا ایک جیتا جاگتا ثبوت پیش کرتے ہیں۔ ہمارے ملک میں بے شمار تہذیبیں موجود ہیں، بے شمار تہوار ہیں جو کہ مختلف مذاہب کے لوگ مل جل کر مناتے ہیں۔ اگر ذائقے کی بات کریں تو لوگ کہیں میٹھا کھانا پسند کرتے ہیں تو کہیں کھٹا، کہیں نمکین اور کہیں تیکھا۔ اگر یہی فرق ہم انفرادی طور پر دیکھیں گے تو ہر شخص کی اپنی تہذیب ہے اور اسی کے مطابق وہ زندگی گزر بسر کرتا ہے اور وہ مخصوص کلچر اس کی شناخت ہے۔

اکتسابی فرق:

ایک ہی کمرۂ جماعت میں اکتسابی نقطۂ نظر سے بے شمار فرق موجود ہوتا ہے۔ ایک طالب علم سبق کو بہت جلدی یاد کر لیتا ہے تو دوسرا طالب علم اسی سبق کو یاد کرنے میں قدرے زیادہ وقت لیتا ہے تو تیسرا طالب علم اس سے بھی زیادہ وقت۔ عام زبان میں ہم اکتسابی فرق کو سیکھنے کی صلاحیت میں فرق کے طور پر سمجھتے ہیں۔ اس سے بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ مختلف افراد، اشخاص اور طالب علموں میں سیکھنے کی صلاحیت میں فرق موجود ہوتا ہے اور یہ فرق زندگی میں کامیابی اور ناکامی کا ضامن ہوتا ہے۔ اس کا دارومدار افراد مطالعے کی عادات واطوار، ذہانت، گھریلو حالات، نفسیاتی کیفیات اور جذباتی کیفیات پر منحصر ہوتا ہے۔ اگر ایک طالب علم کی اکتسابی عادات واطوار بہتر ہے تو اس کے اکتساب پر مثبت اثرات مرتب ہوں گے اور وہیں اگر کوئی طالب علم مناسب اطوار نہیں اپناتا تو اس کے اکتساب پر منفی اثرات مرتب ہوں گے۔ سیکھنے کے عمل میں ذہانت ایک اہم رول ادا کرتا ہے۔ اگر بچہ ذہین ہے تو اس کے سیکھنے کی رفتار عام ذہن رکھنے والے بچوں سے زیادہ ہوگی اور وہ نصاب کو بہتر طور پر

اور زیادہ رفتار کے ساتھ یاد کرے گا۔اسی طرح ایک کند ذہن بچہ زیادہ محنت کرنے کے باوجود بھی اتنی تیز رفتاری سے اکتساب نہیں کرسکتا جتنا کہ ایک ذہین بچہ کرے گا۔ایک طالب علم کے گھریلو حالات بھی اس کے سیکھنے اور اکتساب کرنے کے عمل میں اہم رول ادا کرتے ہیں۔گھریلو حالات مثبت اور پرسکون ہیں تو بچہ بہتر طور پر اپنی تعلیمی اور اکتسابی سرگرمیوں کو انجام دے سکتا ہے اور یہی حالات منفی رہے مثلاً والدین میں کشیدگی، گھریلو ماحول میں شور وغل، معاشی تنگی وغیرہ تو ان تمام حالات میں ایک طالب علم اپنی پڑھائی پر توجہ مرکوز نہیں کرسکتا۔نتیجتاً اکتساب و سیکھنے کے عمل میں دوسروں کے مقابلے پچھڑ جاتا ہے۔ان تمام گفتگو سے یہ پتہ چلتا ہے کہ گھریلو حالات اکتسابی صلاحیت پر اثر انداز ہوتے ہیں۔اگر یہ مثبت ہیں تو اس کے بہتر نتائج اخذ ہوتے ہیں اور منفی ہیں تو اکتساب پر برے اثرات مرتب ہوں گے۔

خیالات، احساسات اور محسوسات میں فرق:

انفرادی فرق کے میدان میں یہ بہت ہی اہم تصور ہے کہ ہر فرد منفرد خیالات، احساسات اور محسوسات کا مالک ہوتا ہے۔سب کے اپنے نرالے انداز ہوتے ہیں۔ایک ہی چیز کو مختلف لوگ مختلف طریقوں سے محسوس کرتے ہیں اور ایک ہی چیز کے بارے میں مختلف رائے رکھتے ہیں اور ایک ہی غم یا خوشی کو الگ الگ طور پر لیتے ہیں۔کچھ لوگ بڑے سے بڑے غم کو ہنس کر اڑا دیتے ہیں تو کچھ افراد چھوٹی سے چھوٹی باتوں کو رائی کا پہاڑ بنا دیتے ہیں۔اگر ایک کمرہ جماعت میں دیے گئے ایک عنوان پر مختلف طلبا سے رائے معلوم کرنے کی کوشش کی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ مختلف طلبا ایک ہی عنوان کے بارے میں مختلف رائے رکھتے ہیں اور یہ فرق ان کے اپنے خیالات، احساسات ومحسوسات کی بنیاد پر ہوتے ہیں۔اس لیے وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ ہر ایک طالب علم، ہر ایک انسان اپنی منفرد سوچ اور خیالات کا مالک ہوتا ہے اور وہ اسی کے مطابق چیزوں کو اور حالات کو دیکھتا ہے۔کچھ لوگ بہت حساس (Sensitive) ہوتے ہیں۔وہ کسی بھی چیز یا معمولی چیز کو بھی بہت سنجیدگی سے لیتے ہیں۔وہیں دوسرا فرد بڑی سے بڑی چیزوں کو ہنس کر اڑا دیتا ہے۔اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ فرد خیالات، احساسات اور محسوسات کے حوالے سے منفرد اور ممتاز ہوتا ہے۔یعنی کہ دو افراد میں فرق پایا جاتا ہے۔

تحصیل/حصولیابی میں فرق:

ایک ہی کمرۂ جماعت، ایک ہی استاد، ایک ہی نصاب اور سبھی طالب علموں کو 24 گھنٹے۔لیکن سال کے اختتام پر جو نتیجہ نکلتا ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ سبھی طالب علموں کے نمبرات مختلف ہیں۔کوئی اپنے کمرۂ جماعت میں اول مقام حاصل کرتا ہے تو کوئی فیل ہو جاتا ہے۔وہیں کچھ طلبا فیصد کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں، کسی کا تعلیمی تحصیل/حصولیابی (Academic Achivement) اعلیٰ ہوتا ہے تو کسی کا اوسط اور کسی کا ادنیٰ۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ طلبا کے اندر انفرادی فرق موجود ہے جس کی وجہ سے باوجود اس کے کہ ساری چیزیں ایک ہیں پھر بھی ان کے نمبرات یا تعلیمی تحصیل میں فرق ہے۔یہ تعلیمی تحصیل مختلف عوامل پر منحصر ہوتی ہے جن میں ذہانت، مطالعاتی عادات واطوار، گھریلو اور سماجی حالات وغیرہ پیش پیش ہیں۔اکثر و بیشتر تجربات میں یہ باتیں بھی آئیں ہیں کہ ایک طالب علم کی ذہانت اعلیٰ ہے لیکن تعلیمی تحصیل بہت کم ہوتی ہے اور برخلاف اس کے ایک عام سطح کی ذہانت رکھنے والا طالب علم کمرۂ جماعت میں اول مقام حاصل کرتا ہے۔تحقیق سے یہ بات منظر عام پر آتی ہے کہ اعلیٰ تعلیمی تحصیل کے لیے محنت، لگن، یکسوئی، مستقل مزاجی اور مثبت سوچ وفکر کارفرما ہوتے ہیں۔اس لیے اوپر دیے گئے مثال سے واضح ہو جاتا ہے کہ جو طالب علم اعلیٰ ذہنی صلاحیت کا مالک ہوتے ہوئے بھی کم محنت، کم لگن، غیر سنجیدگی اور منفی سوچ کا حامل تھا، کمرۂ جماعت میں جو مقام حاصل کرنا تھا اس سے قاصر ہو گیا۔بہر کیف اگر ہم تعلیمی تحصیل کے اعتبار سے طلبا کو دیکھیں تو ان میں انفرادی فرق ملے گا۔

رویوں میں فرق:

رویہ کے اعتبار سے بھی افراد میں فرق پایا جاتا ہے۔ کچھ لوگوں کا رویہ مثبت ہوتا ہے تو کچھ افراد کا رویہ منفی۔ اگر ہم رویہ کی تعریف کریں تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ رویہ انسان کی اس عمل یا ردعمل کا نام ہے جو وہ کسی اشیا، فرد، عمل یا فکر وغیرہ کے تئیں برتتا یا رکھتا ہے۔ جو اس کی مثبت یا منفی ردعمل کے طور پر ظاہر ہوتا ہے۔ رویہ بنیادی طور پر ایک شخص کا دوسرے شخص کے ساتھ برتاؤ کا نام ہے جس کو وہ ردعمل کے طور پر ظاہر کرتا ہے اور یہ مثبت بھی ہوسکتا ہے اور منفی بھی۔ مثال کے طور پر اصغر ایک طالب علم ہے اور اس کے کمرۂ جماعت کے دو طالب علم ہیں نثار اور اکمل۔ رویوں کے اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ عین ممکن ہے کہ اصغر کا رویہ نثار کے لیے مثبت ہو اور دوسری طرف اکمل کے لیے منفی۔ رویہ انسان کی اپنی پسندیدگی اور ناپسندیدگی پر منحصر ہوتا ہے۔ رویہ پیدائشی نہیں ہوتا بلکہ فروغ پاتا ہے۔ ایک بچہ جس گھرانے میں پیدا ہوتا ہے، جس ماحول میں پلتا بڑھتا ہے جو لوگ اس کے اردگرد ہوتے ہیں ان تمام عناصر سے اس بچے کا رویہ فروغ پاتا ہے۔ اگر اوپر بتایے گئے تمام حالات مثبت ہوتے ہیں تو رویہ بھی مثبت فروغ پائے گا اور اگر یہی حالات منفی ہوتے ہیں تو منفی رویوں کو فروغ ملے گا۔ الحاصل یہ ہے کہ انفرادی طور پر افراد کے رویوں میں فرق ہوتا ہے۔ کچھ لوگ مثبت رویوں کے مالک ہوتے ہیں تو کچھ لوگ منفی رویہ رکھتے ہیں۔

خاص اہلیتوں میں فرق:

ماہرین نفسیات نے انسانی صلاحیتوں کی مختلف طور پر درجہ بندی کی ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ ان صلاحیتوں کو ہم دوزمروں میں تقسیم کرتے ہیں۔ ایک تو عام صلاحیت اور دوسری خاص صلاحیت۔ عام صلاحیت تو تقریباً ہر افراد میں پائی جاتی ہے مگر خاص صلاحیتیں مختلف انسانوں میں مختلف ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر تعلیم کے میدان میں، کھیل کود کے میدان میں، ادب کے میدان میں، موسیقی کے میدان میں، مصوری کے میدان میں اسی طرح زندگی کے بے شمار خصوصی میدانوں میں۔ جس شخص کے اندر جو خصوصی صلاحیت موجود ہوتی ہے وہ اس کی بنا پر دنیا میں اعلیٰ وافضل مقام حاصل کرتا ہے۔ مثال کے طور پر سیاست کے میدان میں گاندھی جی، سائنس کے میدان میں اے پی جے عبدالکلام، کرکٹ کے میدان میں سچن تندولکر، مصوری کے میدان میں ایم ایف حسین قابل ذکر ہیں جنھوں نے اپنی خاص صلاحیتوں اور اہلیتوں کی بنیاد پر اپنے نام سارے عالم میں روشن کیے اور پوری دنیا ان کی مخصوص اہلیت وصلاحیت کی وجہ سے انہیں جانتی و مانتی ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مختلف انسانوں میں یہ خاص صلاحیتیں موجود ہوتی ہے جو کہ انفرادی فرق کا تعین کرتی ہیں۔

شخصیت میں فرق:

شخصیت انسان کے ظاہری و باطنی خصوصیات کے مجموعے کا نام ہے جس میں اس کی جسمانی، ذہنی، جذباتی، سماجی، اخلاقی وروحانی خصوصیات شامل ہیں۔ ہر ایک شخص ان ہی خصوصیات کی بنیاد پر جانا و پہچانا جاتا ہے۔ اگر ہم ظاہری طور پر دیکھیں تو انسان کی جسامت وقد و قامت، چہرے کی بناوٹ، لمبائی و چوڑائی، آنکھوں کا رنگ وغیرہ شامل ہیں تو دوسری جانب باطنی طور پر اس کی ذہانت، دلچسپیاں، رجحانات، رویہ، احساسات، جذبات ومحسوسات وغیرہ شامل ہیں۔ اس طرح سے دیکھا جائے تو ہر فرد دوسرے فرد سے الگ تھلگ ہے کیوں کہ جسمانی لحاظ سے بے پناہ فرق پایا جاتا ہے۔ ایک شخص جسمانی طاقت کے اعتبار سے بہت اعلیٰ وافضل ہے تو دوسری طرف ایک شخص کافی کمزور ہے۔ خوبصورتی کے لحاظ سے ایک شخص بہت خوبصورت ہے تو دوسرا کم خوبصورت اور تیسرا بدصورت۔ اسی طرح لمبائی اور چوڑائی کے لحاظ سے بھی انسانوں میں فرق پایا جاتا ہے۔ دوسری جانب اگر ہم باطنی یا اندرونی خصوصیات کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بہت ذہین ہے تو کوئی اوسط ذہین تو کوئی کم ذہین۔ اسی طرح دلچسپیوں، رویوں اور رجحانات میں بھی فرق دیکھنے کو ملتا ہے۔ بطور مجموعی ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ شخصیت کے اعتبار

سے دو افراد میں نمایاں فرق پایا جاتا ہے اور ان ہی فرق کی بنیاد پر انسان کا تشخص ہوتا ہے اور سماج میں اس کی شناخت اور پہچان بنتی ہے۔ اس کی نیک نامی اور بدنامی شخصیت کی مرہون منت ہوتی ہے۔

3.4 درون شخصی اور بین شخصی انفرادی فرق کا تصور

(Concept of Intra and Inter Individual Differences)

اس سے قبل ہم نے مختلف خصوصیات اور صفات کی بنیاد پر انفرادی فرق کو سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ اب ہم انفرادی فرق کے اس تصور کو سمجھنے کی کوشش کریں گے جس میں صرف دو افراد کے درمیان پائے جانے والے فرق کو ہی نہیں بلکہ ایک ہی فرد میں بھی پائے جانے والے مختلف فرق کو بھی جاننے کی کوشش کریں گے۔ یہ انفرادی فرق تصور کو سمجھنے کا دوسرا طریقہ ہے جس کو ہم درون شخصی (Intra Individual) فرق اور بین شخصی (Inter Individual) فرق کہتے ہیں۔

درون شخصی انفرادی فرق (Intra Individula Differences):

اب تک ہم نے یہ واضح کرنے کی کوشش کی کہ دو افراد کے مابین جسمانی، ذہنی، جذباتی وغیرہ مختلف قسم کے فرق موجود ہوتے ہیں اور اس دنیا میں کوئی بھی دو افراد ایک جیسے نہیں ہوتے بلکہ ان کی صلاحیتیں، دلچسپیاں، رجحانات، پسندیدگی و ناپسندیدگی وغیرہ مختلف ہوتی ہیں۔

اب آیئے ہم آپ سے ایک سوال پوچھتے ہیں۔ کیا ایک انسان کی مختلف شعبہ جات میں صلاحیتیں، دلچسپیاں اور پسندیدگی اور ناپسندیدگی یکساں ہوتی ہیں؟ اگر آپ غور کریں گے تو جواب نفی میں آئے گا۔ کیوں کہ مان لیجیے راجو ایک طالب علم ہے جو جماعت آٹھویں میں زیر تعلیم ہے۔ سال کے آخر میں جب اسکول کا نتیجہ نکلتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ راجو نے ریاضی مضمون میں 95 فیصد نشانات حاصل کیے، سائنس مضمون میں 70 فیصد، سماجی علوم میں 40 فیصد، اردو میں 50 فیصد اور انگریزی مضمون میں صرف 20 فیصد یعنی کہ فیل ہے۔ اس طرح یہ پتہ چلتا ہے کہ راجو ایک ہی طالب علم ہے لیکن مختلف مضامین میں اس کی دلچسپیاں الگ الگ ہیں جس کی وجہ سے اس کے مارکس بھی الگ الگ ہیں۔ ٹھیک اسی طرح راجو کو کھیل میں فٹ بال سب سے پسندیدہ کھیل ہے تو کبڈی اسے بالکل بھی پسند نہیں۔ اگر کھانے پینے سے متعلق راجو سے پوچھا گیا کہ تم کو کون سی ڈش سب سے زیادہ پسند ہے تو معلوم ہوا کہ آلو کی سبزی۔

ان تمام مثالوں سے ہم بہ آسانی یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ کسی ایک ہی شخص کے اندر پائی جانے والی صلاحیتوں، دلچسپیوں اور رجحانات میں جب فرق پایا جاتا ہے تو ہم اسے درون شخصی انفرادی فرق کہتے ہیں یعنی کہ ایک ہی شخص میں مختلف اقسام کے فرق موجود ہوتے ہیں اور وہ ہر میدان میں یکساں طور پر قابل و لائق نہیں ہوتا ہے۔ اسی لیے والدین، سرپرستوں اور اساتذہ کی ذمہ داری ہے کہ ایک مخصوص طالب علم کی خصوصی دلچسپی کو دیکھتے ہوئے اس کو اسی میدان میں آگے بڑھنے کی ترغیب دیں تاکہ وہ اپنی فطرت اور دلچسپی کے مطابق مستقبل کا راستہ متعین کرے۔ مگر ہمارے سماج میں ایسا بہت کم ہوتا ہے۔ اگر ایک بچہ ہمیشہ ادب مطالعے میں دلچسپی لیتا ہے تو اسے دوسرے مضامین کو پڑھنے پر زور دیا جاتا ہے۔ جس کا نتیجہ سبھی کے سامنے دیر یا سویر آتا ہے۔ اس لیے بحیثیت والدین اور اساتذہ ہماری ذمہ داری ہے کہ طلبا کی خصوصی دلچسپی کو جانیں اور اسی میدان میں اس کی رہنمائی کریں۔

بین شخصی انفرادی فرق(Individual Inter Differences):

ہم ابتدا سے ہی یہ گفتگو کرتے آ رہے ہیں کہ اس دنیا میں کوئی بھی دو افراد ایک جیسے نہیں ہوتے۔ان کی صلاحیتوں میں خواہ وہ جسمانی ہوں یا ذہنی، جذباتی ہوں یا سماجی،فرق موجود ہوتا ہے۔مختلف صلاحیتوں، دلچسپیوں، رجحانات، پسندیدگی و ناپسندیدگی کے اعتبار سے دو افراد کے درمیان پائے جانے والے فرق کو ہی ہم بین شخصی انفرادی فرق کہتے ہیں۔اس کی بہت واضح مثال یوں ہے کہ ایک ہی جماعت میں پڑھنے والے دو طالب علموں کا آپ جائزہ لیجیے تو پتہ چلے گا کہ ایک طالب علم سائنسی مضامین سے رغبت رکھتا ہے تو دوسرا ادبی مضامین سے۔ایک طالب علم ریاضی میں زیادہ نمبرات حاصل کرتا ہے تو دوسرا زبان اردو میں۔اسی طرح کھیل کے میدان میں دلچسپیوں کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک طالب علم کو ہاکی پسند ہے تو دوسرے کو فٹ بال۔اسی طرح اگر ہم زبان کے ٹیسٹ کی بات کریں تو ایک کو کچھ پسند ہے تو دوسرے کو کچھ۔ٹھیک اسی طرح ہم اگر دو طالب علموں کی ذہانت کی جانچ کریں تو ان میں بھی فرق ملے گا۔اگر دو افراد کے درمیان شخصیات کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیا جائے تو ان میں فرق موجود رہتا ہے اور ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ شخصیت کے بے پناہ پہلو ہوتے ہیں جو ظاہری خصوصیات اور باطنی خصوصیات کی شکل میں ہر فرد میں موجود ہوتے ہیں۔اگر ہم کسی ایک پہلو کو لے کر دو افراد کے درمیان موازنہ کریں تو ان میں فرق لازمی طور پر موجود ہوگا۔کسی دو افراد کے درمیان پائے جانے والے فرق جو جسمانی، ذہنی، جذباتی اور سماجی وغیرہ ہوتے ہیں انہیں ہم بین شخصی انفرادی فرق کہتے ہیں۔

3.5 انفرادی فرق کو متعین کرنے والے عوامل (Factors Respondible for Individual Differences)

یہ بہت اہم سوال ہے کہ ہم سب انسان ہیں، ہمارے پاس ایک دماغ ہے، دو ہاتھ، دو پاؤں ہیں، دو آنکھیں ہیں اور دو کان ہیں۔ اسی طرح ایک دل ہے مگر پھر بھی اس یکسانیت کے باوجود ہم کارکردگی میں، قابلیت میں، دلچسپیوں میں، رجحانات میں، سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں میں، پسندیدگی و ناپسندیدگی وغیرہ کے لحاظ سے ایک دوسرے سے ممتاز و ممیّز کیوں ہیں؟اس سوال کا بہت آسان اور مختصر جواب ہے جو صرف دو الفاظ پر مرکوز ہے۔یعنی کہ توارث(Heredity)اور ماحول(Environment)۔

جی ہاں ہم تمام انسانوں میں جتنی بھی قسم کا فرق موجود ہے وہ صرف اور صرف دو وجوہات پر منحصر ہیں۔ایک تو ہمارے توارث پر اور دوسرا ہم جس ماحول میں پروان چڑھتے ہیں۔تو آیئے اب ہم ان دو وجوہات یا عوامل کو تفصیل سے جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

توارث(Heredity):

بہت آسان زبان میں توارثی اثرات ہم ان اثرات کو کہتے ہیں جو پیدائشی طور پر ہم لے کر پیدا ہوئے ہیں اور یہ اثرات ہم اپنے والدین، خاندان، آباواجداد، نسل درنسل چلنے والی خصوصیات سے پیدائشی طور پر حاصل کرتے ہیں۔ان میں ہماری جسامت، شکل وصورت، چہرے کی بناوٹ، بال کے رنگ، آنکھ کا رنگ وذہانت وغیرہ شامل ہیں۔آپ غور کیجیے، دنیا کے مختلف خطوں وعلاقوں میں پیدا ہونے والے بچوں کی جسامت، شکل وصورت، چہرے کی بناوٹ، چمڑے کا رنگ، آنکھ وبال کے رنگ وذہانت میں فرق پایا جاتا ہے کہ نہیں۔دنیا میں بے شمار ممالک ہیں۔عرب کے بچے کا موازنہ ہم افریقہ کے بچے سے کریں تو بالکل واضح ہوجائے گا کہ کتنا فرق ہے۔ٹھیک اسی طرح ہم اپنے ملک ہندوستان کو لیتے ہیں تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جنوب کے لوگ شمال کے لوگوں سے کتنے منفرد ہوتے ہیں۔ٹھیک اسی طرح مشرق کے لوگ

مغرب کے لوگوں سے مختلف ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک کشمیری بچے کو لیجیے اور ایک کنیا کماری کے بچے کو لیجیے اور موازنہ کیجیے تو معلوم ہوجائے گا کہ رنگت سے لے کر چہرے کی بناوٹ تک، جسامت سے لے کر آنکھ اور بال کے رنگ تک دونوں بچوں میں فرق موجود ہے۔ اس تفاوت یا فرق کی کیا وجوہات ہیں؟ جی ہاں توارث۔ ہمیں یہ بھی بات ذہن نشیں کر لینی چاہیے کہ توارثی اثرات وہ اثرات ہوتے ہیں جو پیدائشی طور پر ہمیں اپنے خاندان اور نسل سے ملتی ہیں جن کو تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ مثال کے طور پر اگر ہم چاہیں تو کسی کی جسامت میں، اس کے چہرے کی بناوٹ میں، اس کی آنکھوں کی رنگت میں، اس کی ذہانت میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتے۔ ہم کالے کو گورا نہیں کر سکتے۔ ہم کند ذہن کو ذہین نہیں کر سکتے۔ ہم لمبے کو بونا نہیں کر سکتے، وغیرہ۔

توارثی اثرات کو ہم دوسری طرح سے بھی سمجھ سکتے ہیں۔ ایک بچہ 46 (چھیالیس) کروموزومس (Chromosomes) کا مجموعہ ہوتا ہے جس میں 23 والد کی ہوتی ہے اور 23 والدہ کی۔ اگر ہم کروموزومس کا نام خصوصیات دیں تو ایک بچہ کے اندر 46 خصوصیات موجود ہوتی ہیں جن میں 23 خصوصیات والد کی اور 23 خصوصیات والدہ کی ہوں گی اور ہم انہیں خصوصیات کی بنیاد پر لوگوں میں تفریق کرتے ہیں جو ظاہری و باطنی دونوں طرح کی ہوتے ہیں۔ ایک بچے کی مکمل شخصیت خواہ وہ ظاہری ہو کہ باطنی توارثی عوامل کے زیر اثر پروان چڑھتی ہے۔

ماحول(Environment):

انفرادی فرق کو متعین کرنے میں ماحول کا بھی بڑا عمل دخل ہوتا ہے۔ بچہ جس ماحول میں پروان چڑھے گا اس ماحول کے اثرات کو اپنی شخصیت کا حصہ بنائے گا۔ ہم بخوبی واقف ہیں کہ بچے کے ماحول کی شروعات گھر سے ہوتی ہے اور بچے کو گھر میں سب سے پہلا سابقہ والدین سے پڑتا ہے پھر اس کے بعد دوسرے افراد خاندان مثلاً بھائی، بہن، چچا، چچی، پھوپھا، پھوپھی وغیرہ سے۔ جوں جوں بچہ بڑھتا ہے اس کے ماحول کا دائرہ بھی وسیع ہوتا جاتا ہے۔ جب بچہ گھر سے باہر نکلنا شروع کرتا ہے تو پڑوس کے دوسرے بچوں کے رابطے میں آتا ہے پھر دھیرے دھیرے سماج کے دوسرے افراد کے رابطے میں آتا ہے۔ جب بچے کی عمر تین، چار یا پانچ سال کی ہوتی ہے تو اسکول جانا شروع کر دیتا ہے اور اسکول میں اس کا سابقہ مختلف ہم عمر جماعت کے ساتھیوں سے پڑتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مختلف اساتذہ، نصاب اور اسکول کے بطور مجموعی ماحول سے پڑتا ہے۔ بڑھتے ہوئے عمر کے ساتھ ساتھ انسان کے ماحول کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جاتا ہے۔ اگر ہم باریک بینی سے مشاہدہ کریں تو شخصیت کا ہر پہلو ماحولیاتی اثرات کے زیر اثر پروان چڑھتا ہے خواہ وہ جسمانی فرق ہو۔ مثال کے طور پر کھان پان کا اثر، بچوں کی جسمانی نشوونما پر پڑتا ہے۔ اگر بچہ کو تمام لازمی لوازمات ملیں گے تو اس کی جسمانی نشوونما بھی بہتر ہوگی۔ اس کے برخلاف اگر ضرورت کے مطابق کھان پان نہیں ملا تو جسمانی نشوونما متاثر ہوگی اور بچہ کمزور و لاغر ہوجائے گا جس سے اس کی جسمانی کارکردگی پر منفی اثرات مرتب ہوں گے۔ اسی طرح شخصیت کے دوسرے پہلو مثلاً سوچ وفکر، رویہ، عادات واطوار، برتاؤ، دلچسپیاں، قابلیت، صلاحیت، پسندیدگی وناپسندیدگی وغیرہ کا تعین ماحول ہی کرتا ہے۔ اگر اوپر بیان کیے گئے اثرات مثبت ہوں گے تو بچے پر مثبت اثر ڈالیں گے اور اس کی شخصیت صحیح نہج پر پروان چڑھے گی۔ اگر یہ تمام عوامل منفی ہوں گے تو بچے پر منفی اثرات مرتب ہوں گے۔

اس طرح ہم بہ آسانی کہہ سکتے ہیں کہ انفرادی فرق کو متعین کرنے میں ماحول ایک اہم رول ادا کرتا ہے اور ماحول کی شروعات بچہ کے گھر سے ہوتی ہے۔ ایک بچہ اپنے والدین کے برتاؤ کو، رویوں کو اپنی شخصیت کا حصہ بناتا ہے اور اس کے اثرات زندگی بھر اس کے ساتھ رہتے ہیں۔ والدین اور دوسرے افرادِ خاندان کے بعد پڑوس، جماعت کے ساتھی، اساتذہ، مذہب، سماج، سیاست و میڈیا وغیرہ انفرادی فرق کا تعین کرتے ہیں۔

3.6 تعلیمی پروگرام کی تنظیم پر انفرادی فرق کے مضمرات

(Implications of Individual differences for Organizing Education Programmes)

درس و تدریس کے شعبہ میں انفرادی فرق کی بڑی اہمیت ہے۔ ہمیں یہ معلوم ہو چلا ہے کہ بچوں میں انفرادی فرق موجود ہوتا ہے جو کہ ذہنی صلاحیت، جسمانی صلاحیت، دلچسپیوں، رجحانات، رویوں و جذبات کے طور پر موجود ہوتا ہے۔ ہر ایک بچہ اپنے آپ میں انوکھا و منفرد ہوتا ہے۔ اس لیے تعلیمی پروگرام کو منظم کرنے میں، اس کی تربیت دینے میں نصاب کا انتخاب کرنے میں، طریقہ تدریس کو اپنانے میں طلبا کے اندر موجود انفرادی فرق کو ذہن میں رکھنا چاہیے۔ والدین اسکول اور اساتذہ پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ بچوں کے اندر موجود تفاوت یا فرق کو ذہن میں رکھیں اور اسی اعتبار سے تعلیمی میدان میں ان کی رہنمائی فرمائیں۔ اگر ہم تعلیمی پروگرام مرتب کرنے میں طلبا میں پائی جانے والے فرق کو ملحوظ خاطر رکھیں گے تو اس کے خاطر خواہ نتائج برآمد ہوں گے۔ تو آیئے ہم ان امور پر روشنی ڈالیں جو انفرادی فرق کے نقطۂ نظر سے کافی اہمیت کے حامل ہیں اور ہم والدین، اساتذہ اور تعلیمی میدان سے وابستہ تمام افراد و تنظیم سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ تعلیمی پرگرام مرتب کرتے وقت کن کن باتوں کا خیال و لحاظ رکھیں جس سے بچہ مستفید ہو اور وہ اپنی منفرد خصوصیات کے ساتھ تعلیم حاصل کرے جس سے اس کی ذاتی، گھریلو، سماجی، ملکی و قومی فلاح و بہبود ہو اور وہ ایک کامیاب انسان بن کر اپنے خاندان، سماج، ملک و قوم کا نام روشن کرے اور ہم اساتذہ اور اسکول کا سر فخر سے اونچا ہو۔ ہم حقیقی معنوں میں قوم کے معمار ہونے کا حق ادا کریں۔

تعلیم کے مقاصد کا تعین کرنے میں:

انفرادی فرد کی معلومات ہمارے لیے بے حد ضروری ہے۔ اس کی مدد سے ہم ایک مخصوص طالب علم، ایک مخصوص جماعت، ایک مخصوص سماج کے تعلیمی مقاصد کو طے کر سکتے ہیں اور اسی کے مطابق طلبا کی رہبری بھی کر سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک جماعت میں ذہنی صلاحیت کے اعتبار سے اعلیٰ ذہین، اوسط ذہین اور اوسط سے کم ذہین طلبا موجود ہوتے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح جب جماعت میں تبدیلی آتی ہے یعنی کہ تیسری جماعت، چوتھی جماعت، پانچویں جماعت وغیرہ۔ ان تمام جماعتوں کے تعلیمی مقاصد مختلف ہوں گے۔ یہی معاملہ سماج میں موجود فرق پر بھی لاگو ہوتا ہے۔ مشرقی سماج مغربی سماج سے مختلف ہوتا ہے۔ اسی طرح ترقی یافتہ سماج اور ترقی پذیر سماج اور پسماندہ سماج میں بھی فرق موجود ہوتا ہے۔ یہ تمام تفریق اس بات کے متقاضی ہیں کہ تعلیم کے مقاصد کو ان کی خصوصیات و ضروریات کے عین مطابق طے کیا جانا چاہیے۔

بہر کیف یہ تمام تفریق ہمیں تعلیم کے مقاصد کو متعین کرنے میں مدد فراہم کرتے ہیں اور ہم حسب ضرورت تعلیم کے مقاصد میں تبدیلی کرتے ہیں تا کہ خاطر خواہ نتائج برآمد کیے جا سکیں۔

نصاب کو تیار کرنے میں:

جب ہم تعلیم کے مقاصد کا تعین کر لیتے ہیں جو انفرادی فرق پر منحصر ہوتا ہے تو ہمارے لیے یہ بہت آسان ہو جاتا ہے کہ ہم نصاب کو تیار کر سکیں اور مناسب و موزوں عنوانات و مضامین کو شامل کر سکیں۔ چوں کہ ہر جماعت کا طالب علم ذہنی صلاحیتوں، دلچسپیوں اور رجحانات وغیرہ کے اعتبار سے ایک دوسرے سے منفرد ہوتا ہے۔ اسی لیے نصاب کی تدوین کرتے وقت ہمیں ان تمام تفریقات کو ذہن میں رکھنا چاہیے اور طلبا کی انفرادیت کے عین مطابق نصاب کی کثافت، طوالت، گہرائی و گیرائی کا تعین کرنا چاہیے۔ اکثر و بیشتر ایک جماعت میں تقریباً 70 فیصد بچے اوسط ذہین ہوتے ہیں، کچھ فیصد زیادہ ذہین بچوں کی ہوتی ہے اسی طرح کچھ فیصد بچوں کی اوسط سے کم ذہین ہوتی ہے۔ نصاب کو تشکیل دیتے وقت

ہمیں ان تفریق کو ذہن میں رکھنا چاہیے اور نصاب ایسا تیار کرنا چاہیے جس کا 70 فیصد اوسط ذہین بچوں کے لحاظ سے بقیہ زیادہ اور کم ذہین بچوں کے لحاظ سے ہونی چاہیے۔

طلبا کی درجہ بندی:

انفرادی فرق کی معلومات ایک معلم کو کمرۂ جماعت میں موجود مختلف طلبا کی مختلف بنیادوں پر درجہ بندی کرنے میں مددگار و معاون ثابت ہوتی ہے جس سے وہ اپنی تدریسی ذمہ داریوں کو بحسن و خوبی انجام دے سکتا ہے۔ یہ درجہ بندی ذہانت کی بنیاد پر کی جاسکتی ہے، دلچسپیوں کی بنیاد پر کی جاسکتی ہے، معلومات کی سطح کے لحاظ سے کی جاسکتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ فہم و ادراک کی صلاحیتوں کی بنیاد پر بھی کی جاسکتی ہے۔ جب ایک ہی ذہانت کے بچے ایک گروپ میں تعلیم حاصل کریں گے تو استاد کو اپنی مشکلات کی سطح طے کرنے میں، مواد کی طوالت کا تخمینہ کرنے میں آسانی ہوتی ہے جس سے کہ وہ تدریسی فرائض انجام دے سکے۔ انفرادی فرق کی معلومات کی مدد سے ایک معلم کامیابی کے ساتھ پڑھا سکتا ہے اور طلبا کو اکتساب کرنے میں بھی مدد ملتی ہے۔

مناسب طریقۂ تدریس کے انتخاب میں:

ہمیں یہ معلوم ہے کہ مختلف عمر کے بچوں کی ذہنی صلاحیتیں، دلچسپیاں، کارکردگی، رجحانات، پسندیدگی و ناپسندیدگی مختلف ہوتی ہیں۔ ابتدائی جماعت سے لے کر اعلیٰ جماعت تک کے طلبا کو ہم ایک طریقے سے تدریس نہیں دے سکتے۔ بلکہ اوپر بیان کیے گئے تمام امور کو ذہن میں رکھنا پڑے گا۔ مثال کے طور پر اگر ہم ابتدائی جماعت کے بچوں کو بیانیہ یا لکچر طریقۂ کار کی مدد سے پڑھانے لگیں تو یہ طریقہ ان کے معیار کے عین مطابق نہیں ہوگا اور درس و تدریس کامیاب نہیں ہوسکتی۔ ٹھیک اسی طرح اگر ہم اعلیٰ جماعت کے طلبا کو کہانی اور کھیل کھیل کے طریقے سے تدریس دیں گے تو یہ بھی مناسب نہیں۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جماعت اور عمر کے لحاظ سے طریقۂ تدریس کا انتخاب کرنا چاہیے اور طریقۂ تدریس میں طلبا کی مخصوص عمر کی دلچسپیوں کا بھی لحاظ و پاس رکھنا چاہیے۔ انفرادی فرق کی معلومات ایک معلم کو وقت اور حالات کے مطابق موثر و مناسب طریقۂ تدریس کے انتخاب میں معاون و مددگار ہوتی ہے۔

تدریسی وسائل کے انتخاب میں:

مختلف مضامین کی تدریس کو موثر اور دلچسپ بنانے کے لیے ایک لائق و فائق معلم مختلف تدریسی وسائل کا استعمال کرتا ہے جس میں ماڈل، چارٹ، سلائڈس، ریڈیو، ٹیلی ویژن و انٹرنیٹ خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔ تدریسی وسائل کا استعمال ہمیشہ طلبا کی ذہنی سطح و دلچسپیوں کے عین مطابق ہونے چاہیے۔ اس کے ساتھ ساتھ مضامین اور عنوانات کے لحاظ سے بھی وسائل وہی انتخاب کرنے چاہئیں جو کہ مناسب و موزوں ہوں۔ انفرادی فرق کی معلومات معلم کی رہبری کرتی ہیں کہ کون سا تدریسی وسیلہ کس وقت، کہاں اور کیسے استعمال کرنا ہے جس سے اس کو تدریسی فعل انجام دینے میں آسانی ہو۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ اس خاص عنوان یا موضوع کے تصورات کو سمجھانے میں مدد ملے۔ جیسا کہ ہم لوگوں کو معلوم ہے کہ کان سے سنی بات ہم بہت جلدی بھول جاتے ہیں لیکن آنکھ سے دیکھی چیزیں ہمیں دیر تک یاد رہتی ہیں۔ اس لیے اگر یہ تدریسی وسائل موزوں و مناسب ہیں تو مواد مضمون کو لائق فہم بنانے کی دلچسپی کا سامان بھی مہیا کرتی ہیں اور یہ معلم کے لیے تدریس میں اور طلبا کے لیے اکتساب میں یکساں طور پر مفید ثابت ہوتی ہیں۔

طلبا کو انفرادی طور پر خصوصی توجہ دینے میں:

اس سطح پر ہم بخوبی واقف ہو چکے ہیں کہ انفرادیت کے اعتبار سے ہر طالب علم انوکھا ہوتا ہے۔ لیکن کچھ طلبا والدین، اساتذہ اور تعلیمی

میدان میں سرگرم اراکین کے لیے خصوصی توجہ کے حامل ہوتے ہیں۔ اگر ایک کمرۂ جماعت میں غیر معمولی ذہین (اعلیٰ ذہین) بچہ ہے تو یقیناً اساتذہ کے خصوصی توجہ کا حامل ہے۔ ٹھیک اسی طرح ایک کند ذہن بچہ ہے تو وہ بھی خصوصی توجہ چاہتا ہے۔ اس لیے استاد کو یہ چاہیے کہ ایسے بچے جو عام بچوں سے جسمانی لحاظ سے، ذہنی لحاظ سے، جذباتی لحاظ سے اس قدر منفرد ہوں جن کو خصوصی توجہ درکار ہو تو وہ ان طالب علموں کو ان کی خوبیوں، ان کی خامیوں، ان کی مخصوص خصوصیات، ان کی مخصوص صلاحیتوں کا پاس ولحاظ رکھتے ہوئے تدریسی فعل انجام دیں۔ انفرادی فرق کی معلومات ایک معلم کو یہ مدد فراہم کرتی ہے کہ وہ مخصوص ضرورت کے حامل بچوں کی نشاندہی کرے اور اسی کے مطابق نصاب، طریقہ تدریس کو اپنائے جس سے ان بچوں کو خاطر خواہ فائدہ پہنچے اور وہ اساتذہ کے پڑھائے گئے مضامین اور طریقوں کو بہ آسانی سمجھ سکیں۔

طلبا کی استطاعت کے مطابق گھر کا کام تفویض کرنے میں:

مختلف جماعت، مختلف عمر کے بچوں میں جسمانی و ذہنی استطاعت بھی مختلف ہوتی ہے۔ اس لیے معلم کو یہ چاہیے کہ طلبا کی عمر، دلچسپی اور قابلیت وضرورت کے اعتبار سے گھر کا کام تفویض کرے۔ اگر ایک طالب علم اعلیٰ ذہین ہے تو اس کو زیادہ اور اس کی ذہانت کے مطابق گھر کا کام تفویض کرے۔ اسی طرح اگر کوئی طالب علم کند ذہن ہے تو نصاب اور کام آسان اور کم تفویض کرنا چاہیے۔ یہی خیال ہمیں جسمانی صحت کے لحاظ سے بھی رکھنی چاہیے۔ ایک بچہ اگر چست درست وفربہ ہے تو اس کو گھر کا کام اس بچے کی نسبت زیادہ دینا چاہیے جو ہمیشہ بیمار رہتا ہے۔ لہٰذا گھر کا کام طلبا کے جسمانی، ذہنی اور نفسیاتی حالات کے عین مطابق تفویض کرنا چاہیے۔ انفرادی فرق کی معلومات ایک معلم کو یہ طے کرنے میں مددگار ثابت ہوتی ہیں کہ کس بچے کو کتنا گھر کا کام تفویض کرنا ہے۔

طلبا کی رہنمائی میں:

بطور استاد ہمیں تدریس کے ساتھ ساتھ وقت اور حالات کے مطابق طلبا کی مناسب رہنمائی بھی کرنی چاہیے تاکہ وہ تعلیم کے میدان میں کسی بھی قسم کی پریشانی و دشواری سے دوچار نہ ہوں۔ تعلیمی مسائل کے ساتھ ساتھ طلبا کے ساتھ مختلف مسائل بھی جڑے ہوتے ہیں جو ان کے علمی سفر میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ ان میں خصوصیت کے ساتھ گھریلو مسائل، ذاتی مسائل، عمر کے مخصوص مسائل، جذباتی مسائل سماجی مسائل اہمیت کے حامل ہیں۔ انفرادی فرق کی معلومات ایک معلم کو طلبا کے مختلف مسائل کو سمجھنے وحل کرنے میں مددگار ومعاون ہوتی ہیں۔ جس سے کہ وہ مشاورت کے ذریعے طالب علموں کو اپنے مختلف مسائل کی یکسوئی کی راہ دکھا سکے۔

3.7 یاد رکھنے کے نکات (Points to Remember)

☆ افراد کے درمیان پائی جانے والی جسمانی، ذہنی، جذباتی، سماجی اور اخلاقی وغیرہ فرق کو ہی انفرادی فرق یا Individual Differences کہا جاتا ہے۔

☆ انفرادی فرق کی مختلف اقسام ہیں جن میں خصوصیت کے ساتھ جسمانی فرق، ذہنی فرق، جذباتی فرق، سماجی فرق، اخلاقی فرق، دلچسپیوں میں فرق، عادات واطوار میں فرق، تہذیب وتمدن میں فرق، اکتسابی فرق، خیالات، احساسات ومحسوسات میں فرق، تحصیل میں فرق، رویوں میں فرق، خاص اہلیتوں میں فرق اور شخصیت میں فرق اہمیت کے حامل ہیں۔

☆ کسی ایک ہی شخص کے اندر مختلف میدان میں پائی جانے والی صلاحیتوں، دلچسپیوں اور رجحانات میں جب فرق پایا جاتا ہے تو ہم

اسے دورنِ شخصی انفرادی فرق (Intra Individual Differences) کہتے ہیں۔

☆ کسی دو افراد میں پائی جانے والی صلاحیتوں، دلچسپیوں اور رجحانات وغیرہ کے مابین پائے جانے والا فرق بین شخصی انفرادی فرق (Inter Individual Differences) کہلاتے ہیں۔

☆ انفرادی فرق کو متعین کرنے میں دو عوامل خصوصیت کے ساتھ کارفرما ہوتے ہیں۔ پہلا توارث اور دوسرا ماحول۔ دونوں کی اہمیت اپنی اپنی جگہ مسلمہ ہے۔

☆ تعلیمی پروگرام کو مرتب کرنے میں انفرادی فرق کی معلومات درج ذیل امور میں مددگار و معاون ہوتی ہیں۔تعلیم کے مقاصد کو متعین کرنے میں، نصاب کو تیار کرنے میں، طلبا کی درجہ بندی کرنے میں، مناسب طریقۂ تدریس کے انتخاب میں، تدریسی وسائل کے انتخاب میں، طلبا پر انفرادی طور پر خصوصی توجہ دینے میں، استطاعت کے مطابق طلبا کو گھر کے کام تفویض کرنے میں اور طلبا کی رہنمائی کرنے میں۔

3.8 فرہنگ (Glossary)

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
تصورات	خیال، تخیل، منصوبہ، سوجھ	گفتار	بات چیت، کلام
صلاحیت	لیاقت، سمجھ	انفرادی	ذاتی، شخصی، کسی ایک سے متعلق
تنظیم	کسی جماعت کا نظام	اقسام	قسم کی جمع، مختلف شاخیں
متعین	مقرر کیا گیا، کسی کام پر لگایا گیا	درون	اندر کا، روح، قلب

3.9 اکائی کے اختتام کی سرگرمیاں (Unit End Activities)

معروضی جوابات کے حامل سوالات:

1 انفرادی فرق سے مراد ہے

(a) جسمانی فرق (b) ذہنی فرق

(c) معاشی فرق (d) a اور b دونوں

2 درونِ شخصی فرق سے مراد ہے

(a) ایک فرد کی صلاحیتوں میں فرق (b) دو افراد کی صلاحیتوں میں فرق

(c) تین افراد کی صلاحیتوں میں فرق (d) کثیر افراد کی صلاحیتوں میں فرق

3 درج ذیل میں کون سی کیفیت جذباتی ہے؟

(a) غصہ کی حالت (b) ہنسنے کی حالت

(c) رونے کی حالت (d) ان میں سے سبھی

4 انفرادی فرق کے وجوہات ہیں۔

(a) توارث (b) ماحول

(c) سماج (d) a اور b

مختصر جوابات کے حامل سوالات؛

(1) انفرادی فرق کے مفہوم کو مختلف تعریفوں کی مدد سے واضح کیجیے۔

(2) درونِ شخصی اور بین شخصی انفرادی فرق کے تصور کو مثالوں کی مدد سے سمجھایئے۔

(3) انفرادی فرق کے تعین میں توارث کے رول کو بیان کیجیے۔

(4) انفرادی فرق کے تعین میں مختلف ماحولیاتی اثرات کا جائزہ لیجیے۔

(5) تعلیمی تنظیم میں انفرادی فرق کی معلومات کس طرح معاون و مددگار ثابت ہوتی ہیں؟

طویل جوابات کے حامل سوالات؛

(1) انفرادی فرق کے تصور کو تفصیل کے ساتھ بیان کیجیے۔

(2) ''ایک فرد اپنے آپ میں انوکھا ہے''—— مثالوں کے ذریعے سمجھایئے۔

(3) انفرادی فرق کو متعین کرنے والے مختلف عوامل کا تفصیلی جائزہ پیش کیجیے۔

(4) ایک معلم کے لیے طلبا میں پائے جانے والے ''انفرادی فرق'' کی معلومات کیوں لازمی ہے؟ تفصیل سے لکھئے۔

3.10 تجویز کردہ مواد (Suggested Readings)

1 شریف خان (2004)، جدید تعلیمی نفسیات، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ

2 ڈاکٹر آفاق ندیم، سید معاذ حسین (2014)، تعلیمی نفسیات کے پہلو، ایجوکیشن بک ہاؤس، علی گڑھ

3 مسرت زمانی (2001)، تعلیمی نفسیات کے نئے زاویے، ایجوکیشن بک ہاؤس، علی گڑھ

5 Mangal S.K. (1991), Educational Prychology, Prakash Brothers Educational Publisher, Ludhiana

6 Chauhan, S.S (1995), Advanced Educational Prychology, Vikas Publishing Home Pvt. Ltf. New Delhi

اکائی 4۔ متعلم کی شخصیت اور اس کا اندازۂ قدر

(Personality of Learner and its Assesment)

اکائی کے اجزا؛

4.1 تمہید(Introduction)

4.2 مقاصد(Objectives)

4.3 شخصیت(Personality)

4.3.1 شخصیت کا تصور(Concept of Personality)

4.3.2 شخصیت کی نوعیت(Nature of Personality)

4.3.3 شخصیت کی اقسام(Types of Personality)

4.3.4 طرز/ وضع پر مبنی طرز رسائی(Type Approach)

4.3.4.1 آیورویدک تقسیم(Classic Indian Classification)

4.3.4.2 یونانی درجہ بندی(Hippocrates Classification)

4.3.4.3 کریشمر کی درجہ بندی

4.3.4.4 شیلڈن کی درجہ بندی(Sheldon's Classification)

4.3.4.5 ینگ کی درجہ بندی(Jung's Classification)

4.3.5 اوصاف پر مبنی درجہ بندی(Trait Approach of classification)

4.3.5.1 آل پورٹ کی اوصاف پر مبنی طرز رسائی

4.3.5.2 کیٹل کی اوصاف پر مبنی طرز رسائی

4.4 شخصیت کو اثر انداز کرنے والے عوامل: توارث و ماحول

4.4.1 توارث(Heredity)

4.4.2 ماحول(Environment)

4.4.3 پرورش کے طریقے(Rearing Patterns)

4.4.4 باقاعدگی(Regularity)

4.4.5 والدین اور بچے کے درمیان تعلقات وتعامل(Parent-child interaction and Relations)

4.5 مربوط شخصیت کی نشوونما(Development of Integrated Personality)

4.5.1 مربوط اور ہمہ جہت شخصیت

4.5.2 مربوط شخصیت کی خصوصیات

4.5.3 مربوط شخصیت کی اہمیت

4.6 شخصیت کی جانچ(Personality Test)

4.6.1 اظلالی تکنیک(Projective Technique)

4.6.1.1 رورشاک کا سیاہی کا دھبہ (Rorschach Inkblot test)

4.6.1.2 موضوعی۔ادرا کی جانچ(Thematic Apperception Test)

4.6.1.3 بچوں کے لیے موضوعاتی ادار کی جانچ(Children Apperception Test)

4.6.2 غیر اظلالی تکنیک(Non-Projectice Techniques)

4.6.2.1 مشاہداتی طریقہ کار(Observation Method)

4.6.2.2 سوالنامہ(Questionnaire)

4.6.2.3 انٹرویو(Interview)

4.6.2.4 درجہ پیمائی(Rating Scale)

4.6.2.5 چیک لسٹ(Check List)

4.6.2.6 رویہ کا پیمانہ(Attitude Scale)

4.6.2.7 واقعاتی ریکارڈ(Anecdotal Record)

4.7 یادرکھنے کے نکات(Points to remember)

4.8 فرہنگ(Glossary)

4.9 اکائی کے اختتام کی سرگرمیاں(Unit End Activities)

4.10 تجویز کردہ مواد(Suggested Readings)

4.1 تمہید(Introduction)

ایک معلم کا رابطہ بیک وقت مختلف طلبا سے رہتا ہے اور ہر طالب علم اپنے آپ میں یگانہ ہوتا ہے۔معلم کا کام طالب علم کی ہمہ جہت شخصیت کی نشو ونما کرنا ہوتا ہے۔جس کے لیے معلم کو شخصیت کے تصور سے واقفیت ہونا ضروری ہے۔پیش نظر اکائی میں شخصیت سے کیا مراد ہے اس کو واضح کیا جایے گا۔اس کے علاوہ شخصیت کی نوعیت کیا ہے اور شخصیت کے کون کون سی اقسام ہیں،ان کی بھی وضاحت کی جایے گی۔شخصیت کو اثر انداز کرنے والے عوامل کا تجزیہ کیا جائے گا۔اس میں خاص طور سے توارث اور ماحول پر مدلل بحث کی جائے گی۔شخصیت کی نشو ونما میں توارث اور ماحول کا کیا رول ہے۔اس کی بھی وضاحت کی جایے گی۔دیگر شخصیت کی جانچ کیسے کی جاتی ہے اور اس کے لیے کون کون سی تکنیکیں یا طریقۂ کار ہیں،ان کا بھی مفصل تذکرہ کیا جایے گا۔

4.2 مقاصد(Objectives)

اس اکائی مطالعے کے بعد آپ کو اس اہل ہو جانا چاہیے کہ آپ:

- ☆ شخصیت کے تصور و نوعیت کو واضح کر سکیں۔شخصیت پر اثر انداز ہونے والے عوامل کو بیان کر سکیں۔
- ☆ توارث اور ماحول کے شخصیت پر اثر انداز ہونے کی نوعیت بیان کر سکیں۔
- ☆ ایک مربوط شخصیت پر مدلل بحث کر سکیں۔
- ☆ شخصیت کو جانچنے کے طریقۂ کار کی فہرست سازی کر سکیں۔
- ☆ اظلالی اور غیر اظلالی تکنیکوں کے درمیان فرق واضح کر سکیں۔
- ☆ اظلالی تکنیکوں کی اہمیت بتا سکیں۔

4.3 شخصیت(Personality)

4.3.1 شخصیت کا تصور(Concept of Personality)

تعلیمی نفسیات مطالعے میں شخصیت ایک دلچسپ موضوع کی حیثیت کا حامل ہے۔اس لفظ کو لوگ بڑی بے تکلفی سے عام زبان میں استعمال کرتے ہیں لیکن اس سے کیا مراد ہے مشکل سے ہی کوئی بیان کر سکتا ہے۔لوگوں کے ذہنوں میں ایک مبہم سا فہم رہتا ہے۔مثلاً دلکش شخصیت،رعبدار شخصیت،با اثر شخصیت،دلآویز شخصیت وغیرہ۔اس طرح کے الفاظ روزمرہ کی زندگی میں سننے کو ملتے ہیں۔تعجب کی بات تو یہ ہے کہ کہنے سننے والے وضاحت کا بھی اصرار نہیں کرتے۔ٹھیک یہی صورت حال ماہرین نفسیات کی ہے۔

شخصیت انگریزی لفظ Personality کا اردو ترجمہ ہے۔اور Personality لاطینی زبان Persona سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے نقاب یا ماسک۔دراصل اسٹیج پر اداکاری کے دوران اداکار جس کا رول نبھاتے تھے اس کا ماسک اپنے چہرے پر لگا لیا کرتے تھے۔یعنی ماسک پہن کر اس کی شخصیت کو اپنا لیا کرتے تھے۔یعنی لغوی معنوں میں دیکھیں تو شخصیت کو باہری یا ظاہری معنوں میں لیا گیا ہے۔لیکن وقت

گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کو وسیع تر معنوں میں استعمال کیا جانے لگا۔جس میں ظاہری اور باطنی تمام خصوصیات کی شمولیت کی گئی۔یعنی کسی شخص کی وہ مخصوص خوبیاں اور صفات جن کا اظہار وہ مختلف موقعوں پر اپنے کردار وافعال کے ذریعے کرتا ہے وہ اس کی شخصیت کا آئینہ دار ہوتی ہیں۔

شخصیت کی تعریف مختلف ماہرین نفسیات نے مختلف انداز میں کی۔کسی نے ظاہری پہلوؤں پر زیادہ زور دیا تو کسی نے باطنی پہلوؤں کو اہم مانا۔ان تمام تعریفات کا تجزیہ کر کے آل پورٹ (Allport) نے شخصیت کی ایک تعریف دی جو کہ اب تک سب سے جامع تعریف مانی جاتی ہے۔

''شخصیت فرد کے نفسی وطبعی وصف کا وہ متحرک نظام ہے جو کہ فرد کا اس کے ماحول کے ساتھ منفرد مطابقت کو متعین کرتا ہے۔''

(Allport1937)

شخصیت کی آل پورٹ کے ذریعے دی گئی تعریف کافی مقبول رہی اور اس کو شخصیت کی جامع تعریف مانا گیا۔حال ہی میں والٹر مشیل (Walter Mischel 1981) نے شخصیت کی تعریف دیتے ہوئے لکھا کہ ''عام طور پر شخصیت سے مراد برتاؤ یا طرز عمل کے اس مخصوص طرز (جس میں فکر وجذبات شامل ہیں) سے ہوتا ہے جو ہر فرد کی زندگی کے ساتھ ہونے والی مطابقت کو متعین کرتا ہے۔''

اوپر دی گئی تعریفات کا تجزیہ کرنے پر شخصیت کا معنی اور مفہوم بالکل واضح ہوجاتا ہے یعنی شخصیت ایسا نظام ہے جس میں طبعی اور نفسی دونوں ہی پہلو شامل ہوتے ہیں۔اس میں ایسے عناصر کی شمولیت ہوتی ہے جو آپس میں تعامل کرتے ہیں جس میں وصف، جذبات، عادات، وقوفی، کردار وغیرہ شامل ہیں۔

متحرک نظام سے مراد ہے کہ یہ نظام تغیر پذیر ہے یعنی شخصیت کے وصف، عادات، وقت وحالات کے ساتھ تبدیلی رونما ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر ایک انسان جو بہت بزدل اور ڈرپوک ہو لیکن کچھ لوگوں نے اس کے تمام گھر والوں کو بے رحمی سے قتل کردیا ہو تو اس تکلیف کا بدلا لینے کے لیے وہ جارح ہوجاتا ہے۔اس کی شخصیت کے وصف میں تغیر وتبدیلی ممکن ہے۔اس لیے اس کو متحرک نظام سے موسوم کیا گیا ہے۔

منفرد مطابقت سے مراد ہے کہ ہر انسان کے مطابقت کرنے کا انداز یگانہ ہوتا ہے۔حالات یکساں ہونے پر بھی مختلف افراد کا برتاؤ ایک جیسا نہیں ہوتا ہے اور حالات سے مطابقت بھی انسان کے وصف، جذباتی حالت سے متعین ہوتی ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ شخصیت مختلف اوصاف کا وہ متحرک نظام ہے جس کی وجہ سے فرد کا برتاؤ اور فکر وخیالات کسی بھی ماحول میں اپنے طریقے سے منفرد ویگانہ ہوتا ہے۔

4.3.2 شخصیت کی نوعیت (Nature of Personality)

نیوکومب (New Comb) نے شخصیت کی نوعیت کو اس طرح بیان کیا ہے کہ شخصیت یگانہ ہوتی ہے۔کسی بھی دو انسانوں کی شخصیت ایک جیسی نہیں ہوسکتی ہے۔یہ ایک کثیر الجہت تصور ہے۔اس میں اس کی خداداد صلاحتیں اور حاصل کردہ خصوصیات شامل ہوتی ہیں۔اور مختلف خوبیوں اور اہلیتوں کی شخصیت ایک منظّم تخلیق ہے۔کسی فرد کی جیسی بھی شخصیت ہوتی ہے اس کو بنانے میں اس کا توارث یعنی آبا واجداد سے ملی ہوئی خصوصیات اور ماحول دونوں کا اہم رول ہوتا ہے۔یعنی شخصیت کو متعین کرنے میں دونوں ایک اہم کردار نبھاتے ہیں۔شخصیت میں پیدائش سے لے کر موت تک تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔یہ تبدیلی کبھی تغیراتی انداز میں ہوتی ہے اور کبھی آہستہ آہستہ ہوتی ہے۔لیکن وقت وحالات کے

ساتھ تبدیلی لگاتار رونما ہوتی رہتی ہے۔

4.3.3 شخصیت کی اقسام(Types of Personality)

فرد کی شخصی خصوصیات کی بنیاد پر شخصیت کو منقسم کیا گیا ہے۔اس کے ذریعے ہم لوگوں کی ان کی خصوصیات کی بنیاد پر درجہ بندی کر سکتے ہیں۔ یہ درجہ بندی مندرجہ ذیل ہے:

(i) طرز/ وضع پر مبنی طرز رسائی(Type Approach)

(ii) اوصاف پر مبنی طرز رسائی(Trait Approach)

4.3.4 طرز/ وضع پر مبنی طرز رسائی(Type Approach)

اس میں یونانی، آیورویدک، کریشمر اور شیلڈن کے نظریات شامل ہیں۔انہوں نے پایا کہ ہر انسان کو اس کی وضع کے لحاظ سے درجہ بند کیا جاسکتا ہے۔

4.3.4.1 آیورویدک تقسیم:

یہ درجہ بندی قدیم ہندوستان کے ویدیعنی معالجوں نے تمام انسانوں کو ان کے جسمانی عناصر کی بنیاد پر تین طرز پر تقسیم کیا ہے۔

1۔ وات(Vatt) ... Wind

2۔ پت(Pitt) ... Bile

3۔ کف(Kaff) ... Mucus

وات مزاج کے لوگوں کی جسمانی خصوصیات:

وات(Vatt)مزاج کے لوگ کمزور جسم کے مالک ہوتے ہیں۔چھوٹی آنکھیں، گہرے رنگ کے بال،خشک جلد کے مالک اور اکثر ہڈیوں میں درد کے شکار ہوتے ہیں۔

شخصی خصوصیات: یہ لوگ بے چین مگر ذہنی اعتبار سے چست، جذباتی طور پر غیر محفوظ، غیر فیصلہ کن، حافظے کے کمزور تذبذب کے شکار، غمگین اور بیچارگی کے احساس،تنہائی پسند، باغی اور پرکشش ہوتے ہیں۔

پت مزاج کے لوگوں کی جسمانی خصوصیات:

پت مزاج کے لوگ اوسط جسم کے مالک ہوتے ہیں۔ چہرہ شاداب ہوتا ہے۔ بال جلدی سفید ہوجاتے ہیں اور اکثر جھڑ جاتے ہیں۔ ترچھی آنکھوں کے مالک ہوتے ہیں۔

شخصی خصوصیات: حساس اور جذباتی لگاؤ رکھنے والے ہوتے ہیں۔ ذہین اور ذکی ہوتے ہیں۔اچھے لیڈر ثابت ہوتے ہیں۔کھیل اور شکار کے شوقین ہوتے ہیں۔زندگی سے بھر پور اور پرلطف ہوتے ہیں۔

کف مزاج کے لوگوں کی جسمانی خصوصیات:

ہڈیاں بڑی ہوتی ہیں۔ اکثر وزن زیادہ ہوتا ہے۔ بال گھنگھرالے اور آنکھیں بڑی ہوتی ہیں۔ سست ہوتے ہیں اور اکثر زکام کے مریض ہوتے ہیں۔

شخصی خصوصیات: نیند بہت زیادہ آتی ہے۔ بولنے میں واضح اور مدلل ہوتے ہیں۔ پرسکون اور وفادار ہوتے ہیں۔

4.3.4.2 یونانی درجہ بندی(Hippocrates Classification):

یونانی حکما نے شخصیت کی چار اقسام بتائے۔ خونی، بادی، بلغم، سودا۔

1۔ خونی (Blood) مزاج کے لوگ خوش مزاج، پر امید اور خوش مزاج ہوتے ہیں۔

2۔ بادی مزاج کے لوگ چڑ چڑے، بد مزاج اور تصوراتی دنیا میں رہنے والے ہوتے ہیں۔

3۔ بلغمی مزاج کے لوگ سست، سرد مزاج اور اپنی ذات میں مگن رہنے والے ہوتے ہیں۔

4۔ سودا مزاج کے افراد غمگین، دکھی، پریشان اور بد اندیش ہوتے ہیں۔

4.3.4.3 کریشمر کی درجہ بندی:

کریشمر نے تمام بنی نوع انسان کو اپنی جسمانی خصوصیات کی بنیاد پر کچھ مخصوص شخصی خصوصیات کے ساتھ مربوط کیا ہے۔

1۔ گداز یا فربہ اندام (Pyknic type) ایسے لوگ ملنسار، خوش مزاج، آرام پسند ہوتے ہیں۔

2۔ کسرتی بدن والے (Athletic type) ایسے لوگ پرزور، ہم آہنگ، اور خوش آئند مزاج کے ہوتے ہیں۔

3۔ پتلے اور لاغر (Leptosomatic type) ایسے لوگ ناامید، شرمیلے، خود میں مگن رہنے والے اور حساس ہوتے ہیں۔

4.3.4.4 شیلڈن کی درجہ بندی(Sheldon's classification):

کریشمر ہی کی طرح شیلڈن نے بھی انسانوں کی ان کی جسمانی ساخت کے مطابق کچھ شخصی خصوصیات کے تحت درجہ بندی کی۔

1۔ Endomorphic ایسے لوگ زندگی کو آسانی سے گزارنے والے، ملنسار، خوش آئند اور مشفق ہوتے ہیں۔ ان میں کریشمر کے ذریعے بتایے گیے پکنک (Pyknic) سے کافی مشابہت نظر آتی ہے۔

2۔ Mesomorphic۔ ایسے لوگ کسرتی بدن کے مالک جسمانی سرگرمیوں کے لیے ہر وقت آمادہ، خطرات اور مہم جوئی کے لیے ہر وقت تیار رہنے والے ہوتے ہیں۔

3۔ Ectomorphic۔ ایسے لوگ کمزوری و لاغر جسم کے مالک ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ خود میں مگن رہنے والے، غمگین اور بے چارگی کا شکار ہوتے ہیں۔

4.3.4.5 ینگ کی درجہ بندی(Jung's classification):

ینگ نے شخصیت کی دو اہم اقسام بتائیں۔

1۔ بیرون بین (Extrovert): بیرون بین شخصیت کے مالک وہ ہوتے ہیں جو سماجی کاموں میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ بے جھجھک اپنے بارے میں دوسروں سے بات کرتے ہیں۔ تنہائی میں رہنا ان کو بالکل پسند نہیں ہوتا ہے۔ بہت جلد دوسروں کو اپنا دوست بنا لیتے ہیں۔

2۔ اندرون بین (Introvert): اندرون بین شخصیت کے مالک وہ لوگ ہوتے ہیں جو دوسرے لوگوں سے ملنے جلنے کے مقابلہ میں

اپنے خیالات میں گم رہنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ یہ عموماً اپنے بارے میں رازداری سے کام لیتے ہیں۔تنہائی پسند ہوتے ہیں اور مجلسی زندگی میں گھٹن محسوس کرتے ہیں۔

4.3.5 اوصاف پر مبنی درجہ بندی؛

وصف شخصیت کی کسی ایسی نمایاں خصوصیت کو کہتے ہیں جو کہ افراد کی نشاندہی کرنے اور ایک دوسرے سے الگ کرنے میں مددگار ہوتے ہیں۔یعنی وصف کسی شخص کی نمایاں اور پائیدار خصوصیت کا نام ہے۔اس طرز رسائی کے اہم نام آل پورٹ اور کیٹل ہیں۔

4.3.5.1 آل پورٹ کی اوصاف پر مبنی طرز رسائی:

آل پورٹ کے مطابق وصف ہماری شخصیت کی ساخت کی بنیادی اکائی ہوتی ہے۔انہوں نے انسانی طرز عمل میں نظر آنے والی ان بنیادی اکائیوں کی نشاندہی کرنے کی کوشش کی اور 17953,وصف کی نشاندہی کی۔ تجزیہ اور تالیف کرنے کے بعد 4,541 وصف کو انہوں نے ''تین اہم درجات''میں تقسیم کیا جو مندرجہ ذیل ہیں:

اصلی وصف	Cardinal Traits
مرکزی وصف	Central Traits
ثانوی وصف	Secondary Traits

1۔ اصلی اوصاف(Cardinal Traits):اصلی وصف فرد کی شخصیت کا سب سے سرگرم اور غالب وصف ہوتا ہے۔حالانکہ یہ ایک یا دو ہی اوصاف ہوتے ہیں مگر یہ اپنی نمایاں خصوصیات کی بنیاد پر شخصیت کو ایک رنگ دیتے ہیں۔مثال کے طور پر کسی شخص کا اصلی وصف مزاح ہے تو ہر بات میں وہ وصف غالب رہتا ہے۔یہ وصف ہر حالت میں کسی نہ کسی طرح ظاہر ہوتا ہے۔

2۔ مرکزی اوصاف(Central Traits): مرکزی اوصاف وہ اوصاف ہوتے ہیں جو عام طور پر شخصیت میں نظر آتے رہتے ہیں۔یہ سات یا آٹھ اوصاف کسی بھی شخصیت کی نشاندہی کرنے کے لیے کافی ہوتے ہیں۔مثال کے طور پر ایمانداری، بزدلی،شرمیلا پن، جارحیت وغیرہ۔

3۔ ثانوی وصف(Secondary Traits): یہ وہ وصف ہوتے ہیں جو شخصیت میں ایک ثانوی یا برائے نام کردار ادا کرتے ہیں۔یہ شخصیت کا اہم حصہ ہوتے ہیں اسی لیے یہ کبھی کبھی موقع محل کے لحاظ سے نظر آتے ہیں۔مثال کے طور پر لالچ،خودغرضی۔جب انسان کے ساتھ کچھ بڑے معاملات ہوتے ہیں تبھی ایسے وصف نظر آتے ہیں۔

4.3.5.2 کیٹل کی اوصاف پر مبنی طرز رسائی:

کیٹل نے آل پورٹ کے ذریعے دی گئی اس طرز رسائی کو آگے بڑھایا۔انہوں نے 1956 میں تقریباً 4ہزار اوصاف کی نشاندہی کی جس کو انہوں نے کم کر کے 171 پر لاکر سمیٹ دیا۔اگلے قدم میں انہوں نے یہ جاننے کی کوشش کی کہ ان کا آپس میں کیا ہم رشتگی ہے اور مطالعہ کے بعد یہ پایا کہ ہر وصف کا دوسرے وصف کے ساتھ کسی نہ کسی طرح کی ہم رشتگی پائی جارہی ہے۔اسی کی بنیاد پر انہوں نے اوصاف کو 4 نمایاں حصوں میں تقسیم کیا۔

1۔ عام وصف (Common Trait)

2۔ یگانہ وصف (Unique Trait)

3۔ سطحی وصف (Surface Trait)

4۔ منبع وصف (Source Trait)

1۔ عام وصف: وہ وصف ہوتے ہیں جو کم وبیش تمام افراد میں پائے جاتے ہیں۔ جیسے غصہ، تعاون کا جذبہ اور ہمدردی وغیرہ۔ یعنی دنیا میں کوئی شخص ایسا نہیں ہوگا جس کو غصہ نہ آیا ہو۔ لیکن مختلف افراد میں اس کے ظہور پذیر ہونے کے مواقع مختلف ہوتے ہیں یعنی کسی کو چھوٹی چھوٹی باتوں میں غصہ آجاتا ہے اور دوسرے افراد کو نہیں آتا ہے۔

2۔ یگانہ وصف: یگانہ وصف وہ ہوتے ہیں جو فرد کو دوسرے لوگوں میں ممتاز بنادیتے ہیں۔ جسے جذباتی ردعمل یعنی کچھ افراد ایسے ہوتے ہیں جو حالات کے لحاظ سے یا تو بہت تیزی سے جذباتی ردعمل دیتے ہیں یا کچھ لوگ جذبات سے عاری ہوتے ہیں یا پھر جذبات کو دبانے کا ہنر ان میں یگانہ طور پر پایا جاتا ہے۔ اور یہی وہ وصف ہے جو انہیں بھیڑ سے الگ کرتا ہے یا یگانہ بناتا ہے۔

3۔ سطحی وصف: یہ ایک ایسا وصف ہوتا ہے جو آسانی سے پہچانا جاسکتا ہے۔ یہ شخصیت میں عام طور پر نظر آہی جاتا ہے۔ یعنی یہ شخصیت کی سطح پر ہی موجود ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر تجسس، بھروسہ مندی وغیرہ۔

4۔ منبع وصف: یہ وہ وصف ہوتے ہیں جو انسان کی شخصیت کو طے کرتے ہیں اور یہ مختلف حالات میں کسی شخص کے طرز عمل کے پیشن گوئی کرسکتے ہیں۔ یہ شخصیت کو ایک رنگ دیتے ہیں اور کہیں نہ کہیں فرد کے ہر طرز عمل میں غالب کردار ادا کرتے ہیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ شخصیت کو متعین کرنے والے کچھ اوصاف ہوتے ہیں جو کسی انسان کی شخصیت کو یگانہ رنگ دیتے ہیں اور انہیں سے سماج میں اس کی پہچان بنتی ہے۔

4.4 شخصیت کو اثر انداز کرنے والے عوامل: توارث و ماحول

(Factors Influencing Personality: Heredity and Environment)

انسان کی شخصیت اس کے توارثی اور ثقافتی ماحول کا ایک تحفہ ہے۔ قرار حمل کے ہوتے ہی کسی فرد کی شخصیت کا نشو ونما ایک مجموعی شکل میں ہوتا ہے۔ یعنی اس بات کے قوی امکانات ہوتے ہیں کہ جب بچہ اس دنیا میں قدم رکھے گا تو وہ ایک فعال، بات کرنے والا، عاقل، حساس انسان کی شکل میں ہوگا۔ اور ماحول اس کو موزوں حالات فراہم کرے گا جو اس کی شخصیت کی نشو ونما میں نمایاں کردار ادا کرے گے۔ یعنی شخصیت کی نشو ونما پر اثر انداز ہونے والے عوامل میں توارث اور ماحول کا اہم رول ہے۔

4.4.1 توارث (Heredity):

توارث سے مراد ان عوامل سے ہے جو کسی بچے میں جبلی اور خلقی طور پر اس کی ماں کے پیٹ میں نطفہ ٹھہرنے کے فوراً بعد موجود ہوتے ہیں۔ معلم کو اگر شخصیت کو بہتر طریقے سے سمجھنا ہے تو توارث اور اس کے پیچیدہ حقائق کا مطالعہ کرنا بھی ضروری ہے۔ توارث سائنس کا ایک ایسا

شعبہ ہے جو جانداروں پر توارث کے اثرات کی مخصوص تفصیل پیش کرتا ہے۔ بنیادی طور پر ہمیں ایک مخصوص ساخت سے متعلق ایک رجحان اور ایک مخصوص طریقے پر کام کرنے کا رجحان ورثے میں ملتا ہے۔ مثال کے طور پر جسم کا مخصوص وزن حاصل کرنے کا رجحان، جسم کی ساخت، مٹاپے کا تناسب، عضلائی خلیوں کا سلسلہ، اعضا کی لمبائی، کھال، بالوں کا رنگ، آنکھوں کی بناوٹ و رنگ، چہرے کی بناوٹ، جسم کے تناسب میں دل اور پھیپھڑوں کا سائز۔ یہ تمام عوامل ہمارے ورثہ سے طے ہوتا ہے۔ یعنی کسی بچہ کا رنگ اس کی جسمانی ساخت، اس کی آنکھوں اور کھال کا رنگ کیسا ہوگا یہ اس کے والدین اور آباواجداد سے اس کو ورثہ میں ملتا ہے۔ یعنی شخصیت کی ظاہری ساخت انسان کو عام طور سے اپنے والدین سے ورثہ میں ملتی ہے۔ اس کے علاوہ کچھ معنوں میں عضلائی نظام کا کام، فہم وفراست، جنسی صلاحیت، بصارت کی قوت، نشوونما کے نظام کا عمل یعنی دل اور دوران خون کا نظام، افزائش نسل کا نظام، جسمانی نشوونما کی طرز وشرح وغیرہ بھی ہمیں توارث میں ملتا ہے۔ توارث کا شخصیت پر کیا اثر پڑتا ہے اس سلسلے میں کافی تحقیقات کی گئی ہیں جس میں فری مین، گوڈارڈ اور ڈگڈل (Freeman, Goddard and Dugdal) نے اہم تحقیقات کی ہیں۔ فرانسس گالٹن (Francis Galton) کا بھی ایک اہم توارث داں کے طور پر نام لیا جاتا رہا ہے۔ انہوں نے اپنی تحقیقات کی بنیاد پر یہ بات واضح کی کہ توارث شخصیت کو متاثر اور متعین کرنے والا ایک اہم عنصر ہے۔ اسی میں ایک دلچسپ تحقیق گوڈارڈ نے کی۔ انہوں نے ایک فوجی پر مطالعہ کیا جس نے دو شادیاں کیں جن میں سے ایک بیوی ذہنی طور پر کمزور تھی اور دوسری نارمل تھی۔ کمزور ذہن والی بیوی سے آگے چلنے والی نسل کے 480 افراد میں سے انہوں نے صرف 46 کو ہی نارمل پایا۔ جب کہ نارمل بیوی سے چلنے والی نسل میں 496 افراد نارمل پائے گئے۔ انہوں نے اس بات کی وکالت کی کہ آگے آنے والی نسل کی شخصیت کس قسم کی ہوگی وہ ماں باپ اور آباواجداد کی شخصیت پر منحصر کرتا ہے۔

4.4.2 ماحول (Environment)

ماحول سے مراد وہ تمام چیزیں ہیں جو خارجی طور پر افراد کی نشوونما کو متاثر کرتی ہیں۔ ماحول بچے کے مزاج، رویہ، جسمانی اور ذہنی صحت، اخلاق و کردار پر گہرے اثرات مرتب کرتا ہے۔ ماحول اور اچھی تربیت بچے کی شخصیت پر مثبت اثرات مرتب کرتے ہیں اور ان کے کرادر میں تغیر لاتے ہیں۔ ان کو معاشرتی مطابقت کے قابل بناتے ہیں۔ ماحول نہ صرف شخصیت کی تکمیل میں اہم کردار ادا کرتا ہے بلکہ مخصوص تہذیب وتمدن کا انسان کے اخلاق، اطوار اور رجانات وغیرہ پر بھی گہرا اثر ڈالتا ہے۔ پیدائش کے وقت بچہ کو اپنے معاشرے کے پسندیدہ کرداری نمونوں کا شعور نہیں ہوتا ہے لیکن دھیرے دھیرے وہ ماحول کے مطابق سیکھتا ہے۔ یہ بھی تحقیقات میں دیکھا گیا ہے کہ پسماندہ علاقوں کے نامناسب ماحول سے بچے اپنی صلاحیتوں کا مناسب استعمال نہیں کر پاتے ہیں اور ان کی صلاحیتیں دب کر رہ جاتی ہیں جس سے ان کی شخصیت متاثر ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ کچھ ایسے ماحولیاتی عوامل ہیں جو کہ بچے کی شخصیت کو متاثر و متعین کرتے ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

4.4.3 پرورش کے طریقے (Rearing Patterns)

شخصیت کی نشوونما میں حیاتی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے ایک ماں اور بچے کے درمیان ہونے والا تعامل (Interaction) ایک

اہم کردار ادا کرتا ہے۔ مناسب دیکھ بھال اور شفقت و والہانہ لگاؤ بچے کے اندر تحفظ کا احساس پیدا کرتا ہے۔ اس کے علاوہ بچے کی ٹائلٹ ٹریننگ کیسے کی جارہی ہے اس میں شدت ہے یا لاپرواہی ہے۔ یہ بچے کی شخصیت کو ایک بنیاد فراہم کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں ایرک ایرکسن (Erickson) کی تحقیقات نمایاں حیثیت کی حامل ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ اگر ٹائلٹ ٹریننگ میں لاپرواہی کی جائے تو بچہ کی شخصیت غیر منظّم اور شکی، کنجوس ہوگی۔ اگر اس میں شدت برتی جائے تو شخصیت میں سختی اور rigidity ہوگی۔ بچے کی پرورش کس ماحول میں کی جارہی ہے، اس سے اس کی شخصیت متعین ہوتی ہے۔

4.4.4 باقاعدگی (Regularity)

دودھ پلانے اور غذا دینے کا باقاعدہ عمل بچے میں بنیادی اعتماد پیدا کرتا ہے لیکن اگر یہ عمل بے قاعدہ ہوگا تو بچے میں اعتماد کا فقدان ہوگا۔ بچپن سے ہی اگر اس کے کاموں میں ایک باقاعدگی کا مظاہرہ کیا جائے گا تو اس کی شخصیت خود اعتماد اور منظّم ہوگی اور زندگی کے تئیں ایک مناسب رویہ بنے گا۔

4.4.5 والدین اور بچے کے درمیان تعلقات وتعامل (Parent-Child Interaction and Relations)

والدین اور بچے کے درمیان کس قسم کے تعلقات ہیں اور ان کا تعامل کیسا ہو رہا ہے یہ بھی بچہ کی شخصیت کو متعین کرتا ہے۔ بچے کو بچپن سے یہ احساس دلایا جاتا ہے کہ ایک فرد کے طور پر اس کی شخصیت کس حیثیت کی حامل ہے اور سماج کے ایک رکن کے طور پر وہ کیا ہے اور اس سے کیا امیدیں وابستہ ہیں اور سماج کا افادی رکن بننا کیوں ضروری ہے اور اس کے لیے کیا کرنا ہے۔ یہ تمام چیزیں اس کی سماجی شخصیت کی نشو ونما کرتی ہیں۔

اس کے علاوہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ گھر کا ماحول بچے کی شخصیت کو سنوار بھی دیتا ہے اور بگاڑ بھی دیتا ہے۔ اگر والدین کا کردار تحکمانہ ہو تو بچے قابل انحصار، کشیدہ طبع، جھگڑالو، اطاعت شعار اور مسائل سے بیزار ہوتے ہیں۔ ان کے برعکس اگر والدین اور بچے کے درمیان ہم آہنگی اور اچھی مطابقت ہوگی تو بچے پرسکون، تعاون دینے والے، اطاعت شعار، سماجی طور پر مسلمہ، خود اعتماد ہوں گے۔

انفرادی خاندان (Nuclear family) اور مشترک خاندان میں رہنے والے بچوں میں شخصی خصوصیات کے مابین فرق پایا جاتا ہے۔ عام طور پر انفرادی خاندان کے بچے اپنے متعلقہ ممبران کے ساتھ زیادہ مہربان، خود مرکزی، درون بین اور الگ تھلگ رہتے ہیں جب کہ مشترکہ خاندان کے بچے بیرون بین، صلح جو اور سماجی تعامل میں ماہر ہوتے ہیں۔

شخصیت کا طے ہونا سماجی درجہ پر بھی منحصر کرتا ہے۔ عام طور پر متوسط خاندان کے والدین اپنے بچوں میں اپنا راستہ خود تلاش کرنے، فیصلہ لینے کی قوت سے سرشار بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ سماجی اور ثقافتی سطح پر جنس پر مبنی کرداری خصوصیات بھی بچوں میں ماحول کے ذریعے ہی پیدا کروائی جاتی ہے۔ لڑکے اور لڑکیوں کے کھیل اور کھلونے، کپڑوں کے رنگ، استعمال ہونے والی اشیا مختلف ہوتی ہیں جس سے شروع میں بچوں میں جنسی شناخت قوی ہوجاتی ہے۔ ایک ہی طرز عمل پر لڑکے اور لڑکیوں کو مختلف ردعمل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جوان کی شخصیت کے نشو ونما پر نہ صرف گہرا اثر ڈالتے ہیں بلکہ اس کو متعین بھی کرتے ہیں۔

گھر کے اندر ایک اور ماحول بھائیوں اور بہنوں کے ذریعے بنتا ہے۔ گھر میں سب سے بڑے بچے کی شخصیت درمیانی بچے کی شخصیت اور چھوٹے بچے کی شخصیت میں نمایاں فرق ہوتا ہے۔ چند مطالعوں میں یہ پایا گیا ہے کہ سب سے بڑا بچہ اپنی فہم وفراست وصلاحیت کا زیادہ مظاہرہ کرتے ہیں اور سب سے آخر میں پیدا ہوئے بچے تخلیقی اور زبان واظہار میں بہتر ہوتے ہیں۔

ہمسائیگی (Neigh bourhood) یا آس پڑوس کا ماحول بھی ایک اہم عنصر ہے۔ بچہ کھیلنے کے لیے ہمسایوں اور ان کے بچوں پر منحصر ہوتا ہے اور نشو ونما کے تشکیلی دور میں یہ اہم عوامل کے طور پر کام کرتا ہے۔ ہمسائیگی میں ہمجولی بچے موجود رہتے ہیں جو کہ سماجی طور سے ایک دوسرے سے وابستہ ہوتے ہیں۔ ہمجولی کے گروپ میں تعامل سے بچے میں کچھ اپنی شخصی خصوصیات پیدا ہوتی ہیں جو کہ اس کو سماج کا ایک افادی رکن بنانے میں معاون ہیں، جیسے کہ انفرادیت سے دست بردار ہونا، گروپ کی سرگرمیوں کے ساتھ اپنی سرگرمیوں کو مربوط کرنا، اپنے طرز عمل کو گروپ کے طے شدہ معیاروں کے مطابق ڈھالنا وغیرہ شامل ہیں۔

سماج کا پہلا ادارہ جس میں بچہ داخل ہوتا ہے وہ اسکول ہوتا ہے۔ اسکول بچہ کی شخصیت کے نشو ونما میں اہم کردار نبھاتا ہے۔ وقت کی پابندی، باقاعدگی، اسکول کے ضوابط کے لحاظ سے خود کو ڈھالنا، زندگی میں نظم وضبط رکھنا یہ تمام شخصی خصوصیات بچہ اسکول سے ہی سیکھتا ہے۔ اسکول میں موجود نصاب، زبان کا استعمال بھی شخصیت کے نشو ونما میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ حصولیابی کی تحریک، تخلیقی اظہار، تفکرات سے آزاد زندگی وہ اہم کام ہیں جو اسکول اپنے ذمہ لیتا ہے۔

اسکول بچے میں ثقافت کی معیاری شکل اور معیاری تربیت دینے کا ایک ذمہ دار ادارہ ہے تو دوسری طرف ذرائع ابلاغ جیسے ریڈیو، ٹی وی، انٹرنیٹ، سوشل میڈیا، اخبار ورسائل مختلف قسم کی ثقافت بچوں میں پہنچاتے ہیں جو کہ شخصیت کو متعین کرنے والا آج کے دور میں اہم عوامل کے طور پر ابھرے ہیں۔

یہ بھی ایک اہم امر ہے کہ فرد کی اہلیت کی سطحات اور جسمانی خصوصیات کو طے کرنے میں ماحول سے زیادہ توارث اہم نظر آتا ہے مگر نفسیاتی طور پر ماحول زیادہ پر اثر نظر آتا ہے۔ لیکن یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ شخصیت ان دونوں کے تعامل کا نتیجہ ہوتی ہے۔

4.5 مربوط اور ہمہ جہت شخصیت کی نشو ونما (Development of Integrated Personality)

4.5.1 مربوط اور ہمہ جہت شخصیت:

مربوط اور ہمہ جہت شخصیت سے مراد ایک ایسی شخصیت ہے جو اپنے گرد وپیش کے ساتھ کامل ارتباط قائم کرتا ہے اور جس کا جسمانی، ذہنی اور نفسیاتی ارتباط وتعلق ہر سطح پر نظر آتا ہے۔

گلفورڈ کے مطابق ''مربوط شخصیت سات بنیادی خصائل کے باہمی ربط سے ظاہر ہوتی ہے جو مندرجہ ذیل ہیں۔

(1) علم افعال اعضا (2) ضروریات (3) دلچسپی کے پہلو (4) رویہ

(5) مزاج (6) رجحان (7) ظاہری بناوٹ

وڈورتھ کے مطابق ایک مربوط شخصیت کا حامل انسان اپنی تمام خواہشات، احساسات اور جذبات کے کامل ارتباط کے ساتھ زندگی نبھاتا ہے۔

4.5.2 مربوط شخصیت کی خصوصیات:

1۔ مربوط شخصیت کے حامل شخص میں تمام جذبات واحساسات ایک مربوط نظام کے تحت روبہ عمل ہوتے ہیں۔

2۔ ایسی شخصیات جذباتی دباؤ وتناؤ کا شکار نہیں ہوتی ہیں۔

3۔ ایسے اشخاص متوازن ہوتے ہیں اور اپنی تمام تر صلاحیتوں کا بھرپور استعمال جانتے ہیں۔

4۔ مربوط شخصیت کے مالک اپنی کمزوریوں اور طاقتوں کا صحیح ادراک کرتے ہیں۔

5۔ وہ ایک متوازی تصور کے ساتھ زندگی کا سفر جاری رکھنے میں کوشاں نظر آتے ہیں۔

6۔ مربوط شخصیت سے سرشار انسان اپنی ذاتی خواہشات اور سماجی ضروریات و بندشوں کے درمیان ایک توازن بنا کر چلتا ہے۔

7۔ وہ اپنی دلچسپیوں اور صلاحیتوں میں ایک باہمی ربط رکھتا ہے۔

4.5.3 مربوط شخصیت کی اہمیت:

تعلیم اور تعلیمی کاوشوں کا مقصد ایک کامل، مربوط اور ہمہ جہت شخصیت کی نشوونما وفروغ ہے۔ ایک ایسی شخصیت کی نشوونما کرنا ہے جو کہ ماحول کے ساتھ بہتر ہم آہنگی پیدا کر سکے۔ اگر شخصیت میں ارتباط کا فقدان ہوگا تو شخصیت میں توازن نہیں ہوگا۔ مربوط شخصیت کے حامل انسان کا طرز عمل خود اپنے لیے اور سماج کے لیے سودمند ہوتا ہے۔ وہ اپنی زندگی میں کامیابی سے ہمکنار ہوتا ہے۔ اس میں خودشناسی ہوتی ہے۔ اس لیے تعلیم میں ایسے عوامل وعناصر کی شمولیت دی جاتی ہے جو کہ طلبا میں ایک مربوط شخصیت کی نشوونما کر سکیں۔ اس کے لیے نہ صرف نصابی بلکہ غیر نصابی سرگرمیاں بھی ایسے ڈیزائن کی جاتی ہیں کہ طلبا کی ہمہ جہت شخصیت کی نشوونما ہو سکے۔

شخصیت کا ارتباط ایک پیچیدہ عمل ہے۔ ایک مربوط شخصیت کی نشو ونما میں شخصیت کے تمام پہلوؤں کی شمولیت ہوتی ہے جس میں سماجی، جذباتی، وقوفی اور روحانی پہلو شامل ہوتے ہیں۔ مہاتما گاندھی نے ہمہ گیر شخصیت کا مطلب بچہ کی جسمانی، ذہنی اور روحانی نشوونما بتایا ہے۔ ٹیگور نے مربوط شخصیت کی نشوونما سے مراد فرد کی ہمہ جہت نشوونما کو لیا ہے۔

4.6 شخصیت کی جانچ

شخصیت کا تعین ایک پیچیدہ عمل ہے کیوں کہ شخصیت ایک مجرد تصور ہے۔ ماہر نفسیات میں اس بات پر اتفاق رائے نہیں ہے کہ شخصیت کے کتنے پہلو ہیں اور کسی بھی شے کی جانچ کرنے کے لیے اس کی واضح شکل موجود ہونا ضروری ہے۔ اس کے علاوہ جانچ کے عمل میں موزوں اور تشفی بخش آلات کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لیے شخصیت کی جانچ میں دشواریاں حائل ہوتی ہے۔ شخصیت میں انسان کی طبعی، ذہنی، جذباتی سماجی، اخلاقی طرز عمل، شعوری اور لاشعوری سطحوں کی شمولیت ہوتی ہے۔ اس لیے اس کی جانچ کے لیے کوئی ایک ٹسٹ یا آلہ کافی نہیں ہوتا ہے۔ اس لیے شخصیت کی جانچ کے لیے مختلف طریقۂ کار اپنائے جاتے ہیں۔ جن کو دو وسیع حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(i) اظلالی تکنیک (Projective Technique)

(ii) غیر اظلالی تکنیک (Non-Projective Technique)

4.6.1 اظلالی تکنیک (Projective)

شخصیت کو جانچنے کی یہ تکنیک فرد کے لاشعور کا مطالعہ کرتی ہے۔یعنی فرد کی شخصیت کے وہ پہلو جو ظاہر نہیں ہوتے ہیں، عیاں پہلوؤں سے زیادہ اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔فرائڈ کے مطابق ہمارے طرز عمل کا صرف 10 فیصد حصہ شعوری ہے اور بقیہ وہ ہے جو ظاہر نہیں ہے۔ وہ ہمارے لاشعور میں موجود ہیں مگر انسان کے طرز عمل کو متاثر اور متعین کرتا ہے۔

اظلالی تکنیک انعکاسی مظاہر پر مبنی ہے۔اس کے ذریعے کسی فرد کی شخصیت کی پوشیدہ ضرورتوں، تصورات، احساسات، خواہشات اور خوف کو ظاہر کرنے کی سعی کی جاتی ہے۔اس کے لیے فرد کو مبہم تصاویر، غیر ساختی محرکہ، سیاہی کے دھبے، ادھورے جملے دیے جاتے ہیں۔ان مبہم اشیا کے ذریعے اس کی شخصیت کے پوشیدہ پہلو منعکس ہوجاتے ہیں۔ان تکنیکوں کے ذریعے حاصل کردہ نتائج کا تجزیہ کرنے پر نہ صرف فرد کی اندرونی و پوشیدہ دنیا عیاں ہوتی ہے بلکہ اس کی کل شخصیت کو جاننے کے لیے ایک مناسب کلید بھی مل جاتی ہے۔

عام طور پر استعمال ہونے والے اظلالی تکنیک مندرجہ ذیل ہیں:

(i) روشا کا سیاہی کا دھبہ

(ii) موضوعی۔ادراکی جانچ (TAT)

(iii) بچوں کے لیے موضوعاتی ادارکی جانچ

4.6.1.1 روشا کا سیاہی دھبہ جانچ؛

یہ تکنیک سویڈن کے ماہر نفسیات ہرمن روشا نے تیار کی۔ یہ ٹیسٹ 10 کارڈوں پر مشتمل ہے جن پر سیاہی کے دھبے موجود ہیں۔اس میں پانچ کارڈ رنگین ہیں اور بقیہ پانچ کارڈ کالے اور سفید ہیں۔ان کارڈوں پر بنائے گئے سیاہی کے دھبے پوری طرح غیر ساختی ہیں (Unstructured) ہیں اور ان کا کوئی مخصوص معنی نہیں ہیں۔

ٹسٹ کا نظم:

اس ٹسٹ میں موجود تمام کارڈس ایک ایک کر کے ایک مخصوص تسلسل میں پیش کیا جاتا ہے۔جس شخص پر یہ ٹسٹ کیا جاتا ہے اس کو سب سے پہلے ضروری ہدایات دی جاتی ہیں اور پھر پہلا کارڈ دیا جاتا ہے۔اور پھر یہ دریافت کیا جاتا ہے کہ اس میں آپ کو کیا نظر آرہا ہے یا کیا دکھائی دے رہا ہے یا اس میں بنی ہوئی تصویر کس طرح کی نظر آرہی ہے۔فرد کو جتنا وقت چاہیے ہوتا ہے وہ اس کو دیا جاتا ہے۔اس کو اس بات کی بھی اجازت ہوتی ہے کہ وہ جتنا چاہے جوابات یا ردعمل دے سکتا ہے یا کسی بھی زاویہ سے کارڈ کو وہ دیکھ سکتا ہے یا گھما سکتا ہے۔دیے گئے ردعمل کو نوٹ کیا جاتا۔اس کے علاوہ ایک کارڈ میں کتنا وقت لیا گیا۔کارڈ کو کس زاویہ سے پکڑا گیا ان تمام تفصیلات کو بھی نوٹ کیا جاتا ہے۔ایک اہم نکتہ یہ بھی ہے کہ دوران ٹسٹ فرد کی جذباتی کیفیت اور اس کے برتاؤ وطرز عمل میں وقوع پذیر ہوئی تمام تبدیلیوں کو بھی نوٹ کیا جاتا ہے۔

جب تمام کارڈس پر ردعمل آجاتا ہے تو آگے مرحلے میں یہ جانکاری لی جاتی ہے کہ ان مخصوص ردعمل کی کیا وجوہات رہی ہیں۔

نشانات کا اندراج، تجزیہ اور نتائج اخذ کرنا (Scoring, Analysis and Interpretation of the Test)

نشانات کے اندراج کے مقصد سے کچھ مخصوص اشارہ جات دیے جاتے ہیں جن کو چار کالم میں مندرج کیا جاتا ہے جو کہ ذیل ہیں:

1 وقوع (location)

2 مواد (Contents)

3 اختراعیت (Originality)

4 متعین کرنے والے عوامل (Determinants)

یعنی نشانات دینے کے دوران یہ دیکھا جاتا ہے کہ کارڈ کے کس حصہ کو دیکھ کر ردعمل دیا گیا ہے۔ مکمل کارڈ پر یا کسی کارڈ کے کسی چھوٹے حصے کو ہی لے کر ردعمل دیا گیا ہے۔ مواد کے نشانات دیتے وقت یہ دیکھا جاتا ہے کہ فرد کو کارڈ میں کیا نظر آرہا ہے، کوئی انسان نظر آرہا ہے، جانور نظر آرہا ہے یا انسانی تفصیلات یا کوئی بے جان شے۔ اختراعیت یا جدت کو جاننے کے لیے یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس ردعمل میں کوئی اختراعیت ہے یا عمومیت ہے۔

متعین کرنے والے عوامل میں یہ چیزیں دیکھی جاتیں ہیں کہ اس کو کارڈ میں کوئی شبیہہ نظر آتی ہے یا رنگ کی بنیاد پر ردعمل دیا گیا ہے۔ اسی کے لحاظ سے اندراج اور تجزیہ کیا جاتا ہے۔

مندرجہ بالا تمام عنصر کو نظر میں رکھتے ہوئے کسی بھی فرد کی شخصیت کی جانچ کی جاتی ہے۔

اس ٹسٹ کو نافذ کرنے کے لیے ممتحن کا تربیت یافتہ ہونا ضروری ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اس کو اس کورنگ اور ترجمانی میں مہارت ہونا ضروری ہے۔ اس لیے اس کام کو ایک تربیت یافتہ ماہر نفسیات ہی انجام دے سکتا ہے۔

4.6.1.2 موضوعاتی ادراک کی جانچ (Thematic Apperception Test)

یہ ٹسٹ کچھ تصویروں کے ذریعے کسی بھی فرد کا موضوعاتی ادراک کو جانچتا ہے۔ امریکی ماہر نفسیات ہینری مرے نے اسے متعارف کروایا بعد میں سی ڈی مورگن نے شخصیت کے تعین کے لیے مرتب کیا۔

اس ٹسٹ میں 30 کارڈ ہیں جن میں انسان کی حقیقی زندگی کو ظاہر کرنے والی تصاویر بنی ہوئی ہیں۔ اس دس تصاویر آدمیوں کے لیے مخصوص ہیں اور دس عورتوں کے لیے۔ باقی دس مشترک یا عام ہیں۔ اس میں جنس کی تخصیص نہیں ہے۔ اس طرح ہر ایک کے لیے بیس کارڈس یا تصاویر ہیں۔

مطلوبہ شخص کو ایک کے بعد ایک کارڈ دیے جاتے ہیں اور ہر کارڈ پر جو مبہم تصویر ہے اس کے بارے میں ایک کہانی لکھنے کو کہا جاتا ہے۔ مطلوبہ فرد کو واضح طور پر یہ بتادیا جاتا ہے کہ یہ ٹسٹ صرف اختراعی تخیل وفکر کے لیے ہے۔ مقررہ وقت میں دی گئی تصویر کو دیکھ کر ایک کہانی مرتب کرنی ہے۔ مرتب کرنے کے دوران مندرجہ بالا پہلوؤں کو ذہن میں رکھنا ہے۔

1۔ تصویر میں کیا ہو رہا ہے۔

2۔ کیا ہونے والا ہے اور

3۔ اس کہانی کا ہیرو کون ہے یعنی کہانی کو کون آگے بڑھا رہا ہے۔

کہانی کومرتب کرنے کے لیے چوں کہ وقت کم ہوتا ہے اس لیے فرد لاشعوری طور پر اپنی ذاتی خصوصیات کو شامل کر لیتا ہے۔اس طرح کہانی میں اس کی اپنی زندگی،خواہشات، پسند، ناپسند،تمنائیں،جذبات واحساسات وغیرہ شامل ہو جاتے ہیں۔

اس ٹسٹ کی خاص اہمیت یہ ہے کہ اس میں پوشیدہ محرکات،زندگی سے جڑی ہوئی پیچیدگیاں اور زندگی میں آنے والے تصادم ظاہر ہو جاتے ہیں۔ایک ماہر جانچ کرنے والا احتیاط سے تجزیہ کر کے شخصیت کے پوشیدہ باب بھی جان سکتا ہے۔

نشانات وتجزیہ۔اس کہانی کا تجزیہ کرتے وقت کچھ اہم نکات کو ذہن میں رکھنا ضروری ہوتا ہے:

☆ کہانی کا ہیرو: وہ کس قسم کی شخصیت کا مالک ہے۔

☆ کہانی کا موضوع: کہانی کا موضوع کس نوعیت کا ہے۔

☆ کہانی کا طرز: کہانی کتنی طویل ہے، کس طرح کی زبان کا استعمال کیا گیا ہے۔راست طور پر یا بالواسطہ۔متن کی ترتیب کیسے کی گئی ہے۔اختراعیت وجدت موجود ہے یا نہیں۔

☆ کہانی کا متن یا مواد: کہانی میں کس طرح کی دلچسپیاں،احساسات اور جذبات بیان کیے گیے ہیں۔کہانی کے دوران کرداروں کا طرز عمل کس انداز سے بیان کیا گیا ہے یعنی ذہن کی داخلی حالات کیا ہے جو کہانی بیان کرتی ہے۔

☆ مجموعی صورتحال: فرد کا ردعمل مجموعی طور پر درج کرنا۔

☆ کہانی اختتام: خوشی،غم یا مزاحیہ انداز میں۔

☆ کسی بھی فرد کی ہمہ جہت شخصیت کا تعین تمام کارڈس کے مجموعی یا کلی ردعمل پر مبنی ہوتا ہے۔ایک ناتجربہ کار ممتحن کے ذریعے اغلاط کی گنجائش رہتی ہے۔اس لیے جو بھی اس ٹسٹ کو نافذ کرے اور تجزیہ کرے اس کا تربیت یافتہ ہونا ضروری ہے۔

4.6.1.3 بچوں کے لیے موضوعات ادرا کی جانچ (CAT) Children Apperception Test

موضوعاتی ادرا کی جانچ چوں کہ چھوٹے بچوں کے لیے مناسب نہیں تھا۔اس لیے Leopold Bellack نے بچوں کے لیے CAT کو ترتیب دیا۔جن بچوں کی عمر 3 سے 10 سال ہوتی ہے ان کے لیے ہی مختص ہے۔TAT اور CAT کا طریقۂ کار تقریباً یکساں ہوتا ہے۔البتہ اس میں کارڈس صرف دس ہوتے ہیں اور تصاویر انسانوں کے بجائے جانوروں کی ہوتی ہیں۔ان جانوروں کی تصاویر کو اصلی زندگی کے کسی نہ کسی صورت حال میں دکھایا گیا ہے۔اس میں کارڈس کے لیے جنس کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔یہ ہر کارڈ کو دکھا کر بچے کو اس پر کہانی بنانے کو کہا جاتا ہے۔اس طرح بچوں کی بنائی ہوئی کہانی میں اس کے اپنے مشاہدات،تجربات،ردعمل،جذبات واحساسات وابستہ ہوتے ہیں۔ بچوں کی شخصیت اس کہانی کے ذریعے منعکس ہوتی ہے۔کہانیوں کی توضیح مندرجہ بالا نکات کے ذریعے کی جاتی ہے۔

☆ کہانی کا ہیرو
☆ کہانی کا موضوع
☆ کہانی کا اختتامیہ
☆ والدین کے تئیں رویہ
☆ خاندان کا رول
☆ تصویر میں باہر کی چیزوں کی موجودگی
☆ فکر و پریشانی کی نوعیت
☆ سزا کا تصور
☆ مدافعت اور بچاؤ
☆ دیگر عوامل/متفرق اجزا

ان تمام عناصر کی جامع جانچ کے بعد ہی معلم یا نفسیات کا ماہر بچہ کی شخصیت کو جانچ سکتا ہے۔

اس اظلالی تکنیک کے ذریعے تحت الشعور اور لاشعوری دونوں کو جانا جاسکتا ہے۔اس تکنیک کے ذریعے کوئی بھی چیز چھپانے کے مواقع نہیں ملتا ہے اور شخصیت کو واضح طور پر پہچان لیا جاتا ہے۔اس کے علاوہ یہ جانچ ہر طریقے کے انسانوں پر کی جاسکتی ہے اور اس کے نتائج میں معتبریت پائی جاتی ہے۔مگر اس جانچ کا طریقہ وعمل طویل ہے اور اس کے لیے نہایت ماہر اور تربیت یافتہ اشخاص کی ضرورت ہوتی ہے جو عموماً آسانی سے دستیاب نہیں ہو پاتے ہیں۔

4.6.2 غیر اظلالی تکنیک (Non Projective Techniques)

غیر اظلالی تکنیک کے ذریعے راست طور پر شخصیت میں موجود خوبیوں کا مطالعہ وتجزیہ کیا جاتا ہے۔

4.6.2.1 مشاہداتی طریقۂ کار (Observation Method)

مشاہدہ ایک مقبول طریقۂ کار ہے جو کہ حقیقی زندگی میں کردار وطرز عمل مطالعے کے لیے بہترین طریقے ہے۔اس طریقۂ کار کو روبہ عمل لانے سے پہلے مشاہدہ کار کو یہ متعین کرنا ہوتا ہے کہ وہ کون سی سرگرمیوں کا مشاہدہ کرے گا۔ یہ مشاہدہ دو طریقے سے کیا جاسکتا ہے۔ پہلے کہ مشاہدہ کرنے والا یہ ظاہر نہ ہونے دے کہ وہ کسی کا مشاہدہ کر رہا ہے اور اپنی موجودگی کو پوشیدہ رکھے۔دوسرا طریقہ یہ ہے کہ وہ جس گروہ یا شخص کا مشاہدہ کرنا چاہ رہا ہے اس گروہ کا حصہ بن جائے اور وہاں سے زیر مشاہدہ شخص کی تمام سرگرمیوں کا مشاہدہ کرتا رہے۔مشاہدے کو بہتر اور معتبر بنانے کے لیے مشاہدہ کار ٹیپ ریکارڈ، تصاویر، کیمرہ وغیرہ کا استعمال کرسکتا ہے۔اس طریقے سے فرد کی شخصیت کے نمایاں پہلو سامنے آجاتے ہیں اور یہ بھی اندازہ لگ جاتا ہے کہ وہ مختلف حالات میں کس طرح کا طرز عمل کرتا ہے۔اس طریقۂ کار میں مشاہدہ کار کی شخصی خصوصیات اور زیر مشاہدہ شخص سے اس کے تعلقات نتائج کو متاثر کرسکتے ہیں۔

4.6.2.2 سوالنامہ (Questionnaire):

اس طریقۂ کار کے مطابق سوالات کی ایک لسٹ مرتب کی جاتی ہے۔اس میں ان پہلوؤں سے متعلق سوالات ہوتے ہیں جن کے بارے میں شخصیت کا اندازہ لگانا مقصود ہوتا ہے۔ یہ سوالنامہ واحد شخص یا گروپ کو ایک ہی وقت میں دیا جاسکتا ہے۔ جو جوابات دیے جاتے ہیں ان کی روشنی میں شخصیت کا تجزیہ کیا جاتا ہے۔مثال کے طور پر:

... کیا آپ کو تنہا رہنا پسند ہے ہاں،نہیں؟

... کیا آپ کبھی خود پر بھی ہنستے ہیں ہاں،نہیں؟

یہ شخصیت کو جانچنے کا ایک مقبول طریقہ ہے اور شخصیت کے متعلق کی جانے والی تحقیقات میں اس کا کافی استعمال کیا جاتا ہے۔

4.6.2.3 انٹرویو (Interview):

انٹرویو دراصل زبانی سوالنامہ ہے۔اس طریقۂ کار میں فرد اور ماہر نفسیات معلومات اور تصورات کا آپسی تبادلہ کرتے ہیں۔یعنی اس طریقۂ کار میں ایک فرد دوسرے فرد سے سوالات کرتا ہے اور ان سوالات کے جوابات یا ردعمل کے نتیجے میں شخصیت کے بارے میں اندازہ لگایا جاتا ہے۔اس دوبدو ملاقات وگفتگو میں فرد کی دلچسپیوں، ضروریات اور توقعات کے بارے میں جانا جاتا ہے۔انٹرویو عام طور پر دو طریقے کا ہوتا ہے۔

... منظّم انٹرویو

... غیر ساختی انٹرویو

منظّم انٹرویو میں سوالات پہلے سے تیار کر لیے جاتے ہیں۔ ماہر نفسیات پہلے سے طے شدہ سوالات کے جوابات حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ صرف جوابات کا متن ہی نہیں بلکہ لب ولہجہ، استعمال کی گئی زبان، روانی و تسلسل اور اپنے ہی دوسرے عوامل کا جائزہ لیتا ہے۔ غیر ساختی انٹرویو ایک لچکدار انٹرویو ہوتا ہے اس میں تبادلہ خیال کسی ایک لفظ تک محدود نہیں ہوتا۔ کسی بھی موزوں مضمون پر بات کی جاتی ہے۔ معلومات کی سطح کے علاوہ، انداز بیان، زبان کے استعمال کی صلاحیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

اس طریقے کا سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ اس میں وقت کا زیاں بہت ہوتا ہے۔ بعض اوقات صحیح ردعمل یا شخصیت کے پوشیدہ پہلو ظاہر ہو پاتے ہیں۔

4.6.2.4 درجہ پیمائی (Rating Scale):

درج پیمائی کا استعمال قدیم زمانے سے رائج ہے۔ جب ہم بازار میں کوئی سامان (خصوصاً الیکٹرانک مشین وغیرہ خریدتے ہیں تو اس سامان پر rating لکھی ہوتی ہے۔ جیسے فرج پر پانچ اسٹار، چار اسٹار وغیرہ۔ یہ اسٹار اس شے کی درجہ پیمائی کو ظاہر کرتی ہے۔ یعنی درجہ پیمائی کسی شخص یا شے کی خوبی کو درجہ بند کرتی ہے۔ اس کے علاوہ اس کے طرز عمل، رویہ، پسند وغیرہ کی جانچ کرتی ہے۔ اس میں کسی فرد کی شخصیت کا اندازہ متعدد اشخاص کی آرا کو اکٹھا کر کے لگایا جاتا ہے۔ جن اشخاص کی آرا لی جاتی ہے وہ متعلقہ شخص کے گرد و نواح کے ہونے چاہئیں۔ اس طریقۂ کار میں بیانات کو پانچ یا سات درجوں میں منقسم کیا جاتا ہے۔ اس میں کسی شخص کے بارے میں اندازہ لگانے کے لیے اس کی شخصیت کے کسی ایک پہلو کے بارے میں چند سوالات مرتب کر کے کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی دانست میں کسی درست جواب پر نشان لگا دیں جس میں انہیں بتدریج کئی درجات (مثلاً اچھا، اوسط اور خراب یا پانچ درجات بہت اچھا، اچھا، اوسط، خراب اور بہت خراب) میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ زیادہ درجات در اصل رویہ یا وصف وغیرہ کا باریکی سے مطالعہ و تجزیہ کرتے ہیں۔

اس طرح درجہ پیمائی کسی مقداری یا معیاری وصف سے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لیے تیار کیے درجات کا مجموعہ ہوتا ہے۔ تشکیل اور ساخت کی بنیاد پر اس کی تین اقسام ہیں۔ سب سے زیادہ رائج لیکرٹ درجہ پیمائی ہے اس کا استعمال اور تشکیل آسان ہے۔ درجہ پیما کو مختلف قسم کے خارجی خصائص کے لیے تیار کیا جا سکتا ہے جیسے کہ قائدانہ صلاحیت، وقت کی پابندی، ایمانداری، واضح رہے کہ اس طریقۂ کار میں صرف ایک خاصہ کی ہی درجہ پیمائی کی جاتی ہے۔ اس لیے یہ اہم ہے کہ خاصہ کی اچھی طرح سے وضاحت کی جائے تا کہ نتائج متاثر نہ ہو سکیں۔ اس طریقۂ کار کا سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ اس میں رائے کے اظہار میں ذاتی تعصب کے عمل دخل ہونے کا امکان قوی رہتا ہے۔

4.6.2.5 چیک لسٹ (Check List):

اس پیمانہ پر بچے یا فرد کی شخصیت کی جانچ اس کی متعدد خصوصیات پر نمبر فراہم کر کے کیا جاتا ہے اور ان نمبرات کے کل میزان کی بنیاد پر فرد کے بارے میں یا کسی شخصیت کے بارے میں نتائج اخذ کیے جاتے ہیں۔

اس تکنیک کے تحت معلم طلبا کے طرز عمل کی ایک طویل فہرست تیار کرتا ہے جس میں اس کے مشاہدے اور تجزیے کے لحاظ سے یہ دیکھا جاتا ہے کہ کون سی خوبیاں بچے کے طرز عمل میں ظاہر ہو رہی ہیں۔ اس کے بعد نمبرات کے کل میزان کی بنیاد پر بچوں کی خوبیوں کے بارے میں نتائج اخذ کیے جاتے ہیں۔ اس میں معقول و مناسب خوبیوں کے لیے 1+ اور غیر معقول خوبیوں کے لیے 1- نمبر دیا جاتا ہے۔

چیک لسٹ کی دو اقسام ہوتی ہیں۔ایک میں بچے سے متعلق کچھ خصوصیات یا خصلتیں دی ہوئی ہوتی ہیں اور جانچنے والے سے یہ امید کی جاتی ہے کہ وہ بچے میں موجود خوبیوں پر صحیح کا نشان لگادے مثال کے طور پر

☆ اطاعت شعار......( )

☆ ملنسار...........( )

☆ خوش مزاج........( )

☆ جارح ....( )

دوسری طرح کی چیک لسٹ میں خوبیوں کے سامنے مقداری مندرج ہوتی ہے اور جانچ کنندہ سے یہ امید کی جاتی ہے وہ خوبی جس مقدار میں اس پر صحیح کا نشان لگادے۔

اوصاف	مقداری
	بہت زیادہ، زیادہ.........بہت کم
☆ وقت کا پابند	
☆ فرمانبرداری	
☆ ساتھیوں کے ساتھ ہمدردی	
☆ جذبہ	

4.6.2.6 رویہ کا پیانہ(Attitude Scale):

رویہ کو جانچنے کے لیے براہ راست اور بالواسطہ دونوں طریقے استعمال کیے جاتے ہیں۔یعنی کسی بھی موضوع کے تئیں فرد کے رویہ کا پتہ لگانا ہوتو براہ راست اس کی رائے مختلف طریقوں سے پتہ کرتے ہیں۔اسی میں ایک طریقہ رویہ اسکیل بھی ہے۔رویہ کا پیانہ ایک مخصوص قسم کا سوالنامہ ہوتا ہے جس کے ذریعے کسی حالات وواقعات کے تئیں کسی شخص کے احساسات وجذبات کی سمت اور شدت کی جانچ کی جاتی ہے۔یہ کبھی کبھی رویہ میں رونما ہونے والی تبدیلی کی بھی پیائش کرتا ہے۔

4.6.2.7 واقعاتی ریکارڈ(Anecdotal Record):

واقعاتی ریکارڈ ایک کہانی کے مصداق ہوتا ہے۔لغوی معنی کے لحاظ سے Anecdotal کا تعلق ذاتی معلومات اور تجربات سے ہوتا ہے۔اس میں معلم طلبا کی شخصیت کا مشاہدہ کر کے کچھ مختصر یادداشت رکھتا ہے۔اس میں خصوصاً اپنے طرز عمل کا ریکارڈ رکھا جاتا ہے۔جو معمول سے ہٹ کر ہو۔وہ طرز عمل مثبت اور منفی دونوں ہو سکتے ہیں۔مجموعی طور پر ایسے ریکارڈ بچوں کی اصلاح، ہدایات اور ہمت افزائی کے لیے بہت کارآمد ہوتے ہیں۔ایسے ریکارڈ بناتے وقت معلم کا غیر جانبدار ہونا بہت ضروری ہے تاکہ نتائج متاثر نہ ہوسکیں۔

کسی ایک واقعاتی ریکارڈ سے کسی طالب علم کی شخصیت کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔کیوں کہ ایک واقعہ یا طرز عمل کسی کی شخصیت کی صحیح عکاسی نہیں کرتا ہے۔بلکہ ایک سے زائد واقعات سے صحیح رائے قائم کی جاسکتی ہے۔

اس ریکارڈ کے ذریعے بچے کی شخصیت کے خاص واہم پہلو ایک نظر میں ہی دکھائی دیتے ہیں اور طلبا کی انفرادی اصلاح کے مواقع مل جاتے ہیں۔معلم اور والدین دونوں مل کر بچہ کے طرز عمل کو بہتر بنانے کی سعی کر سکتے ہیں۔مگر اس میں کافی وقت لگتا ہے اور ایک تربیت یافتہ استاد

کی ضرورت ہوتی ہے۔

4.7 یاد رکھنے کے نکات(Points to Remember)

☆ شخصیت انگریزی لفظPersonality کا اردو ترجمہ ہےاورPersonality لاطینی زبانPersona سے ماخوذ ہے۔جس کا معنی ہے نقاب یا ماسک۔ دراصل اسٹیج پر اداکاری کے دوران اداکار جس کا رول نبھاتے تھے اس کا ماسک اپنے چہرے پر لگا لیا کرتے تھے۔یعنی ماسک پہن کر اس کی شخصیت کو اپنالیا کرتے تھے۔یعنی لغوی معنوں میں دیکھیں تو شخصیت کو باہری یا ظاہری معنوں میں لیا گیا ہے

☆ آل پورٹ نے شخصیت کی ایک تعریف دی جو کہ اب تک سب سے جامع تعریف مانی جاتی ہے۔ 'شخصیت فرد کے نفسی وطبعی وصف کا وہ متحرک نظام ہے جو کہ فرد کا اس کے ماحول کے ساتھ منفرد مطابقت کو متعین کرتا ہے

☆ فرد کی شخصی خصوصیات کی بنیاد پر شخصیت کو منقسم کیا گیا ہے۔اس کے ذریعے لوگوں کی ان کی خصوصیات کی بنیاد پر درجہ بندی کر سکتے ہیں جس میں پہلی طرز وضع پر مبنی طرز رسائی اور دوسری اوصاف پر مبنی طرز رسائی ہے۔

☆ توارث سے مراد ان عوامل سے ہے جو کسی بچے میں جبلی اور خلقی طور پر اس کی ماں کے پیٹ میں نطفہ ٹھہرنے کے فوراً بعد موجود ہوتے ہیں۔معلم کو اگر شخصیت کو بہتر طریقے سے سمجھنا ہے تو توارث اور اس کے پیچیدہ حقائق کا مطالعہ کرنا بھی ضروری ہے۔ بنیادی طور پر ہمیں ایک مخصوص ساخت سے متعلق ایک رجحان اور ایک مخصوص طریقے پر کام کرنے کا رجحان ورثے میں ملتا ہے۔مثال کے طور پر جسم کا مخصوص وزن حاصل کرنے کا رجحان،جسم کی ساخت، مٹاپے کا تناسب،عضلائی خلیوں کا سلسلہ،اعضا کی لمبائی،کھال، بالوں کا رنگ،آنکھوں کا رنگ وغیرہ۔

☆ ماحول سے مراد وہ تمام چیزیں ہیں جو خارجی طور پر افراد کی نشوونما کو متاثر کرتی ہیں۔ ماحول بچے کے مزاج، رویہ، جسمانی اور ذہنی صحت، اخلاق وکردار پر گہرے اثرات مرتب کرتا ہے۔ ماحول اور اچھی تربیت بچے کی شخصیت پر مثبت اثرات مرتب کرتے ہیں اور ان کے کرادر میں تغیر لائے ہیں۔ان کو معاشرتی مطابقت کے قابل بناتے ہیں۔

☆ مربوط اور ہمہ جہت شخصیت سے مراد ایک ایسی شخصیت ہے جو اپنے گرد وپیش کے ساتھ کامل ارتباط قائم کرتا ہے۔اور جس کا جسمانی، ذہنی اور نفسیاتی ارتباط وتعلق ہر سطح پر نظر آتا ہے۔

☆ شخصیت کو جانچنے کی اظلالی تکنیک کے ذریعے فرد کے لاشعور کا مطالعہ کرتے ہیں۔یعنی فرد کی شخصیت کے چند وہ پہلو ہیں جو ظاہر نہیں ہوتے ہیں لیکن عیاں پہلوؤں سے زیادہ اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔فرائڈ کے مطابق ہمارے طرز عمل کا صرف 10 فیصد حصہ شعوری ہے۔بقیہ وہ ہیں جو ظاہری نہیں ہیں۔وہ ہمارے لاشعور میں موجود ہیں مگر انسان کے طرز عمل کو متاثر اور متعین کرتے ہیں۔

☆ غیر اظلالی تکنیک کے ذریعے راست طور پر شخصیت میں موجود خوبیوں کا مطالعہ وتجزیہ کیا جاتا ہے۔

4.8 فرہنگ (Glossary)

الفاظ	معنی
شخصیت	لغوی معنی نقاب یا ماسک کے ہیں جو اداکاری کے دوران اداکار چہرے پر لگاتے تھے۔شخصیت سے مراد فرد کے نفسی وطبعی وصف کا وہ فعال نظام ہے جو کہ فرد کا اس کے ماحول کے ساتھ منفرد مطابقت کو متعین کرتا ہے۔
وصف (Trait)	وصف شخصیت کی ایسی نمایاں خصوصیت کو کہتے ہیں جو کہ افراد کی نشاندہی کرنے میں مددگار ثابت ہوتی۔
توارث	توارث سے مراد ان عوامل سے ہے جو کسی بچہ میں جبلی اور خلقی طور پر ماں کے پیٹ میں نطفہ ٹھہرنے کے فوراًبعد موجود ہوتے ہیں
ماحول	ماحول سے مراد وہ تمام چیزیں ہیں جو خارجی طور پر افراد کی نشوونما کو متاثر کرتی ہیں۔
مربوط یا ہمہ جہت شخصیت	مربوط شخصیت سے مراد ایک ایسی شخصیت سے ہے جو اپنے گردوپیش کے ساتھ کامل ارتباط قائم کرتا ہے اور زندگی کی آنے والی تبدیلیوں کے ساتھ مطابقت قائم کرنے کا اہل ہو۔
اظلالی تکنیک (Projective Techniques)	اظلالی تکنیک شخصیت کو جانچنے کا ایک آلہ ہے جو مبہم تصاویر، غیر ساختی محرکہ، سیاہی کے دھبے، ادھورے جملوں کے ذریعے پوشیدہ جذبات اور اندرونی تصادم کا انعکاس کردیتا ہے۔
غیر اظلالی تکنیک (Non-Projective Techniques)	شخصیت کو جانچنے کی وہ تکنیک جو راست طور پر فرد سے اس کی شخصیت کے پہلوؤں کے بارے میں جاننے میں مدد کرتی ہے خواہ وہ سوالنامہ کے ذریعے ہو یا انٹرویو۔

4.9 اکائی کے اختتام کی سرگرمیاں (Unit End Activities)

معروضی جوابات کے حامل سوالات:

1۔ شخصیت کس زبان کے لفظ سے ماخوذ ہے؟

1) انگریزی　　2) لاطینی

3) جرمن　　4) ہندی

2۔ شخصیت کو جانچنے کا وہ کون سا طریقہ ہے جس کے ذریعے پوشیدہ پہلوؤں کی بھی جانچ ہوجاتی؟

(1) غیر اظلالی تکنیک　　(2) انٹرویو

(3) اظلالی تکنیک　　(4) سوالنامہ

3۔روشا کے سیاہی کے دھبے میں کتنے کارڈ ہیں؟

(1) پانچ　　(2) دس

(3) بیس　　(4) تیس

4۔سی۔اے۔ٹی کس عمر کے بچوں کے لیے مختص ہے؟

(1) 2۔4سال (2) 2۔8سال

(3) 3۔10سال (4) 5۔15سال

5۔ ٹی اے ٹی کتنے کارڈس پر مشتمل ہے؟

(1) دس (2) پانچ

(3) آٹھ (4) تیس

6۔ کس کے ذریعے دی گئی شخصیت کی تعریف کو جامع تعریف مانا جاتا ہے؟

(1) آل پورٹ (2) فرائیڈ

(3) ایڈلر (4) مورگن

مختصر جوابات کے حامل سوالات؛

1۔ شخصیت کا معنی ومفہوم کیا ہے؟

2۔ شخصیت کی کتنی اقسام ہیں؟

3۔ شخصیت کی وضع پر مبنی طرز رسائی کیا ہے؟

4۔ شخصیت کی آیورویدک اور یونانی درجہ بندی بتائیں۔

5۔ اوصاف پر مبنی طرز رسائی کی معنی ومفہوم بیان کریں۔

6۔ توارث کیا ہے؟ یہ شخصیت پر کس طرح اثر انداز ہوتا ہے۔

7۔ ماحولی عناصر کس طرح شخصیت کو مزین کرتے ہیں؟

8۔ مربوط شخصیت کو واضح کریں۔

9۔ شخصیت کی جانچ کے کون کون سے طریقۂ کار ہیں؟

10۔ روشاسیاہی کے دھبوں والے ٹسٹ کے بارے میں بتائیں

11۔ ٹی ای ٹی اور سی ای ٹی میں فرق واضح کریں۔

12۔ مشاہدے کے ذریعے کس طرح شخصیت کی جانچ کی جاسکتی ہے؟

13۔ انٹرویو کے ذریعے آپ طلبا کی شخصیت کی کیسے جانچ کریں گے؟

14۔ واقعاتی طریقۂ کار آپ اپنے اسکول میں کیسے استعمال کریں گے؟

طویل جوابات کے حامل سوالات؛

1۔ شخصیت کا تصور واضح کرتے ہوئے اس کی نوعیت بیان کریں۔

2۔ شخصیت کی اقسام بیان کریں؟ وصف پر مبنی طرز رسائی کا حوالہ دیتے ہوئے آل پورٹ کی درجہ بندی کو مفصل بیان کریں۔

3۔ شخصیت کی طرز یا وضع پر مبنی اقسام بیان کریں۔

4۔ شخصیت کو اثر انداز کرنے والے عوامل میں توارث کے رول کو واضح کریں۔

5۔ والدین اور ہمسائیگی کس طرح شخصیت پر اثر انداز ہوتی ہے؟ ایک تفصیلی نوٹ لکھیں۔

6۔ مربوط شخصیت سے کیا مراد ہے۔ مربوط شخصیت کی نشوونما آپ طلبا میں کس طرح کریں گے؟

7۔ شخصیت کی جانچ کے کون کون سے طریقۂ کار ہیں؟ ایک متعلم کی شخصیت کو جانچنے کے لیے کون سا طریقہ آپ بہتر سمجھتے ہیں؟

8۔ غیر اظلالی تکنیک پر ایک مفصل نوٹ لکھیں۔

9۔ اظلالی تکنیک کون کون سی ہیں؟ ان تکنیکوں کے ذریعے شخصیت کی جانچ کے لیے ایک تربیت یافتہ استاد کیوں ضروری ہے؟

10۔ ایک معلم کے لیے واقعاتی ریکارڈ کس طرح مددگار ہوسکتا ہے؟

4.10 تجویز کردہ مواد (Suggested Readings)

1 شریف خان (2004)، جدید تعلیمی نفسیات، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ

2 ڈاکٹر آفاق ندیم، سید معاذ حسین (2014)، تعلیمی نفسیات کے پہلو، ایجوکیشن بک ہاؤس، علی گڑھ

3 مسرت زمانی (2001)، تعلیمی نفسیات کے نئے زاویے، ایجوکیشن بک ہاؤس، علی گڑھ

4 Mangal S.K. (1991), Educational Prychology, Prakash Brothers Educational Publisher,Ludhiana

5 Chauhan, S.S. (1995), Advanced Educational Prychology, Vikas Publishing Home Pvt. Ltd., New Delhi

اکائی 5۔ اکتساب اور حافظہ

(Learning and Memory)

اکائی کے اجزا:

5.1 تمہید(Introduction)

5.2 مقاصد(Objectives)

5.3 اکتساب، اکتساب کا تصور، مراحل اور اکتسابی اصول

5.3.1 اکتساب کا تصور(Concept of Learning)

5.3.2 اکتساب کے مقاصد(Objectives of Learning)

5.3.3 اکتسابی مراحل(Learning Process)

5.3.4 اکتسابی اصول(Principles of Learning)

5.4 اکتساب پر اثر انداز ہونے والے عوامل

5.4.1 انفرادی فرق(Individual Factor)

5.4.2 ذہنی عنصر(Mental Factor)

5.5 اکتسابی نظریات اور کمرۂ جماعت میں ان کے مضمرات(Theories of Learning and its Classroom Implication)

5.5.1 سعی اور خطا کا اکتسابی نظریہ(Trial and Error theory of Learning)

5.5.2 کلاسیکی مشروط کا اکتسابی نظریہ(Classical Conditioning Theory of Learning)

5.5.3 عملی مشروط کا اکتسابی نظریہ(Operant Conditioning theory of Learning)

5.5.4 بصیرتی اکتساب کا نظریہ(Insight theory of Learning)

5.5.5 سماجی اکتساب کا نظریہ(Social Theory of Learning)

5.6 اکتسابی منتقلی

5.6.1 اکتساب کی منتقلی کے اقسام

5.6.2 منتقلی کے طریقے

5.6.3 منتقلی کی چند شرائط

5.7 حافظہ اور بھولنا(Memory and Forgetting)

5.7.1 حافظہ کے عوامل(Factors of Memory)
5.7.2 حافظہ کی اقسام(Types of Memory)
5.7.3 بھولنا(Forgetting)
5.7.4 بھولنے کے اقسام(Types of Forgetting)
5.7.5 بھولنے کے اسباب(Reason of Forgetting)
5.7.6 بھولنے کی اہمیت(Importance of Forgetting)
5.7.7 بھولنے پر اثر انداز ہونے والے عوامل
5.7.8 بھول کو کم کرنے کے طریقے
5.7.9 ہبنگ ہاس کا بھولنے کا خط منحنی (Ebbing Haus's Curve of Forgetting)
5.7.10 یادداشت کو فروغ دینے کے مؤثر طریقے
5.8 یاد رکھنے کے نکات(Points to Remember)
5.9 فرہنگ(Glossary)
5.10 اکائی کے اختتام کی سرگرمیاں(Unit End Activities)
5.11 تجویز کردہ مواد(Suggested Readings)

5.1 تمہید(Introduction)

اس اکائی میں ہمارا موضوع ''اکتساب'' ہے۔اکتساب کا تصورومراحل اوراکتسابی اصول اکتساب پراثر انداز ہونے والےعوامل جیسے انفرادی اختلافات ،طبعی سماجی جذباتی اختلافات اورتعلیمی عوامل ،اکتسابی منتقلی ،تصور منتقلی کی اقسام ،مثبت منتقلی کے فروغ میں معلم کا رول ،اس کے علاوہ حافظہ اور بھولنا ،اس کا تصور ،بھولنے کی وجوہات ،یادداشت کوفروغ دینے کے موثر تدابیر اور طریقے وغیرہ شامل ہیں۔

ایک معلم کی حیثیت سے طلبا میں اکتساب اوراس کی اہمیت ،طلبا کونئی صورت حال سے نمٹنے کے لیے درکار اکتسابی مہارتوں کی منتقلی میں ایک معلم کا کرداراوراس کےعلاوہ بھولنا ،بھولنے پراثر انداز ہونے والےعوامل ،اسی طرح یادداشت اوریادداشت کوفروغ دینے کے تدابیر اور طریقوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔

5.2 مقاصد(Objectives)

اس اکائی مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- ☆ اکتساب اوراس کےتصوراورمراحل سے واقف ہوں گے۔
- ☆ اکتساب پراثر انداز ہونے والےعوامل سے واقف ہوں گے۔
- ☆ اکتساب کےمختلف اصولوں اورنظریات سے واقف ہوں گے۔
- ☆ اکتسابی منتقلی اوراس کے ذریعے مثبت منتقلی کوایک معلم ہونے کے ناطےفروغ دینے کے طریقے کی معلومات ہوگی۔
- ☆ حافظہ اوراس کی اہمیت سے واقف ہوں گے۔
- ☆ بھولنےکی وجوہات اور یادداشت کوفروغ دینے کےموثر طریقوں سےبھی واقف ہوں گے۔

5.3 اکتساب،اکتساب کا تصور۔مراحل اوراکتسابی اصول

بچہ جب دنیا میں آتا ہےتو اپنی بقا کے لیے جدوجہد کرتا ہے۔غذا حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔چیزوں کے نہ ملنے پرغم وغصے کا اظہار کرتا ہے۔یعنی چندافعال پروہ قادر ہوتا ہےاور یہ چیزیں اپنے طور پر کرتا ہے۔یعنی قدرتی طور پراس کو چندصلاحیتیں عطا ہوتی ہیں۔جن کو انجام دینے کے لیےاس کو چند چیزیں سیکھنی پڑتی ہیں۔اس کواکتساب کہتے ہیں۔

نفسیات میں اکتساب کو Care of Psychology بھی کہا جاتا ہے۔اکتساب تعلیمی طریقوں میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اکتساب تمام عمرجاری رہنے والاعمل ہے۔یہ پیدائش سے موت تک انسان کے ساتھ ساتھ چلتا رہتا ہے۔محرکہ اکتساب کا دل کہلاتا ہے۔اکتسابی عمل مسلسل تبدیل ہوکر وقوع پذیر ہوتا ہے۔ایک طرف سیکھنے کے دوران معلومات اورمہارتوں میں اضافہ ہوتا ہےتو دوسری طرف اس کے کردار میں موزوں تبدیلی رونما ہوتی ہے۔

5.3.1 اکتساب کا تصور(Concept of Learning)

اس حصہ میں ہم اکتساب سے متعلق مختلف تصورات کو سمجھیں گے۔مختلف ماہرین نفسیات کے نظریات:

- ☆ آرتھر گیٹس کے مطابق ''تجربات کے ذریعے فرد کے برتاؤ میں ہم تبدیلی کو اکتساب کہتے ہیں۔
- ☆ جی۔ڈی۔بوج (G.D.Butch) کے مطابق ''محرکہ اور ردعمل کے درمیان مضبوط تعلق اکتساب کہلاتا ہے۔
- ☆ Garrage کے مطابق '' کردار میں ربط وضبط کو اکتساب کہتے ہیں''۔
- ☆ اسمتھ (Smith) کے مطابق ''اکتساب کردار،اصول اور تجربات میں پختگی یا کمزوری ہے''۔
- ☆ Crow&Crow کے مطابق ''اکتساب،معلومات اور رویے کی تبدیلی کا نام ہے''
- ☆ Wood Worth کے مطابق ''اکتساب نئی معلومات اور نئے ردعمل کا طریقۂ کار ہے''
- ☆ Gardnar Murphy کے مطابق ''اکتساب کا مطلب ہے کردار میں کسی بھی قسم کی تبدیلی جو مخصوص حالات یا واقعات سے نمٹنے کے لیے ہو۔

لیکن بعض ماہرین نفسیات یہ کہتے ہیں کہ کردار میں وقتی طور پر تبدیلی ہو سکتی ہے۔اس کو اکتساب نہیں کہا جاتا ہے۔ بلکہ کردار میں مستقل تبدیلی کا نام اکتساب ہے۔

5.3.2 اکتساب کے مقاصد(Objectives of Learning)

وقت کے ساتھ ساتھ جسم میں رونما ہونے والی تبدیلیاں پختگی کی طرف لے جاتی ہیں۔

بچے کے رجحانات اور میلانات کو بڑھاوا دینے والا عمل اکتساب کہلاتا ہے۔مطابقت سے رشتہ رکھنے والا عمل اکتساب کہلاتا ہے۔

تیرنا،کار چلانا وغیرہ صلاحیتیں کے سیکھنے کے لیے تربیت کی ضرورت ہوتی ہے۔اکتساب کے لیے تین عوامل کی ضرورت ہوتی ہے۔

(1)محرکہ(2)شوق(3)دلچسپی

محرکہ اکتساب کا دل کہلاتا ہے۔

نوٹ : کسی بھی کردار کو S-R سے ظاہر کیا جاتا ہے جہاں S کے معنی مہیج (Stimulus)اور R کے معنی جوابی ردعمل(Response) کے ہیں۔S-R کے درمیان جو رشتہ ہے اسے Bond کہتے ہیں۔

5.3.3 اکتسابی مراحل (Learning Prosess)

اکتسابی عمل سے مراد ہے جو کچھ ہم سیکھتے ہیں یہ عمل زندگی بھر جاری رہتا ہے۔انسان اپنے کردار کو نبھاتا ہے اور جو کچھ سیکھتا ہے اس کا اثر اس کے کردار پر نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔اکتسابی عمل کے واقع ہونے کے لیے کسی ضرورت کا لاحق ہونا ضروری ہے یا محرکہ کا پیدا ہونا۔ ضرورت کو پورا کرنے کے لیے کی جانے والی کوشش سے جو برتاؤ میں تبدیلی رونما ہوتی ہے،اکتساب کہلاتی ہے۔

کوئی ایسا قانون نہیں ہے جس میں اکتساب کے لیے ہر وقت کوئی ضرورت پیش آئے۔بعض اوقات ہم میں یہ محرکہ یا دلچسپی پیدا ہوتی

ہے کہ ہم کوئی نئی چیز کی ایجاد کریں۔نئی چیزوں کی ایجاد کے دوران بھی اکتساب ہوسکتا ہے۔کامیاب معلم طلبا میں محرکہ پیدا کر کے اکتساب کے لیے راغب کرتا ہے۔اکتساب کا عمل حسب ذیل شکل کے ذریعے بتلایا جا سکتا ہے۔

☆ اکتساب کا پہلا مرحلہ محرکہ ہے۔ضرورت محسوس ہوتی ہے یا محرکہ پیدا ہوتا ہے۔

☆ دوسرا مرحلہ مقصد ہے۔اکتساب با مقصد ہونا چاہیے۔

☆ تیسرا مرحلہ مقصد کو حاصل کرنے میں رکاوٹیں اوران رکاوٹوں کو دور کرنا۔

☆ رکاوٹیں۔انفرادی بھی ہوسکتی ہیں اور سماجی بھی ہوسکتی ہیں۔

☆ محرکہ۔اندرونی اور بیرونی محرکہ کے ذریعے منزل طے کر لینا ہے۔

5.3.4 اکتسابی اصول (Principles of Learning)

sاکتسابی عمل کی وضاحت کرنے کے لیے متعدد نظریات ماہرین نے پیش کیے ہیں۔جن میں تھارن ڈائیک، پالوف، اسکنر وغیرہ نے کئی جانوروں جیسے کتے، بلی، چوہے، کبوتر۔اور مرغی کے چوزوں وغیرہ پر کئی تجربات کیے ہیں اور ان ہی تجربات کی روشنی میں اکتساب اور اکتسابی اصولوں کو مرتب کیا ہے۔

تھارن ڈائیک کے اکتسابی قوانین:

(1) قانونِ آمادگی (Law of Readiness)

(2) قانونِ تاثیر (Law of Effect)

(3) قانونِ مشق (Law of Exercise)

(4) قانون شدت (Law of Intensity)

تھارن ڈائیک کے ذیلی قوانین:

(1) کثیر جوابی ردِعمل کا قانون

(2) Preposition سیٹ کا قانون

(3) Partial Activity یا جزوی عمل کا قانون

(4) Analogy مماثل مشابہہ قانون

(5) Associate یا شراکت کا قانون

قانون آمادگی:

اگر بچہ پڑھنے کے لیے آمادہ ہو تو مہیج اور جوابی ردِعمل کا درمیانی رشتہ یعنی Bond طاقتور ہو جاتا ہے۔اگر بچہ پڑھنے پر آمادہ نہ ہو تو مہیج اور جوابی ردِعمل کا درمیانی رشتہ کمزور ہو جاتا ہے۔

☆ جب بچہ عملی طور پر سیکھتا ہے تو اس میں داخلی اور خارجی عوامل شامل ہوتے ہیں۔داخلی عوامل میں تحریک، اُمنگیں، خواہشات، مقصد کو حاصل کرنے کی چاہت، دلچسپی، جسمانی صلاحیت وغیرہ کا شمار ہوتا ہے۔جب کہ خارجی عوامل میں سماجی، معاشی حالت، تدریسی ماحول، تدریسی

اوقات مقام، تدریسی جماعت، انتظام وغیرہ کا شمار کیا جاتا ہے۔

جب بچہ کام کرنے پر آمادہ ہوجاتا ہے تو اس کا کام کرنا، سکون واطمینان بخش ہوتا ہے اور اگر انجام نہ پا سکا تو تکلیف اور بے چینی ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں آمادگی سے مراد یہ ہے کہ جب کوئی بچہ کام کرنے کے لیے بالکل آمادہ ہوتا ہے۔ اگر اسے بغیر روک ٹوک کے انجام دینے کا موقع مل جائے تو اس کو مسرت اور خوشی ہوگی اور اگر رکاوٹ رنج وتکلیف ہوتو وہ مایوس ہوجاتا ہے۔ مثلاً ایک بچہ مدرسے سے آکر کھیلنے لگے۔ اگر اسے اس وقت زبردستی پڑھنے پر مجبور کیا جائے تو اسے بیزارگی ہوگی اس لیے مدرس کو چاہیے کہ وہ بچے میں آمادگی اور دلچسپی پیدا کرے تاکہ مشکل سے مشکل کام کو دلچسپی صحت اور عمدگی کے ساتھ انجام دے سکے۔

قانون آمادگی کی تعلیمی اہمیت:

قانون آمادگی سے معلم کو یہ سبق ملتا ہے کہ وہ بچوں میں کام کی طلب پیدا کرے۔ جب ایسی طلب بچہ میں پیدا ہو وہ مشکل سے مشکل کام کو بھی صحت وعمدگی کے ساتھ انجام دینے لگتا ہے۔ بس ضروری ہے کہ وہ معلم ہمیشہ بچے کی دلچسپیوں کی خط پر چلیں کیوں کہ ہر قسم کے اکتساب کے لیے ذاتی تحریک اور دلچسپی کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔

☆ اس قانون کی تعلیمی اہمیت معلم کے لیے یہ ہے کہ وہ سکھاتے وقت مضمون کے کسی بھی یونٹ کے ذیلی یونٹ بنا کر پیش کرے اور انتہائی عام اور فہم زبان میں بچوں سے تفہیم کریں۔

قانونِ تاثیر:

اگر دورانِ اکتساب بچوں میں اطمینان پایا جاتا ہے تو مہیج اور جوابی ردعمل کے درمیان کا رشتہ مضبوط ہوجاتا ہے۔ اگر بچے میں دورانِ اکتساب غیر اطمنان بخش حالات موجود ہوں تو مہیج اور جوابی ردعمل کو جوڑنے والا رشتہ کمزور پڑ جاتا ہے۔ اگر اکتساب کے دوران بچوں کی Rewarding یعنی انعام، حوصلہ افزائی کی جائے تو مہیج اور جوابی ردعمل کو جوڑنے والا رشتہ مضبوط ہوجاتا ہے۔ اور اگر سزا کا طریقہ آزمایا جائے تو درمیانی رشتہ کمزور پڑ جاتا ہے۔ جوابی حرکت کے نتیجہ کے طور پر کوئی خوشگوار حالت وقوع پذیر ہوتی ہے تو اس کے تعلق کے استحکام میں اضافہ ہوتا ہے۔ اگر تعلق قائم ہونے کے ساتھ بیزارگی ہوتو اس تعلق کی فوقیت میں کمی واقع ہوگی۔ مثلاً اگر بچہ زیادہ مٹھائی کھا کر پیٹ کے درد میں مبتلا ہوجاتا ہے تو وہ مٹھائی سے دور بھاگتا ہے۔ بشرطیکہ اس کو اس بات سے واقفیت کروائی جائے کہ اسے درد مٹھائی کی وجہ سے نہیں بلکہ دوسری وجہ سے ہوا ہے۔ پھر وہ مٹھائی کی طرف راغب ہوگا۔ اسی طرح دوران سبق بچوں کو جھڑکیاں اور سزائیں نہیں دینی چاہیے۔ لیکن جس سبق کی تعلیم وتفہیم دلچسپی اور موزونیت کے ساتھ ہوتو بچہ کی اس سے وابستگی اور دلچسپی پیدا ہوگی۔

قانون تاثیر کی تعلیمی اہمیت:

عمدہ درسی عمل میں حوصلہ افزائی، تعریف اور انعامات کی غیر معمولی اہمیت ہوتی ہے۔ اگر کمرہ جماعت میں کوئی طالب علم کسی سوال کا عمدہ جواب دیتا ہے تو معلم کو چاہیے کہ اس کی حوصلہ افزائی کرے جیسے شاباش وغیرہ کہے۔ جس سے طلبا میں ذہنی اطمینان اور مسرت ہوگی اور بعض موقعوں پر انہیں انعامات وغیرہ سے نوازا جائے تو ان میں اور بھی بہتری ہوگی۔ اس کے برخلاف معلم طلبا کو سزا اور غیر اخلاقی جملوں کا استعمال کرے تو اس کے مضر اثرات مرتب ہوں گے۔

قانونِ مشق:

اس قانون کو تکرار یا اعادہ کا قانون بھی کہا جاتا ہے۔ اگر اکتساب کے دوران بچوں کو زیادہ مشق کروائی جائے تب مہیج اور جوابی ردعمل کا

رشتہ طاقتور ہوگا اور اگر بچوں کو زیادہ مشق نہ کروائی جائے تو یہ رشتہ کمزور ہو جائے گا۔اس قانون کو تکرار یا اعادہ بھی کہا جاتا ہے۔اس قانون کو انگریزی کہاوت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔''Practice makes a man perfect''اس کا مطلب یہ ہے کہ بار بار اعادہ کرنے سے علم قائم رہ سکتا ہے۔یہ تعلیم میں اور خاص کر ریاضی کے مضمون کے لیے کافی کارآمد ہوتا ہے۔

قانونِ مشق کے دو حسب ذیلی قوانین ہیں۔

(1) قانونِ استعمال(Law of Use)

(2) قانون عدم استعمال(Law of Disuse)

(1) قانونِ استعمال(Law of Use)

جب کوئی محرک مہیج اور جوابی ردعمل میں ایک تغیر پذیر تعلق یعنی Bond قائم کیا جاتا ہے اور اس تعلق کا بار بار اعادہ ہوتا ہے تو وہ تعلق استوار اور مستحکم ہوتا ہے۔اور پھر اس مخصوص عمل کے اکتساب میں کوئی عضویاتی دشواری محسوس نہیں ہوتی۔

(2) قانون عدم استعمال(Law of Disuse)

جب کسی مہیج اور جوابی ردعمل یعنی Response میں کوئی تغیر پذیر تعلق Bond کچھ عرصے تک قائم نہیں کیا جاتا تب وہ تعلق کمزور ہو جاتا ہے۔

☆ قانون مشق کی بنیاد عصبی نظام کی تغیر پذیری ہے۔اکتساب کے شروع میں بہت سے اعصابی سلسلے حرکت میں آتے ہیں لیکن رفتہ رفتہ کمی واقع ہوتی ہے اور جب بار بار اس کا اعادہ ہوتا ہے اس کا اثر اور بھی زیادہ ہوتا ہے۔اس لیے یہ مسلمہ ہے کہ کسی ہنر میں مہارت اس کی تکمیل مشق سے ہوتی ہے اور جب اس فن یا ہنر کی مشق ترک کر دی جائے تو وہ اثر بھی کمزور ہو جاتا ہے۔تعلیم میں بچوں میں موزوں اور عمدہ جوابی حرکات کا موقع زیادہ سے زیادہ رہنا چاہیے۔

قانونِ مشق کی تعلیمی اہمیت:

معلم کو کسی بھی قسم کی تعلیم دینے کے لیے مشق کی ذمہ داری قبول کرنا چاہیے۔ریاضی کے مسئلے حل کرنے کے لیے ان سے بہت زیادہ مشق کروانا چاہیے۔جملوں کی قسمیں، کہاوتوں کا جملوں میں استعمال کروانا، سائنسی مضامین میں تجربات کی مشق کروانی چاہیے۔اس کے علاوہ کمپیوٹر ایجوکیشن، آرٹ ایجوکیشن ان تمام میں مشق کی یا اعادہ کی بے حد ضرورت ہوتی ہے۔لہٰذا معلم ایسے مختلف تکنیک عمل میں لائے جن کے ذریعے سے بچوں میں مشق کی عادت کو فروغ دیا جاتا ہے جن سے تدریسی عمل بھی مئوثر ثابت ہوتا ہے۔

قانونِ شدت(Law of Intensity):

خوشگوار ماحول میں سیکھنے والے طلبا جو پوری دلچسپی کے ساتھ سیکھتے ہیں انہیں کافی فائدہ پہنچا تا ہے۔تحقیق سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ طلبا کی جتنی حوصلہ افزائی اور ہمت افزائی کی جائے اتنی ہی ان میں اکتساب کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے اور سیکھنے کا عمل بھی کافی تیزی کے ساتھ بڑھتا ہے۔اس کو قانونِ شدت کہا جاتا ہے۔اکتساب پر انعام کے کیا اثرات پڑتے ہیں، جانچنے کے لیے جوابی ردعمل اور انعام کے درمیان پایا جانے والا وقفہ بہت ہی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔جوابی ردعمل یا Response اور انعام کے درمیان وقفہ جب کم ہوگا سیکھنے کا عمل اتنا ہی زیادہ طاقتور ہوگا۔

5.4 اکتساب پر اثر انداز ہونے والے عوامل:

اکتساب پر اثر انداز ہونے والے عوامل، اکتسابی عناصر کہلاتے ہیں۔ عام طور پر اکتساب پر اثر انداز ہونے والے عوامل کو حسب ذیل قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(a) سیکھنے والے سے متعلق

(b) سیکھے جانے والے مواد سے متعلق

(c) اکتسابی طریقوں سے متعلق

(a) سیکھنے والے سے متعلق:

طالب علم کا انفرادی فرق جیسے طبعی، سماجی۔ جذباتی اور تعلیمی عوامل شامل ہیں۔

5.4.1 انفرادی فرق (Individual Differences)

ہر فرد ایک دوسرے سے جدا ہوتا ہے اس میں ہر طرح کا فرق نظر آتا ہے۔ جیسے جذباتی فرق، جسمانی فرق، سماجی فرق اور تعلیم میں بھی فرق ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ سیکھنے کی رفتار، سیکھنے کا وقت ہر فرد کے لیے علاحدہ علاحدہ ہوتا ہے لہٰذا اس ضمن میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اکتساب پر انفرادی اختلاف کا بھی بہت حد تک اثر ہوتا ہے۔ سیکھنے والے سے متعلق اکتسابی عناصر کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(1) جسمانی عنصر (Physical Factor)

(2) ذہنی عنصر (Mental Factor)

(1) جسمانی عنصر (Physical Factor)

جسمانی عنصر کے تحت (a) عمر Age (b) پختگی Maturity (c) تکان Fatigue

(a) عمر (Age)

اکتساب کے لیے عمر کی کوئی قید نہیں ہے۔ البتہ مقررہ عمر میں ہی اکتساب کو موثر طریقے سے حل کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً شیر خوار بچہ اکتساب کو حاصل نہیں کر پاتا کیوں کہ اس میں پختگی کا فقدان ہوتا ہے۔ اسی طرح زیادہ عمر دراز افراد کے لیے بھی اکتساب حاصل کرنا دشوار ثابت ہوتا ہے کیوں کہ عمر کی زیادتی کی وجہ وہ موثر انداز سے اکتساب نہیں کر پاتے۔

(b) اکتساب کا اثر پختگی پر

اکتساب کے لیے بلوغیت کا ہونا بہت ضروری ہے۔ کسی بھی فرد کے کچھ سیکھنے سے پہلے اس کے حسی اعضا اور عصبی نظام کو ایک سطح تک پختہ ہونا ضروری ہے۔ اگر ایک چھوٹے بچے کو کہا جائے کہ انگلیوں کی مدد سے گنتی یا پہاڑا یاد کرے یا ضرب یا تقسیم کرنے کو کہا جائے تو وہ نہیں کر سکتا۔ کیوں کہ وہ اس قسم کے کام کرنے کے لیے ابھی پختہ نہیں ہوا ہے۔ بعض چیزوں کو سیکھنے کے لیے معلومات، قوت، تجربہ اور جدت پسندی وغیرہ جیسی صلاحیتوں کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ تمام صلاحیتیں سن بلوغ کو پہنچنے کے ساتھ ہی طلبا بہتر طور پر حاصل کر سکتی ہیں۔ اس لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اکتساب کا انحصار بلوغیت پر ہے۔

(c) تکان(Fatigue)

کسی کام کو لگاتار کرنے یا مسلسل لگے رہنے سے تکان پیدا ہوتی ہے۔ تکان کا مطلب تھکاوٹ ہے۔ تکان دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک عارضی تکان اور دوسری مستقبل تکان۔ عارضی تکان میں وقفہ یا Interval کے ذریعے اسے دور کیا جاسکتا ہے۔ اس کے برخلاف مستقل تکان کے لیے مستقل آرام کی ضرورت ہوتی ہے جس میں اکتساب صفر ہوجاتا ہے۔ اس کے بعد اکتساب حاصل کرنا مشکل ہوجاتا ہے۔

5.4.2 ذہنی عنصر (Mental Factor):

ذہنی عنصر کے تحت (a) دلچسپی (Interest) (b) توجہ Attention (c) محرکہ Motivation

(a) دلچسپی (Interest):

کسی بھی اکتساب کے لیے دلچسپی کا ہونا بے حد ضروری ہوتا ہے۔ اگر دلچسپی نہ ہو تو اکتساب کا ہونا مشکل ہے۔ دلچسپی اگر ہوتی ہے تو سیکھے جانے والے مواد پر ذہانت مرکوز ہوتی ہے۔

(b) توجہ (Attention)

اکتساب میں جس طرح دلچسپی کو اہمیت حاصل ہے اسی طرح توجہ کا ہونا بھی اکتسابی کامیابی کے لیے ضروری عنصر ہے۔ ذہنی یکسوئی کے لیے توجہ کا ہونا بے حد ضروری ہے۔

(c) محرکہ (Motivation)

محرکہ اکتساب کا دل ہوتا ہے بغیر محرکہ کے اکتساب ناممکن ہے اور غیر فائدہ مند ثابت ہوتا ہے۔ سیکھنے کی جستجو اور حاصل کرنے کا جذبہ پائے جانے والے طلبا میں اکتساب کی رفتار کافی تیز ہوتی ہے۔ اکتسابی اصولوں کو اپناتے ہوئے طلبا میں محرکہ کو فروغ دیا جاسکتا ہے۔

سیکھے جانے والے مواد سے متعلق:

(a) بامعنی اکتساب (b) مشکلات کی سطح Difficulty Level (c) مواد مضمون۔

(a) بامعنی اکتساب: اگر اکتساب میں بامعنی اکتساب دیا جایے تو اکتساب موثر ثابت ہوتا ہے۔

(b) مشکلات کی سطح: طلبا کی ذہانت اور عمر کا خیال رکھتے ہوئے اکتساب کیا جایے ورنہ اکتساب کی رفتار سست ہوگی۔ لہٰذا سیکھایا جانے والا مواد آسان اور عام فہم ہو۔

(c) مواد مضمون:

ہمیشہ مواد مضمون طلبا کی ذہنی سطح اور ان کی ذہانت کے مطابق ہونا چاہیے۔ ورنہ مشکل مواد ہو تو اکتساب حاصل کرنا مشکل ثابت ہوتا ہے۔

III۔ اکتسابی طریقے:

اکتسابی طریقے کا اکتساب کو موثر بنانے میں کافی اہم رول ہوتا ہے۔ ہر سبق، مضمون اور عنوان کے تحت طریقہ تدریس اور اکتسابی طریقے موثر ہونے چاہئیں۔

5.5 اکتساب کے نظریات اور کمرۂ جماعت میں ان کے مضمرات

(Theories of Learning and its Classroom Implications)

5.5.1 سعی اور خطا کا اکتسابی نظریہ (Trial and Error Theory of Learning)

امریکی ماہر نفسیات ای۔ایل۔تھارن ڈائک نے اکتساب کے اس نظریہ کو پیش کیا۔اس نظریہ کو پیش کرنے کے لیے انہوں نے بچوں، بلی اور چوہوں پر متعدد/مختلف تجربات کیے۔ بلی پر کیا جانے والا تجربہ سب سے مشہور ہے۔اپنے مختلف تجربات کی روشنی میں تھارن ڈائک نے جس نظریہ کو پیش کیا اسے انہوں نے سعی اور خطا کا اکتسابی طریقہ (Trial & Error Method of Learning) اور رابطہ کا اکتسابی نظریہ (Connectionism Learning Theory) کا نام دیا۔ بقول تھارن ڈائک سیکھنے یا اکتساب کا عمل سعی و خطا یعنی کہ کوشش اور غلطی کی مدد سے ہوتی ہے اور سیکھنے کے عمل میں مہیج (Stimulus) اور ردّ عمل یعنی کہ (Response) کے مابین ایک رشتہ یا رابطہ قائم ہو جاتا ہے جسے انہوں نے Connection کا نام دیا۔اسی لیے اس اکتسابی نظریہ کو رابطہ/ رشتہ کا (Connectionism) اکتسابی نظریہ یعنی کہ Connectionism Theory of Learning کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔

تھارن ڈائک کے مطابق اکتسابی عمل کوشش اور غلطی کا مجموعہ ہے۔ہم کوشش کرتے ہیں، غلطی کرتے ہیں، پھر کوشش کرتے پھر غلطی کرتے ہیں اور یہ کوشش و غلطی کا سلسلہ تب تک جاری رہتا ہے جب تک ہم اس شے کو سیکھ نہ لیں۔اسی لیے سیکھنے کے اس عمل کو تھارن ڈائک نے سعی اور خطا کا طریقہ اکتساب (Trial & Error Method of Learning) کا نام دیا۔ بقول تھارن ڈائک سیکھنے کے عمل میں غلطیوں کی تعداد متواتر گھٹتی جاتی ہے اور جب سیکھنے والا بار بار کوشش کرتا ہے تو کوئی نہ کوئی کوشش کامیاب ہو جاتی ہے مستقبل میں اس کامیاب کوشش کو دہرایا جاتا ہے اور اس طرح سے اکتساب مستحکم ہو جاتا ہے۔ ہماری زندگی میں ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں جن میں کسی چیز یا شے کو سیکھنے کے لیے لاشعوری طور پر ہم سعی و خطا کے نظریہ پر کاربند رہتے ہیں اور سیکھنے کے عمل میں کوشش اور غلطیوں کا ارتکاب کرتے ہیں۔اور کوشش و غلطی کا سلسلہ اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک کہ ہم اس شے کو سیکھ نہ جائیں۔مثال کے طور پر بچپن میں ہم سائکل چلانا سیکھتے ہیں۔آپ ذرا یاد کیجیے جب ہم سائکل پر پہلی بار چڑھتے ہیں پھر کیا ہوتا ہے۔ یقیناً ہم زمین پر گر جاتے ہیں یعنی کہ اس دنیا میں کوئی بھی ایسا شخص نہیں ہے جو پہلی بار سائکل پر سوار ہونے کے بعد کامیابی سے سائکل چلانا شروع کر دیتا ہے۔اگر سائکل چلانا سیکھنا ہے تو گرنا بھی پڑے گا یعنی کہ غلطی بھی ہوگی۔ٹھیک اسی طرح کی بے شمار مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں مثلاً روٹی بنانا سیکھنا، لکھنا سیکھنا، ٹائپ کرنا سیکھنا وغیرہ۔

اس نظریہ کے مطابق اکتساب یعنی کہ سیکھنے کے لیے کوشش لازمی شے ہے اگر ہم مسلسل کوشش نہ کریں تو نہیں سیکھ سکتے کیوں کہ بہت سے افراد ایسے ہوتے ہیں جنھوں نے پہلی بار کوشش کی اور غلطی کی وجہ سے پھر نئی کوشش نہیں کی تو وہ افراد اس چیز کو نہیں سیکھ سکے۔مثال کے طور پر اگر کوئی فرد پہلی بار سائکل پر چڑھا اور گر گیا، زخم کی وجہ سے یا چوٹ لگنے کے ڈر سے اس نے دوبارہ کوشش نہیں کی تو زندگی بھر سائکل نہیں چلا سکتا۔اس لیے اکتساب کے لیے مسلسل کوشش لازمی ہے۔ جب انسان مسلسل کوشش کرتا ہے تو غلطیوں کی تعداد متواتر کم ہوتی جاتی ہے اور کامیاب کوشش کو دوبارہ دہرایا جاتا ہے حتیٰ کہ اس شے کو مکمل طور پر سیکھ نہ لیا جائے۔

تھارن ڈائک کا اکتسابی تجربہ (Learning Experiment Thorndike)

تھارن ڈائک نے اس نظریہ کو پیش کرنے کے لیے اپنا کامیاب تجربہ جو بلی پر کیا تھا دنیا کے سامنے مثال کے طور پر پیش کیا اور یہ ثابت

کرنے کی کوشش کی کہ سیکھنے کا عمل کوشش اور غلطیوں کے مجموعے کا نام ہے۔تو آیئے اب ہم آپ کو تھارن ڈائک کا ایک بھوکی بلی پر کیا جانے والا تجربہ کے متعلق بتاتے ہیں۔تجربہ کے لوازمات حسب ذیل ہیں۔(1) بھوکی بلی (2) تجرباتی پنجرہ (3) مچھلی۔اگر آپ ان تین چیزوں کو یاد رکھیں گےتو یہ تجربہ آپ کے دماغ میں مستحکم ہوجائے گا۔

چوں کہ یہ ایک تجربہ ہےاس لیے سب سے پہلے تھارن ڈائک نے ایک بھوکی بلی کا انتخاب اپنے تجربہ کے لیے کیا۔پھر انہوں نے ایک تجرباتی پنجرہ بنوایا جس کو ہم تھارن ڈائک پزل باکس(Thorndike Puzzale Box) کہتے ہیں۔اس مخصوص پنجرے کو کھولنے کا نظم اندر سے کیا گیا تھا یعنی کہ ایک لیور ایسا بنایا گیا تھا کہ اس کو دبایا جائے تو دروازہ کھل جایے۔اسی پنجرے میں اس مخصوص بلی کو بند کر دیا جاتا اور پنجرے کے باہر ایک پلیٹ میں مچھلی رکھ دیا جاتا۔ بعدازاں تھارن ڈائک کچھ فاصلے پر بیٹھے اس کا مشاہدہ کرتے۔کیا دیکھتے ہیں کہ جوں ہی بھوکی بلی کو پنجرے میں بند کیا گیااوراس کے باہر مچھلی دیکھتے ہی وہ بلی نے اس مچھلی کو حاصل کرنے کے لیے اچھل کود مچانی شروع کردی۔اِدھر اُدھر اُچھل کود کرتے وقت اس کا پنجہ اچانک اس لیور یا کھٹکے پر پڑ گیا جس کو دبانے سے وہ پنجرہ کھل جاتا تھا۔فوراً بلی باہر آئی اور مچھلی کو نوش فرمایا۔تجربہ کا یہ سلسلہ متواتر چلتا رہا۔تھارن ڈائک ہر اگلے تجربہ کے دوران بلی کے پنجرے سے باہر آنے کا وقت نوٹ کرتے رہے۔دورانِ تجربہ تھارن ڈائک نے یہ محسوس کیا کہ کہ پنجرے سے باہر نکلنے کا وقت کم ہوتا جا رہا ہے یعنی کہ اگر پہلی بار بلی پانچ منٹ میں باہر نکلی تو دوسری بار چار منٹ میں ہی باہر آ گئی۔اسی طرح ہر اگلے تجربے میں وقت کم ہوتا گیا اور آخر میں جوں ہی دروازہ بند ہوتا وہ فوراًاس لیور کو دباتی اور باہر آ کر اپنی پسندیدہ غذا حاصل کر لیتی۔اس طرح بلی نے مسلسل کوشش اور غلطی کے نتیجے میں یہ سیکھ لیا کہ کون سی کوشش کامیاب ہورہی ہے۔آخر میں وہ بغیر غلطی کیے ہوئے صحیح بٹن دبا کر اس تجرباتی پنجرے سے باہر آ جاتی۔یعنی کہ بلی نے مسلسل کوشش اور غلطیوں کے نتیجے میں یہ سیکھ لیا کہ باہر آنے کے لیے کس بٹن کو دبانا ہے۔اس سیکھنے یا اکتساب کے عمل کو تھارن ڈائک نے سعی اور خطا کا نظریہ بتایا۔اور یہ ثابت کر دیا کہ سیکھنے کے لیے کوشش اور غلطی لازمی ہے۔

☆ اکتساب کے مراحل۔تجربات کی روشنی میں تھارن ڈائک نے اکتساب یا سیکھنے کے مراحل بیان کیے جو کہ اس طرح ہیں۔

(1) محرّکہ/ضرورت (Motive, Need)

(2) ہدف/مقصد (Goal)

(3) رکاوٹ (Barrier)

(4) کوشش (Trial)

(5) اچانک کامیابی (Random Success)

(6) صحیح کوشش کا انتخاب (Selection)

(7) مقررعمل (Fixation)

بقول تھارن ڈائک اکتساب ایک مرحلے کے تحت ہوتا ہے جو ترتیب کے ساتھ ہوتا ہے جسے ہم Step by Step مرحلہ کہتے ہیں۔ یعنی کہ سیکھنے کا عمل ایک مکمل Process ہے جس میں سیکھنے والا درجہ بہ درجہ آگے بڑھتا ہے اور مختلف مراحل سے گزرتا ہوا اپنے ہدف یعنی کہ سیکھنے کے مقصد کو حاصل کرتا ہے۔تھارن ڈائک فرماتے ہیں کہ سیکھنے یا اکتساب کے لیے محرکہ یا Motive ضروری ہے۔اگر ہمارے اندر محرکہ نہ ہوتو ہم اس چیز کو بالکل نہیں سیکھ سکتے۔تجربہ میں بلی کے لیے محرکہ اس کی بھوک ہے۔اگر بلی بھوکی نہ ہوتی تو پنجرے سے باہر آنے کی کوشش نہ کرتی۔

اس لیے اکتساب کے لیے سب سے اول اور لازمی شے ضرورت ہے۔ اگر ہمیں B.Ed. ڈگری کی ضرورت نہ ہوتی تو ہم بی۔ایڈ کورس میں داخلہ نہ لیتے۔ ٹھیک اسی طرح سیکھنے کا دوسرا مرحلہ مقصد کو حاصل کرنا ہے۔ تجربہ میں بلی کے لیے مقصد اس مچھلی کو حاصل کرنا ہے۔ اور مقصد کو حاصل کرنے کے لیے بلی نے اُچھل کود شروع کردیا۔ تیسرا مرحلہ رکاوٹ کا ہوتا ہے۔ اس تجربہ میں پنجرہ ایک رکاوٹ ہے بلی کو اپنے مقصد کو حاصل کرنے میں۔ چوتھا مراحلہ کوشش کا ہے جس طرح بلی نے کوشش کرنا شروع کی کہ وہ کس طرح باہر آئے۔ جس طرح ایک بچہ سائکل چلانے کی کوشش کرتا ہے۔ پانچویں مرحلے کے طور پر کوشش کے دوران اچانک ملنے والی کامیابی ہے۔ جس طرح تجربہ میں کوشش کرتے وقت اچھلتے کودتے وقت اچانک بلی کا پنجہ اس بٹن پر پڑتا ہے جس سے وہ پنجرے سے باہر آجاتی ہے۔ کوشش کرنے کے عمل میں سیکھنے والا صحیح کوشش کو دہراتا ہے اور ناکام کوشش کو مسترد کرتا جاتا ہے جسے ہم Selection کہتے ہیں اور آخر میں ہم اس مخصوص کوشش کو ہی دوہراتے ہیں جسے کامیاب کوشش کا نام دیا جاتا ہے۔ اس طرح سیکھنے والا سعی اور خطا کے ذریعے صحیح عمل کرنا سیکھ جاتا ہے اسی کو ہم سعی اور خطا کا نظریہ کہتے ہیں۔

☆ اکتساب/سیکھنے کے قوانین/اُصول (Laws/Principles Learning)

اپنے تجربے کی بنیاد پر تھارن ڈائک نے سیکھنے کے قوانین وضع کیے ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

- ☆ ابتدائی قوانین/اصول (Primary / Basic Laws or Principles)
- ☆ ثانوی قوانین/مراحل (Secondary Laws or Principles)

☆ ابتدائی قوانین۔ ابتدائی قوانین میں تھارن ڈائک نے تین قوانین کو شامل کیا ہے جن میں اول قانونِ آمادگی دوم قانونِ مشق اور سوم قانونِ تاثیر ہے۔ درس وتدریس میں ان تین قوانین کی بہت اہمیت ہے۔

☆ قانونِ آمادگی۔ اس قانون یا اصول کے تحت سیکھنے یا اکتساب کے لیے سب سے پہلی شرط اور ضروری شے آمادگی ہے یعنی کہ تیار ہونا۔ جب تک سیکھنے والا سیکھنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ سیکھنے کا عمل ممکن ہی نہیں ہوسکتا۔ کمرۂ جماعت میں سیکھنے کا عمل ذہنی تیاری سے ہے۔ یعنی کہ استاد کو چاہیے کہ سب سے پہلے طلبا کو ذہنی طور پر تیار کرلے اور جب طلبا ذہنی طور پر پڑھنے کے لیے یا سیکھنے کے لیے تیار ہو جائیں تو تدریسی فعل انجام دینا چاہیے۔ اگر کسی وجہ سے طلبا ذہنی طور پر تیار نہیں ہیں تو انہیں پہلے تیار کرنا چاہیے، پھر انہیں سکھانے کا عمل شروع کرنا چاہیے۔

☆ قانونِ مشق۔ یہ قول بہت مشہور ہ کہ "Practice makes man perfect" یعنی کہ بہتر اکتساب کے لیے مسلسل مشق کرنی چاہیے۔ اگر ہم واقعی کسی بھی سبق کو بہتر طور پر یاد کرنا چاہتے ہیں تو مشق لازمی جزو ہے۔ اسی لیے اسکولوں اور کالجوں میں اساتذہ طلبا کو گھر کا کام دیتے ہیں تا کہ پڑھایے گئے سبق کی مشق یا Revision ہو سکے اور طلبا کے اکتساب میں استحکام آسکے۔ اگر ہم کسی سبق کو یاد کرکے اسے نہیں دہراتے یا مشق کرتے تو کچھ دنوں کے بعد بھول جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر گیت یا Poem۔ آپ ذرا اپنی ابتدائی طالب علمی کے دور کو یاد کیجیے، کتنے Rhyms اور گانے یاد تھے لیکن اب وہ یاد نہیں رہے۔ اگر آپ نے ٹائپنگ سیکھی ہوگی اور بہت دنوں تک اسے مشق میں نہیں رکھا ہوگا تو اب ذرا ٹائپ مشین پر بیٹھیے پھر دیکھیے کہ کتنا بٹن یاد ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مشق کی کتنی ضرورت واہمیت ہے۔ بہرکیف اکتساب کو مستحکم کرنے اور کسی کام کو بہتر سے بہتر کرنے کے لیے مشق نہایت ہی لازمی ہے۔

قانونِ مشق میں تھارن ڈائک نے دو باتوں کا تذکرہ کیا ہے۔

قانونِ استعمال۔اس سے مراد یہ ہے کہ جس چیز کو سیکھتے ہیں اگر اسے عملی زندگی میں استعمال کرتے ہیں تو اسے کبھی بھول نہیں سکتے۔ لہٰذا یہ قانون ہمیں اکتساب کے سبق کو استعمال میں رکھنے کی طرف راغب کرتا ہے۔اس سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اگر ہم اکتساب میں استحکام چاہتے ہیں تو سیکھی ہوئی چیز کو ہمیشہ استعمال میں رکھنا ہوگا۔مثال کے طور پر اگر ہم نے ٹائپ کرنا سیکھا ہے تو ہمیں ٹائپ کرنے کی مشق کو جاری رکھنا ہوگا اگر ہم نے کمپیوٹر چلانا سیکھا ہے تو اس کو استعمال میں رکھنا ہوگا، اگر ہم نے کوئی سبق یاد کی ہے تو اس کو دہرانا ہوگا۔

قانونِ عدم استعمال۔اس قانون کے تحت یہ بات بتائی گئی ہے کہ اگر یاد کیے ہوئے سبق کو ہم نے دہرانا چھوڑ دیا، اگر کمپیوٹر سیکھنے کے بعد ہم نے اس کا استعمال ترک کر دیا، ٹھیک اسی طرح ٹائپنگ سیکھنے کے بعد ہم نے ٹائپ کرنا بند کر دیا۔کچھ دنوں کے بعد اگر ہم دوبارہ اس عمل کو شروع کریں گے تو یقیناً اس رفتار سے اور صحیح طور پر ہم ان تمام کاموں کو انجام نہیں دے سکتے جس کو سیکھنے کے بعد ترک کر دیا۔

☆ قانونِ تاثیر(Law of Effect)۔یہ قانون ہمیں یہ بتاتا ہے کہ سیکھنے اور اکتساب کے عمل میں دو چیزیں اثر انداز ہوتی ہیں جن کی تاثیر سے ہم سیکھتے ہیں اور کمرۂ جماعت میں یہ دونوں کافی اہمیت کی حامل ہیں۔

انعام(Reward)۔تھارن ڈائک کے مطابق اکتسابی عمل میں انعام کا کافی اہم رول ادا کرتا ہے۔یہ ایک محرکہ کا کام کرتا ہے۔دورِ جدید کے تمام ماہرین نفسیات اس بات پر متفق ہیں کہ طلبا کے اندر بہتر اکتسابی عادات کے فروغ میں انعام مثبت رول ادا کرتا ہے۔مثال کے طور پر اگر ایک استاد نے طلبا کو سبق یاد کرنے کے لیے کہا۔دوسرے دن ایک طالب علم اس سبق کو سب سے پہلے یاد کر کے استاد کو سنا دیا۔اس پر استاد خوش ہو کر اس طالب علم کو شاباشی دی، بہت اچھے اور تمام طلبا سے حوصلہ افزائی کے طور پر Clapping کرنے کے لیے کہا۔اس عمل سے یقیناً وہ طالب علم جس نے سبق سنایا تھا متحرک اور خوش ہوگا اور مستقبل میں بہتر کام کرنے کی طرف مائل ہوگا۔ساتھ ہی ساتھ دوسرے طلبا میں بھی حوصلہ پیدا ہوگا کہ ہمیں بھی استاد کے دیے گئے کام کو جلدی اور بہتر طور پر کرنا ہے۔اس طرح سے ہم دیکھتے ہیں کہ انعام کی بہت سی صورتیں ہیں، بہت سی اقسام ہیں جن کا استعمال کر کے ایک معلم کمرۂ جماعت میں درس و تدریس کی بہتر فضا قائم کر سکتا ہے۔

انعام کی مختلف صورتوں اور اقسام میں خصوصیت کے ساتھ شاباشی، بہت اچھے، Good، Very good، Excellent، Wonderful، کمرۂ جماعت کا لیڈر، کاپی و پین/قلم، ٹیم لیڈر، میڈل، سرٹیفکیٹ اور اعلیٰ کارکردگی کی صورت میں نقد انعام (جو روپیہ کی شکل میں ہو) وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

☆ کمرۂ جماعت میں اطلاق/تعلیمی مضمرات- Educational Implication

ایک معلم نے اگر حقیقی معنوں میں اس اکتسابی نظریہ کے اہم خدوخال کو سمجھ لیا، اس نظریہ میں پیش کیے گئے اکتسابی قوانین اور اصولوں کو اپنی تدریس کا حصہ بنا لیا تو یقیناً طلبا کو اکتسابی عمل میں کافی رہنمائی کر سکتا ہے۔کیوں کہ ہماری زندگی میں بے شمار اکتساب سعی اور خطا کے ذریعے عمل میں آتے ہیں یعنی کہ ہم کوشش کرتے ہیں اور غلطی کرتے ہیں اور آخر میں اس شے کو سیکھ لیتے ہیں۔تو آئیے ہم آپ کو اس نظریہ کے اہم تعلیمی مضمرات کو بتاتے ہیں اور یہ امید بھی کرتے ہیں آپ اپنے کمرۂ جماعت میں دوران تدریس ان باتوں کا پاس و لحاظ رکھیں گے اور اس نظریہ سے خاطر خواہ فائدہ اُٹھاتے ہوئے طلبا کو ان کے سیکھنے کے عمل میں مددگار معاون ثابت ہوں گے۔

(1) بطورِ معلم ہمیں یہ چاہیے کہ جب ہم کمرۂ جماعت میں داخل ہوں تو سب سے پہلے اپنے طالب علموں کی ذہنی طور پر آمادہ کریں تاکہ وہ ہماری بات کو سننے کے لیے تیار ہو جائیں۔کمرۂ جماعت میں درس و تدریس کی فضا قائم ہو جایے اور سارے طلبا اکتساب کے لیے، سیکھنے کے لیے تیار ہو جائیں۔

(2) ہمیں اپنے طلبا کو ہمیشہ یہ بات بتانی چاہیے کہ انہوں نے جس سبق کو، جس کام کو سیکھا ہے اس کو دہرائیں یعنی کہ مشق کریں جس سے یاد کیا ہوا سبق، سیکھا ہوا کام مزید بہتر طور پر یاد ہو جائے یا مستحکم ہو جایے۔

(3) ایک معلم کو طلبا کے اندر بہتر اکتسابی عادت کے فروغ کے لیے انعام اور سزا دونوں کا انتخاب کرنا ہوگا۔ وقت، حالات اور ضرورت کے مطابق موزوں ومناسب انعام یا سزا کے استعمال میں ایک معلم کو کافی محتاط رہنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

(4) یہ اکتسابی نظریہ طلبا کے اندر خوش خطی کے فروغ دینے میں کافی معاون ثابت ہوتا ہے۔

(5) ہم بار بار عمل اور مشق کے ذریعے ٹائپنگ میں مہارت، کمپیوٹر میں مہارت پیدا کر سکتے ہیں۔

(6) یہ اکتسابی نظریہ چھوٹے بچوں کے لیے کافی اہمیت کا حامل ہے طلبا کے اندر یاد رکھنے کی صلاحیت جو کہ مسلسل مشق پر مبنی ہوتی ہے، کو فروغ دیا جا سکتا ہے۔

5.5.2 کلاسیکی مشروط اکتساب کا نظریہ (Classical Conditioning Theory of Learning)

آئی۔وی۔ پاؤلو (I.V. Pavlov) نامی روسی ماہر فعلیات/طبیعیات (Physiologist) نے اس نظریہ کو پیش کیا۔ انہوں نے کتے پر کیے گئے مختلف تجربات کی روشنی میں اس نظریہ کو پیش کیا۔ جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے بنیادی طور پر وہ ماہر نفسیات نہیں تھے، نہ ہی ان کے تجربے کا مقصد اکتسابی نظریہ کو پیش کرنا تھا، بلکہ وہ ایک ماہرِ فعلیات تھے اور اپنے تجربہ گاہ میں یہ مطالعہ کر رہے تھے کہ کتے کے منہ سے لعاب (رال) کا اخراج کس طرح سے ہوتا ہے جس سے کہ کتے کے ہاضمے کے عمل (Digestive Process) کو معلوم کیا جا سکے۔

کتے پر تجربہ کرنے کے دوران انہوں نے دیکھا کہ غذا کو دیکھنے کے بعد یا ان کے نگراں کے قدموں کی آہٹ سن کر کتے کے منہ سے لعاب خارج ہونا شروع ہو گیا۔ چنانچہ پاؤلو کا دھیان اپنے اصل تجربے سے ہٹ کر اکتسابی عمل کی طرف راغب ہو گیا اور انہوں نے کتے کے لعاب خارج ہونے کی وجوہات پر تحقیق کرنا شروع کر دیا۔ پاؤلو کے اکتسابی نظریہ کو سمجھنے کے لیے پہلے ہمیں ان کا مکمل تجربہ سمجھنا ہوگا اس کے بعد ہی ہم پاؤلو کے پیش کردہ اکتسابی نظریہ جسے ہم کلاسیکی مشروط اکتساب کا نظریہ کہتے ہیں، کو بہتر طور پر سمجھنے کے لائق ہو پائیں گے۔ تو آیئے سب سے پہلے ان کا کتے پر کیا جانے والا تجربہ دیکھتے ہیں۔

☆ پاؤلو کا اکتسابی تجربہ (Learning Experiement of Pavlov)

پاؤلو نے ایک بھوکا کتا لیا اور اسے تجرباتی میز کے درمیان زنجیر میں جکڑ دیا۔ چوں کہ یہ ایک تجربہ تھا۔ اس لیے انہوں نے بالکل پر سکون کمرے میں اپنے تجربہ کو انجام دیا۔ ان کے تجربے کو سمجھنے کے لیے ہمیں ان چار چیزوں کو ذہن میں رکھنا ہوگا۔

(1) بھوکا کتا (2) تجرباتی میز (3) کھانا (4) گھنٹی کی آواز

جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے سب سے پہلے پاؤلو نے اس مخصوص تجرباتی میز کے درمیان کتے کو زنجیر سے جکڑ دیا۔ پھر اس کو کھانا پیش کیا گیا۔ کھانا دیکھتے ہی کتے کی منہ سے رال (Saliva) نکلنا شروع ہو گیا۔ اس تجربے کو پاؤلو نے متواتر دہرایا اور پایا کہ ہر بار کھانا دیکھتے ہی کتے کے منہ سے رال نکل رہا ہے۔ تجربے کے دوسرے مرحلے میں پاؤلو نے پہلے گھنٹی بجائی پھر کھانا پیش کیا۔ اور یہ عمل کئی بار جاری رکھا۔ یعنی کہ پہلے گھنٹی بجاتا پھر فوری بعد کھانا پیش کرتا۔ یہی تجربہ بار بار دہرانے سے پاؤلو نے یہ مشاہدہ کیا کہ صرف گھنٹی کی آواز سنتے ہی کتے کے منہ سے رال کا

نکلنا جاری ہو جاتا تھا۔اس طرح گھنٹی کی آواز نے گویا کتے کے لیے کھانا ملنے کی علامت یا سگنل کا کام کیا۔ تجربے کے تیسرے مرحلے میں پاوٗلو نے صرف گھنٹی کی آواز بجائی اور مشاہدہ کیا جس طرح کھانے کو دیکھ کر کتے کے منہ سے لعاب جاری ہو جاتا ہے۔اس طرح کتا گھنٹی کی آواز سے Conditioned ہو گیا اور یہ سیکھ لیا کہ گھنٹی کی آواز کھانا ملنے کی علامت ہے۔اسی اکتساب یا Learning کو پاوٗلو نے ''کلاسیکی مشروط اکتساب کا نظریہ'' کا نام دیا۔

اب آیئے ہم آپ کو اس نظریہ میں استعمال ہونے والے اہم اصطلاح (Terminology) کی مدد سے تجربے کو مزید واضح کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ چوں کہ بھوک ایک قدرتی یا فطری ضرورت ہے اور کھانا بھوک کو مٹانے کا ایک فطری اور قدرتی وسیلہ۔ بھوک کی حالت میں غذا یا کھانا دیکھ کر منہ سے لعاب (Saliva) آنا بھی ایک قدرتی عمل ہے۔اس نظریہ میں پاوٗلو نے غذا کو فطری مہیج یعنی کہ (Natural Stimulus) کا نام دیا اور غذا دیکھ لعاب نکلنے کے عمل کو (Natural Response) کا نام دیا۔اس تجربہ میں گھنٹی کی آواز کو (Artificial Stimulus) یا Conditioned Stimulus کا نام دیا یعنی کہ مشروط ہیج۔غذا کو غیر مشروط مہیج (Unconditonal Stimulus) کا نام دیا۔

جیسا کہ پہلے بھی بتایا جا چکا ہے کہ پاوٗلو نے اپنے تجربے کو مختلف مرحلے میں کیا۔ پہلے مرحلہ میں کتے کے سامنے غذا پیش کیا گیا جسے UCS کا نام دیا گیا اور غذا کو دیکھ جو رد عمل سامنے آیا اس کو UCR کہا گیا۔ٹھیک اسی طرح گھنٹی کی آواز کو CS کا نام دیا گیا اور گھنٹی کی آواز سن کر لعاب نکلنے کے عمل کو CR کہا گیا۔ چوں کہ گھنٹی کی آواز سن کر کتا Conditioned ہو گیا اور اس کے منہ سے لعاب جاری ہو گیا۔اس لیے اس نظریہ کا نام Conditional Learning Theory رکھا گیا۔

اس نظریہ کو ہم آسان زبان میں اس طرح بیان کر سکتے ہیں کہ ''یہ ایک ایسا عمل ہے جس میں Artificial Stimulus یعنی کہ گھنٹی کی آواز نے Natural Stimulus یعنی کہ غذا کی جگہ لے لی ہے اس طرح گھنٹی کی آواز غذا کی خصوصیات کا حامل بن جاتا ہے جیسا کہ اوپر میں گھنٹی کی آواز کو بار بار غذا کے ساتھ جوڑ کر پیش کیا گیا ہے۔

- ☆ مشروط اکتساب کے اصول-اپنے کیے گئے تجربات کی روشنی میں پاوٗلو نے اکتساب کے اصول مرتب کیے ہیں جو حسب ذیل ہیں۔
- ☆ تقویت کا اصول۔اس سے یہ مراد ہے کہ اکتسابی عمل کے لیے سب سے ضروری شے تقویت ہے یعنی کہ گھنٹی کی آواز کے فوری بعد غذا پیش کیا جائے۔اگر مشروط مہیج کو غیر مشروط مہیج کے ساتھ جوڑا جائے گا تبھی اکتساب موثر ہوگا۔
- ☆ وقفہ یا تسلسل کا اصول۔یعنی کہ اکتسابی عمل میں مشروط مہیج اور غیر مشروط مہیج کے درمیان بہت کم وقفہ ہونا چاہیے۔اگر گھنٹی کی آواز اور کھانا/غذا پیش کرنے کے دوران/درمیان وقفہ زیادہ ہو جایے گا تو اکتساب کا عمل متاثر ہوگا۔
- ☆ معدومیت کا اصول۔اگر گھنٹی کی آواز کے ساتھ غذا نہیں پیش کیا جاتا تو اکتسابی عمل ختم یا معدوم ہو جاتا ہے۔اس لیے لازمی ہے کہ مشروط مہیج کے ساتھ غیر مشروط مہیج کو جوڑا جائے ورنہ اکتسابی عمل رُک جایے گا جیسا کہ تجربے میں پیش۔آیا بار بار صرف گھنٹی کی آواز سنانے اور کھانا/غذا پیش نہ کرنے کی صورت میں اکتساب محدود ہوگی۔
- ☆ از خود بحالی کا اصول۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ کچھ عرصے کے بعد جب پھر اس تجربہ کو دہرایا گیا تو جو اکتساب معدوم ہو چکا تھا خود بخود دوبارہ بحال ہو گیا۔کتے کے تجربے میں کچھ وقفے کے لیے تجربہ کو موخر کر دینے کے بعد جب پاوٗلو کتے کو تجربہ گاہ میں لے گئے اور گھنٹی بجائی تو پھر سے دوبارہ کتے کے منہ سے لعاب جاری ہو گیا اور اس مرحلہ یا مقام پر پاوٗلو نے یہ ثابت کر دیا کہ اکتساب کا عمل مشروط

ہوتا ہے اوراسی کا نام پاؤلو نے مشروط اکتساب کا نظریہ رکھا۔

☆ کمرۂ جماعت میں اطلاق/تعلیمی مضمرات (Educational Implication)

مشروط اکتسابی نظریہ کو پڑھنے اور سمجھنے کے بعد ایک معلم درس و تدریس کے میدان میں اس کا استعمال کرسکتا ہے جو اس کے اندر تدریسی ذمہ داریوں کو اچھی طرح نبھانے کی صلاحیت میں اضافہ کرسکتا ہے اور طلبا کے اندر سیکھنے کی صلاحیت کو بھی بڑھا سکتا ہے۔اس نظریہ کے تعلیمی مضمرات حسبِ ذیل ہیں۔

1۔ طلبا کے اندر نظم و ضبط کو فروغ دینے میں یہ نظریہ کافی معاون ثابت ہوسکتا ہے۔

2۔ طلبا کے اندر اچھی عادتوں کے فروغ میں اور بری عادتوں کو دور کرنے میں بھی یہ نظریہ کافی مددگار ہوسکتا ہے۔

3۔ طلبا کے اندر مثبت رویوں کو فروغ دینے میں بھی یہ نظریہ کارآمد ہے۔

4۔ یہ نظریہ جانوروں کی تربیت میں بہت اہم رول ادا کرتی ہے۔

5۔ Physiotherapy اور Psychotherapy میں استعمال کیا جاتا ہے۔

6۔ الفاظ کو صحیح طور پر ادا کرانے میں اور زبان دانی کی تربیت میں بھی مددگار ہے۔

7۔ طلبا کے اندر ڈر اور خوف کو دور کرنے میں یہ نظریہ معاون ہوتا ہے۔

5.5.3 عملی مشروط اکتساب کا نظریہ (Operant Conditioning Theory of Learning)

''عملی مشروط اکتساب کا نظریہ'' امریکی ماہر نفسیات بی۔ایف۔اسکینر (B.F. Skinner) نے پیش کیا۔یہ نظریہ بھی ''مشروط نظریہ'' کے ہی درجہ کا ہے لیکن پاؤلو کے ''کلاسیکی مشروط اکتساب نظریہ'' سے مختلف ہے۔دونوں نظریات میں سب سے اہم فرق ''شروعات'' اور ''عمل'' کا ہے۔یعنی کہ کلاسیکی نظریہ کے مطابق سیکھنے والا کسی بھی عمل کو کرنے سے پہلے مہیج یعنی کہ محرکہ کے انتظار میں رہتا ہے بغیر محرکہ کے وہ کوئی بھی عمل نہیں کرسکتا۔اگر آسان زبان میں کہا جائے تو بغیر Stimulus کے Response نہیں ہوتا ہے۔اس لیے ہم اس نظریہ کو مہیج پر مرکوز (Stimulus Based) نظریہ بھی کہتے ہیں۔

بی۔ایف۔اسکینر پاؤلو کے نظریہ کے خلاف اُٹھے اور ان کا کہنا تھا کہ عملی زندگی میں انسان کسی کام یا عمل کو کرنے سے پہلے کسی مہیج یا Stimulus کے انتظار میں نہیں بیٹھا رہتا، بلکہ پہلے ''عمل'' کرتا ہے اور عمل کے بعد جو نتیجہ اخذ کرتا ہے اس کے مطابق مستقبل کا لائحہ عمل طے کرتا ہے۔اس سے بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اسکینر کے نظریہ کے مطابق پہلے ''عمل'' ہے یعنی کہ "Response" اور پاؤلو کے نظریہ کے مطابق پہلے ''مہیج'' ہے یعنی کہ "Stimulus" اور ان دو نظریات میں یہی بنیادی فرق ہے۔

اب آیئے ہم اسکینر کے عملی مشروط اکتسابی نظریہ کو مزید واضح کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔بنیادی طور پر اسکینر Behaviourism کے مکتبِ فکر سے تعلق رکھتے ہیں جس کا بانی "Watson" مانا جاتا ہے۔واٹسن کے ساتھ ایک قول منسوب کیا جاتا ہے ''ہمیں بچہ دے دو جو کہو ہم بنا کر دیدیں خواہ ڈاکٹر یا ڈاکو''، یعنی کہ اس مکتب کے مطابق کسی بھی بچے کو ایک مخصوص ماحول میں رکھ کر اس کے طرزِ عمل میں مطلوبہ تبدیلی لائی جا سکتی ہے۔یہ تصور اس بات پر بھی زور دیتا ہے کہ برتاؤ کا آغاز اضطراری یعنی کہ فطری ردّ عمل سے ہوتا ہے۔

عملی مشروطیت کو ''تقویت کی مشروطیت'' بھی کہا جاتا ہے۔یہاں پر تقویت کا تعلق مہیج کے مقابلے جوابی ردّ عمل سے ہے۔اس قسم کی

مشروطیت میں انعام یا حوصلہ افزائی کا اس وقت تک امکان موجود نہیں رہتا ہے جب تک کہ جوابی عمل سامنے نہ آئے۔اسکینر نے عملی مشروط اکتساب کو پیش کرنے کے لیے چوہوں اور کبوتروں پر تجربہ کیا۔تو آیئے اب ہم اسکینر کا تجربہ دیکھتے ہیں۔

اسکینر کا اکتسابی تجربہ(Learning Experiment of Skinner):

جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے اسکینر(Skinner) نے اپنے تجربات چوہوں اور کبوتروں پر کیا تھا۔تجربہ کو یاد رکھنے کے لیے تین چیزوں کو ذہن میں رکھیے۔

(1) چوہا/ کبوتر (2) تجرباتی ڈبہ (3) غذا۔ اپنے تجربہ کو انجام دینے کے لیے اسکینر نے ایک تجرباتی باکس بنوایا تھا جسے ہم اسکینر باکس (Skinner Box) کہتے ہیں۔اس باکس کا نظم اس طرح تھا کہ ایک بٹن کے دبنے سے اس ڈبہ پر غذا/ کھانا آجاتا تھا۔ یہ تجربہ بھی سابقہ کے مطابق ایک بھوکا چوہا چھوڑ دیا گیا اور اس چوہے نے اس باکس کے اندر اِدھر اُدھر گھومنا شروع کر دیا۔ چوں کہ چوہا بھوکا تھا اس لیے گھومتے پھرتے ہر جگہ اپنی چونچ یا منہ مارتا رہا۔ اتفاق سے اس مقام پر اس کی چونچ پہنچ گئی جس سے کہ بٹن دب گیا۔ نتیجتاً غذا نمودار ہوا اور چوہے نے اپنی غذا کھائی۔اس تجربہ کو دوبارہ دہرایا گیا۔ پھر چوہے نے بھوک کی شدت میں اِدھر اُدھر گھومنا شروع کیا اور غذا کی تلاش میں اپنی چونچ کو اِدھر اُدھر مانا شروع کیا نتیجتاً ایک وقت ایسا آیا جب اس کی چونچ اس بٹن پر پڑی اور دوبارہ کھانا سامنے آگیا۔ یہ تجربہ متواتر چلتا رہا۔ایک وقت ایسا آیا کہ بٹن دبنے پر بھی کھانا حاصل نہیں ہوا۔اس طرح چوہا نے اس عمل کو چھوڑ دیا۔ کچھ وقفے کے بعد پھر تجربہ کو دہرایا گیا تو مشاہدے میں یہ بات آئی کہ چوہے نے دوبارہ کھانے کی تلاش میں چونچ مارنا شروع کر دیا۔

اس طرح سے دیکھا جایے تو عملی مشروطیت میں جاندار خود ایک مناسب ردّ عمل دریافت کرتا ہے اور اس سے سیکھتا ہے اس کے نتیجے میں اس کا ردّ عمل ذی شعور کے برتاؤ کا حصہ بن جاتا ہے۔

بقول اسکینر اگر ہم انسانی زندگی اور بہت سے جانداروں کی زندگی کو دیکھیں اس کا مشاہدہ کریں جو اپنی زندگی کے مختلف اعمال کو سر انجام دیتے ہیں اور وہ اپنے حیاتیاتی تقاضوں اور ماحولیاتی قوتوں کے زیر اثر کئی حرکات کرتے ہیں یا عمل کرتے ہیں اور اگر کسی حرکت یا عمل کے نتیجے میں ان کو کوئی پسندیدہ چیز مل جایے یا کسی ناخوش گوار عادات واطوار سے چھٹکارا مل جائے تو جانوروں کی طرح عمل بار بار دہراتے ہیں حتیٰ کہ وہ ان کے برتاؤ کا ایک لازمی جزو بن جاتا ہے۔اس عمل کو ہم ''عملی مشروط'' یعنی کہ (Operant Conditioning) اکتسابی نظریہ کہتے ہیں۔

☆ عملی مشروط اکتساب کے اقدامات(Steps of Operant Learning)

اسکینر نے اپنے تجربات کی روشنی میں اکتساب کے مراحل بیان کیے ہیں جن کو ہم اقدامات بھی کہتے ہیں جو کہ حسبِ ذیل ہیں۔

(1) صورت گری (Shaping) - یہ عملی مشروط اکتساب کا بے حد اہم مرحلہ ہے۔اس سے مراد ہے سیکھنے والے کے طرز عمل میں مطلوبہ تبدیلیاں لانے کے لیے تقویت (Reinforcement) کا صحیح استعمال کیا جانا۔

جیسا کہ ہم نے تجربہ میں محسوس کیا صحیح عمل کے نتیجہ میں غذا فراہم کی گئی تو اس کے عمل کو تقویت ملی اور پھر بعد میں چوہے نے اس عمل کو دہرایا۔ بعد از اں سیکھنے والے کی طرف سے غلط طرزِ عمل کرنے پر تقویت دینے کا خاص فائدہ یہ ہوتا ہے کہ غلط طرزِ عمل دھیرے دھیرے ختم ہو جاتا ہے۔

اس نظریہ کے مطابق تجربہ کرنے والا ایک جاندار کے طرزِ عمل کو ایسے ہی ڈھالتا ہے یا شکل دیتا ہے جیسے کمہار برتن کو دھیرے دھیرے

ایک حقیقی   شکل دیتا ہے۔

(2) ردِّعمل کا زنجیری سلسلہ (Chaining) - اس مرحلہ کے مطابق مطلوبہ ردّعمل کو مرحلوں میں حاصل کیا جاتا ہے۔ پہلے ردّعمل کو مستحکم کرنے کے لیے تقویت پہنچائی جاتی ہے پھر دوسرے مرحلے کے ردّعمل کے لیے تحریک دی جاتی ہے اور مقصد کے حصول تک ان تمام مراحل کو آپس میں جوڑا جاتا ہے جسے ہم Chaining یا زنجیری سلسلہ کہتے ہیں۔

(3) معدوم/ختم/ٹوٹنا (Extinction) - اس کا مطلب یہ ہے کہ سابقہ میں قائم شدہ تعلق کو ختم کر دینا۔ جیسا کہ ہم نے تجربہ میں دیکھا اگر چوہا بٹن کو بار بار دباتا ہے اور اس کو غذا حاصل نہیں ہوتی تو ایک ایسا وقت آیا کہ چوہا نے بٹن دبانے کے عمل کو ترک کر دیتا ہے یا چھوڑ دیتا ہے۔ اس سے بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ غلط ردّعمل پر تقویت (Reinforcement) نہیں پہنچائی جائے تو غلط ردّ عمل دھیرے دھیرے خود بخود ختم ہو جاتی ہے۔

☆ تقویت کا تصور (Concept of Reinforcement)

اسکینر کے عملی مشروط اکتسابی نظریہ میں تقویت یعنی کہ (Reinforcement) کو مرکزی اہمیت حاصل ہے۔ ہل (Hull) کے مطابق۔ کسی عمل یا ردّعمل سے حاصل کردہ نتائج تقویت ہیں۔ یعنی تقویت سے مراد'' ہے کسی ردّعمل کے بار بار دہرانے کے امکان کا بڑھنا اور اس کے ذریعے طرزِ عمل میں مطلوبہ تبدیلی کا آنا۔ اسکینر نے اس نظریہ میں دو قسم کی تقویت کا تذکرہ کیا جو اکتسابی عمل کو متاثر کرتی ہیں۔

(1) مثبت تقویت (Positive Reinforcement)

(2) منفی تقویت (Negative Reinforcement)

مثبت تقویت وہ تقویت ہے جو کسی ردّعمل کو بار بار دہرانے کے امکان کو بڑھاتا ہے جیسے استاد کی مسکراہٹ، تعریف، شاباشی، شفقت، پیٹھ تھپتھپانا، انعام وغیرہ۔

منفی تقویت وہ تقویت ہے جو کسی ردّعمل کے بار بار دہرانے کے امکان کو گھٹائے حتیٰ کہ وہ ختم ہو جائے۔ جیسے سزا، دھمکی، پریشانی، تھکن وغیر۔

☆ نظام العمل (Schedule)۔ ہم بخوبی واقف ہو چکے ہیں کہ اسکینر کے نظریہ میں تقویت کو مرکزی مقام حاصل ہے۔ اس لیے انہوں نے کسی پسندیدہ عمل کو دوہرانے یا کسی مخصوص طرزِ عمل کو مستقل یا مستحکم بنانے اور کسی ناپسندیدہ عمل کو ختم کرنے یا اس طرزِ عمل کو کمزور کرنے کے لیے جنھوں زنے تقویت کا ایک نظام العمل تجویز کیا ہے۔

اس نظریہ کے مطابق کسی بھی طرزِ عمل کو مستقل یا طویل مدتی بنانے کے لیے تقویت کے اس نظام العمل کو استعمال کرنا فائدہ مند ثابت ہوگا۔ اگر کوئی شخص پہلی کوشش میں پہلا اقدام کامیابی سے انجام دیتا ہے تو اس کو ترغیب دی جاتی ہے تاکہ وہ اس عمل کو بار بار دہرا سکے۔ اسکینر کے نظریہ کی افادیت کو ہم درج ذیل مثالوں کی مدد سے واضح کر سکتے ہیں۔

I طلبا ایک مقررہ اوقات میں اسکول میں حاضر ہو جاتے ہیں۔

II ہم تمام افراد مخصوص کاموں، ذمہ داریوں کو مقررہ وقت پر کرتے ہیں۔

III ہم مقررہ وقت پر کھانا کھاتے ہیں۔

IV ہم مقررہ وقت پر اپنے کام پر یا آفس جاتے ہیں۔

اگر ہم غور کریں تو اسکینر نے تقویت کا ایک بہترین نظام العمل تیار کیا ہے۔

☆ کمرۂ جماعت میں اطلاق/تعلیمی مضمرات(Educational Implication)

بحیثیت استاد ہم اس نظریہ کا اطلاق اپنے درس وتدریس اور عملی زندگی میں کر کے خود اپنے طالب علموں کے لیے فائدہ کا سامان مہیا کر سکتے ہیں تو آیئے دیکھتے ہیں کہ ایک معلم کے لیے اس اکتسابی نظریہ کی کیا اہمیت ہے۔

(1) اس نظریہ میں تقویت پر زور دیا گیا ہے جو درس وتدریس میں بے حد اہمیت کا حامل ہے۔ استاد اور والدین تقویت کے ذریعے بچوں کے برتاؤ میں خوش آئند یا مطلوبہ تبدیلی(Desirable Change)لا سکتے ہیں۔

(2) اسی نظریہ کو بنیاد بنا کر اسکینر نے منظّم اکتساب(Programmed Learning)کو پیش کیا ہے جس میں طلبا ایک منظّم طور پر مرحلہ در مرحلہ اکتساب کرتے ہیں۔

(3) اس نظریہ کے مطابق طلبا کو اپنی کامیابی وناکامی اور سیکھنے کے نتائج کا وقتاً فوقتاً علم ہونا چاہیے جس سے کہ وہ کس عمل کو کرنا ہے اور کس کو ترک کرنا ہے سیکھ لیں۔

(4) اس نظریہ سے ایک استاد اپنی تدریسی فعل انجام دینے میں کافی مدد لے سکتا ہے اور تدریس کے دوران تقویت کے طور پر مسکرانا، شاباشی دینا وانعام وغیرہ ایسی ترغیبات ہیں جو طلبا کو تعلیم واکتساب کے لیے راغب کرنے کا کام کرتی ہیں۔

(5) یہ نظریہ مشق اور عادت پر زور دیتا ہے۔

(6) اس نظریہ کی مدد سے ہم طلبا کے اندر مثبت ومنفی رویوں کو فروغ دے سکتے ہیں۔

(7) یہ نظریہ کم عمر بچوں، کند ذہن بچوں اور جانوروں کی تربیت کے لیے مناسب ہے۔

(8) اس نظریہ کی مدد سے طلبا میں اچھی عادتوں کو فروغ دیا جا سکتا ہے اور بری عادتوں کو دور کیا جا سکتا ہے۔

(9) یہ نظریہ طلبا کے اندر سے ڈر اور خوف کو دور کرنے میں بھی مدد کرتی ہے۔

(10) حروف، الفاظ کا صحیح طور پر ہجے کرتے اور اعداد وشمار سکھانے میں بے حد کارآمد ہے۔

5.5.4 بصیرتی اکتساب کا نظریہ(Insight Theory of Learning)

اکتساب کے اس نظریہ کو جرمنی کے ماہرین نفسیات جن کو گیسٹالٹ سائیکالوجسٹ(Gestalt Psychologist)کے نام سے جانا جاتا ہے، نے پیش کیا اور اس نظریہ کو پیش کرنے میں تین ماہرین نفسیات شامل ہیں ورد یمر(Wertheimer)، کوفکا(Koffka)اور کوہلر(Kohler)۔ چوں کہ Gestalt ایک جرمن لفظ ہے جس کا مفہوم ہے ''ایک مکمل تنظیم'' یعنی کہ(An Organized Whole)اور اسی مفہوم میں اس نظریے کی پوری جان ہے۔ دوسری چیز جو اس نظریہ میں سمجھنے کی ہے وہ ہے بصیرت یعنی کہ Insight اور بصیرت کا تعلق انسان کے دماغ سے ہے اور دماغی صلاحیتوں سے ہے جس میں عقل، فہم، ادراک آتے ہیں۔

اب آیئے ان دو الفاظ یعنی کہ Gestalt اور Insight کی مدد سے ہم آپ کو اس اکتسابی نظریہ کے بارے میں بتانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ نظریہ کہتا ہے کہ جب ہم کسی شے کو سیکھنے کی کوشش کرتے ہیں تو اس میں ''مکمل'' طور پر اپنی فہم وفراست کا استعمال کرتے ہوئے

سیکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ نظریہ بنیادی طور پر ''اِدراک کی ماہیت'' سے جڑا ہوا ہے۔ اس نظریے کے مطابق سیکھنے والا ''جُز'' کے بجائے ''کُل'' کا ادراک کرتا ہے اور اکتسابی صورتِ حال یا ماحول کا مجموعی طور پر جائزہ لینے کے بعد مسائل اور صورتِ حال کے مابین رشتہ قائم کرتا ہے اور اپنی بصیرت کا استعمال کر کے اس مخصوص مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ سیکھنے کے عمل میں بطورِ مجموعی حالات کا جائزہ لینے کے بعد اپنی عقل، فہم، ادراک اور بصیرت کا استعمال کرتے ہوئے مسائل کو حل کرنے یا اکتساب کرنے یا سیکھنے کو ہی ہم بصیرتی اکتساب کہتے ہیں۔

بصیرتی اکتساب کا تجربہ (Experiment of Insight Learning Theory)

بصیرتی اکتساب کو بہتر طور پر سمجھنے کے لیے سب سے پہلے ہمیں کوہلر (Kohler) کا چمپینزی (Chimpanzee) جس کا نام سلطان تھا، پر کیا جانے والا تجربہ سمجھنا ہوگا۔ تو آیئے ہم آپ کو سلطان پر کیے جانے والے تجربہ کی روداد سناتے ہیں۔ آپ اپنے ذہن میں تین باتوں کو رکھ لیجیے۔ پہلا چمپینزی، دوسرا تجرباتی کمرہ اور تیسرا کیلا۔ یہ تجربہ بھی حسبِ سابق ایک بھوکے چمپینزی پر کیا گیا جس کا نام کوہلر نے سلطان رکھا تھا۔ کوہلر نے بھوکے سلطان کو ایک کمرے میں بند کر دیا اور اس کمرے کی چھت پر اندر سے کیلا لٹکا دیا۔ اس مخصوص تجرباتی کمرے میں کچھ ڈبے، کچھ آپس میں جڑ جانے والے لکڑی کے ٹکڑے بھی اِدھر اُدھر بکھیر کر رکھ دیا گیا تھا۔ تجربہ کے پہلے مرحلہ میں جب سلطان کو تجرباتی کمرے میں بند کیا گیا تو سب سے پہلے سلطان نے پورے کمرے کا جائزہ لیا تو پایا کہ کمرے کے اوپری سرے پر کیلا لٹک رہا ہے چوں کہ سلطان بھوکا تھا اس لیے اس نے اُچھل کود مچانی شروع کر دی۔ لیکن کیلا ہاتھ نہیں لگا۔ پھر سلطان ایک جگہ بیٹھ گیا اور پھر پورے کمرے کا جائزہ لیا تو اچانک اس کے دماغ میں یہ بات آئی کہ کمرے میں ڈبّہ بھی موجود ہے لہٰذا اس نے ڈبہ کو کیلے کے نیچے رکھا اور اس پر چڑھ کر اسے حاصل کرنے کی کوشش کی یہ دوسری کوشش بھی ناکام ہوگئی۔ سلطان نے پھر کمرے پر پوری نظر دوڑائی اور مزید ڈبوں کو ایک کے اوپر ایک رکھ کر اس کیلے کو حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ پھر کچھ سوچنے لگا، پورے کمرے کا جائزہ لیا۔ ایک کونے میں ڈنڈا پڑا ہوا تھا، اسے اپنے ہاتھ میں لیا پھر نئی کوشش کی۔ یہی سلسلہ چلتا رہا اور آخر میں اپنی عقل و بصیرت کا استعمال کرتے ہوئے اس نے ڈنڈوں کو آپس میں جوڑ لیا۔ پھر کیا تھا کیلا اس کے ہاتھ میں آ گیا۔ کچھ دنوں کے بعد کوہلر نے اسی تجربہ کو دوہرایا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ بڑی آرام سے سلطان ان تمام ڈبوں کو لایا اور ڈنڈوں کو آپس میں جوڑا اور بغیر کوئی غلطی کیے ہوئے ان کیلوں کو حاصل کر لیا۔ گویا کہ اپنی بصیرت اور ماحول کا بطور مجموعی جائزہ لینے کے بعد وہ سیکھ گیا کہ کیلے کو کیسے حاصل کرنا ہے۔ اسی اکتساب کا نام کوہلر نے بصیرتی اکتساب کا نام دیا۔ اور ثابت کر دیا کہ سیکھنے کا عمل بصیرت سے ہوتا ہے۔

☆ **اکتسابی مرحلہ**۔ اپنے تجربات کی روشنی میں کوہلر نے اکتساب کے کچھ مراحل بیان کیے جو کہ حسبِ ذیل ہیں۔

- ☆ جائزہ (Survey)
- ☆ جھجھک (Hesitation,Pause)
- ☆ کوشش (Trial)
- ☆ نئی کوشش In first trial fail, new trial)
- ☆ اکتساب (Learning)

بقول گیسٹالٹ سیکھنے کا عمل کئی مراحل میں ہوتا ہے۔ سب سے پہلے تو سیکھنے والا یا اکتساب کرنے والا پورے ماحول کا، پوری حالات کا بغور جائزہ لیتا ہے۔ پھر عمل کرنے میں یا کوشش کرنے میں جھجھکتا ہے کہ یہ عمل کامیاب ہوگا کہ نہیں۔ پھر تیسرے مرحلے میں وہ کوشش کرتا ہے جس طرح تجربہ میں سلطان نے کیلا حاصل کرنے کی پہلی کوشش کی۔ چوتھے مرحلے میں اگر سابقہ میں کوئی کوشش ناکام ہوگئی تو اس کا دوبارہ/ ارتکاب

نہیں کرتا بلکہ پھر سے دوبارہ نئ کوشش کرتا ہے اور یہ نئ کوشش اپنی عقل، فہم، ادراک وبصیرت کو استعمال کر کے ہی کرتا ہے یہاں تک کہ اس شے کو سیکھ لیتا ہے۔

☆ **اکتساب کے اصول(Principles of Learning)**

سلطان پر کیے گیے تجربات کی روشنی میں کوہلز نے کچھ اہم اصول وضع کیے ہیں۔جن کو ہم بصیرتی اکتساب کا اصول کہتے ہیں۔تو آیئے ہم آپ کو ان اصولوں سے واقف کرواتے ہیں۔

☆ تنظیم کا اصول(Principle of Organisation)-اس اصول کے مطابق سیکھنے کے عمل میں تنظیم یعنی کہ Organisation بہت ہی اہمیت کا حامل ہے۔اگر ہم کسی بھی چیز کو منظّم طور پر سیکھیں گے تو اکتساب میں آسانی ہوگی۔اس لیے معلم کو یہ چاہیے کہ تدریسی فرائض انجام دیتے وقت پورے مواد کو ایک تنظیمی ڈھانچے میں منظّم طور پر تیار کر لے پھر اس کی ترتیب بنا لے۔اگر ایک ترتیب کے ساتھ موادِ مضمون کو طلبا کے سامنے پیش کیا جائیگا تو ان کو سمجھنے میں کافی آسانی ہوگی۔

☆ نزدیک کا اصول(Law pf Nearness/Proxomity) یعنی کہ ہم اگر کسی چیز کے بارے میں سیکھنا یا اکتساب کرنا چاہتے ہیں تو اس کو قریب سے دیکھیں، اس کے پاس جا کر سیکھیں تو بہتر اکتساب ہوگا۔مثال کے طور پر اگر ہم طلبا کو تاج محل کے بارے میں درس دینا چاہتے ہیں تو سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ طلبا کو تاج محل کے پاس لے جایا جایے۔ٹھیک اسی طرح ہم اگر چار مینار کے بارے میں کچھ معلومات فراہم کرنا چاہتے ہیں تو طلبا کو چار مینار کا باقاعدہ سیر کرائیں۔جب طلبا تاج محل اور چار مینار کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے تو اس کا مکمل خاکہ ان کے ذہن میں آئے گا اور اکتساب بالکل مستحکم ہو جائے گا۔

☆ یکسانیت کا اصول(Law of Similarity)اس نظریہ میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ حالات اور مسائل کی نوعیت میں یکسانیت ہو تو اکتساب بہتر ہوگا۔مثال کے طور پر اگر ہم ایک طالب علم کو جوڑ سکھانا چاہتے ہیں تو صرف جوڑ ہی سکھائیں، اسے گھٹانا سکھائیں گے تو دشواری ہوگی۔اس لیے سب سے پہلے جوڑنے کے پورے تصورات سمجھائیں پھر دوسری نشست میں گھٹانا سکھانے کی کوشش کی جائے تو بہتر نتائج سامنے آئیں گے۔

☆ آسانی کا اصول(Law of Simplicity)اس اصول کے تحت عمل کرتے ہوئے ایک معلم کو کسی بھی عنوان کے تصورات کو سمجھانے کے لیے آسان سے آسان طریقہ جو طلبا کی ذہنی استطاعت کے مطابق ہو استعمال کرنا چاہیے اور ایسی مثالیں پیش کرنی چاہیں جن کا رشتہ طالب علم کی زندگی سے ہو۔سارا منظر اس کے سامنے آجائے اور تصور بالکل واضح ہو جائے۔اس تعلق سے آسان زبان، عام فہم انداز، سادہ اسلوب اختیار کرنی چاہیے جس سے کہ طلبا کو سبق سمجھنے میں کسی بھی قسم کی کوئی دشواری نہ ہو۔

☆ کمرۂ جماعت میں اطلاق/تعلیمی مضمرات(Educational Implication) اس نظریہ کے مطابق انسان جو بھی سیکھتا ہے اس میں بصیرت یعنی کہ عقل، فہم، شعور ادراک شامل ہوتا ہے۔چوں کہ انسان اشرف المخلوقات ہے اور یہ درجہ اسے عقل وفہم کی بنیاد پر ہی دیا گیا ہے۔اس لیے کہ وہ کسی بھی چیز کو سیکھنے کے لیے اپنی عقل اور سمجھ بوجھ کا استعمال کرتا ہے۔اس لیے معلم کو بھی یہ چاہیے کہ طلبا کی عقل وفہم کے مطابق اسے تدریس دیں اور ہمیشہ ان کو اس بات کی طرف راغب کریں کہ سیکھنے کے عمل میں اپنی ذہنی صلاحیتوں کا بہتر سے بہتر استعمال کرتے ہوئے موادِ مضمون کو سمجھنے کی کوشش کریں۔جن میدانوں میں مددگار ہو سکتا ہے وہ حسبِ ذیل ہیں:

☆ عمل کے ذریعے اکتساب کو فروغ ملتا ہے۔

☆ تخلیقی صلاحیتوں کوفروغ دینے ،کام کو نئے طور پر کرنے اورغور وفکر کی صلاحیت کوفروغ دینے میں مددگار رہوتا ہے۔

☆ موثر اکتساب کے لیے ''کل''یعنی کہ Whole کا طریقہ جز یعنی کہ Part سے بہتر ہے۔

☆ اس اکتسابی نظریہ میں مقاصد کا بہت ہی اہم رول ہوتا ہے۔

☆ دریافت (Inventions) اور ایجادات (Discoveries) کے لیے بھی معاون ہے۔

☆ مسائل کو حل کرنے میں مددگار رہوتا ہے۔

☆ Reasoning،Thinking اور Imagination کو پروان چڑھانے میں مددگار ہے۔

☆ تعمیری (Constructive) اور تخلیقی صلاحیتوں (Creativity) کو بڑھاوا ملتا ہے۔

5.5.5 سماجی اکتساب کا نظریہ (Social Learning Theory)

اس نظریہ کو البرٹ بندورا (Albert Bandura) نامی ماہر نفسیات نے پیش کیا ہے۔ بندورا کے مطابق اکتساب ایک سماجی عمل ہے یعنی کہ ہر بچہ، ہر شخص، ہر انسان جو کچھ بھی سیکھتا ہے یا اکتساب کرتا ہے وہ سماج سے ہی سیکھتا ہے۔ اسی لیے اس نظریہ کا نام سماجی اکتساب کا نظریہ رکھا گیا۔ ہم سب کو معلوم ہے انسان ایک سماجی حیوان ہے وہ سماج میں رہتا ہے، سماج میں رونما ہونے والی چیزوں کو دیکھتا ہے، ان کا مشاہدہ کرتا ہے اور ان کے اثرات کو اپنے اندر داخل کرتا ہے۔ سماج میں رونما ہونے والے واقعات، حادثات، تجربات سے وہ بہت کچھ سیکھتا ہے۔ چوں کہ ایک بچہ اپنے اردگرد کے ماحول کا مشاہدہ کرتا ہے۔ بڑوں کے عمل کو دیکھتا ہے۔ ان تمام چیزوں کو دیکھنے، مشاہدہ کرنے اور سمجھنے کے بعد ان کی باتوں یا چیزوں کو دہرانے کی یا سیکھنے کی کوشش کرتا ہے جو اسے اچھی لگتی ہیں یا تقویت (Reinforcement) فراہم کرتی ہیں، اس لیے اس نظریہ کو ہم مشاہداتی اکتسابی نظریہ یعنی کہ (Observation Theory of Learning) بھی کہتے ہیں۔ ایک اور خاص بات اس اکتسابی نظریہ کی ہے۔ بقول بندا اور سیکھنے والا آنکھ سے دیکھی ہوئی ہر چیز کو نہیں دہراتا یا نقل کرتا ہے بلکہ ان ہی چیزوں کو دوہراتا یا کرنے کی یا سیکھنے کی کوشش کرتا ہے جو اس کے من کو بھائے، اسے اچھی لگے۔ اس بات سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص، جس واقعے اور جس حادثے سے انسان متاثر ہوتا ہے اسی کو سیکھتا یا عمل کرتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک طالب علم کو اپنے ایک استاد کے بات چیت کرنے کا طریقہ بہت اچھا لگتا ہے تو وہ اسی طرح گفتگو کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ایک کرکٹ کھیلنے والے بچے کو سچن تندولکر کے بیٹنگ کی اسٹائل اچھی لگتی ہے تو وہ بھی بلے بازی کرتے وقت تندولکر کی ہی طرح بلے بازی کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر ہمیں کسی فلمی ہیرو یا ہیروئن کا لباس اچھا لگتا ہے تو ہم اس طرح کے لباس کو پہننا پسند کرتے ہیں۔ اسی طرح نہ جانے ہم کتنی مثالوں کو آپ کے سامنے پیش کر سکتے ہیں۔ اب آپ بھی غور کیجیے کہ ہم اپنی زندگی میں کن کن چیزوں کو دوسروں کی نقل کر کے سیکھنے میں استعمال کرتے ہیں۔ یعنی کہ ہر شخص کسی نہ کسی کا مخصوص انداز Follow کرتا ہے اور اپنی زندگی میں کوئی نہ کوئی رول ماڈل رکھتا ہے اور اپنے آپ کو اسی سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کرتا ہے۔ اسی لیے ہم اس اکتسابی نظریہ کو ماڈلنگ اکتسابی نظریہ (Modelling Learning Theory) کے نام سے بھی جانتے ہیں۔

اس نظریہ کو پیش کرنے سے پہلے بندورا بہت فکر مند رہتے تھے کہ کیا وجہ ہے آج کا نوجوان کافی غصہ ور یعنی کہ Aggressive ہے۔ اس حقیقت کا پتہ لگانے کے لیے انہوں نے بڑی کوشش کی، تحقیق کی۔ تحقیق کے بعد ان پر یہ عیاں ہوا کہ نوجوانوں کے قول وفعل میں، ان کی

برتاؤ میں، ان کی بات چیت کرنے کے طریقوں میں، ان کے لباس میں، ان کی باتوں کے اسٹائل میں فلموں کے گہرے اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ اورنو جوان نسل فلموں کے اثرات کوسب سے زیادہ اپنی زندگی کا حصہ بنا رہی ہے۔ اس بات سے ہم بخوبی واقف ہیں کہ فلم میں ایک ہیرو ہوتا ہے، وہ سماج کے ہر حالات خواہ وہ کیسے بھی ہوں ان سے اکیلے مقابلہ کرتا ہے۔ سماج کے تمام بندھنوں کو توڑتا ہے اور آخر میں جیت اُسی کی ہوتی ہے، اسی لیے تو وہ ہیرو کہلاتا ہے۔ چوں کہ ہم سب کو معلوم ہے کہ عمر کا 14 واں تا 18 واں سال ایسا ہوتا ہے جس میں ایک انسان نہ تو مکمل طور پر ناسمجھ ہوتا ہے نا ہی مکمل طور پر سمجھ دار۔ یعنی کہ یہ عمر نابالغ اور بالغ کے درمیان کی ہوتی ہے۔ نتیجتاً جو چیز اس کے دل ودماغ کو متاثر کرتی ہے وہ اس کی نقل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اپنی زندگی کا حصہ بناتا ہے۔ اور فلموں میں چوں کہ Aggression بہت زیادہ دکھایا جاتا ہے اس لیے نوجوان کے برتاؤ میں Aggression شامل ہوتا ہے۔

بندورا نے ماڈل کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک تو حقیقی زندگی کے ماڈل اور دوسرا علامتی ماڈل

(1) حقیقی زندگی کے ماڈل (Real Life Model)

(2) علامتی ماڈل (Symbolic Model)

حقیقی زندگی کے ماڈل وہ لوگ ہوتے ہیں جن کو ایک سیکھنے والا اپنے ماڈل کے طور پر سمجھتا ہے اور جب کوئی بھی بچہ یا انسان اپنی زندگی میں ماڈل رکھتا ہے تو وہ اپنے ماڈل کی ہر بات کو، ہر عمل کو، ہر برتاؤ کو، ہر طریقے کو اپنی زندگی میں بھی اُتارنے کی کوشش کرتا ہے۔

یہ ماڈل ایک بچہ کے لیے اس کے والدین ہو سکتے ہیں۔ اس کے اساتذہ ہو سکتے ہیں، دوست واحباب ہو سکتے ہیں، فلموں کے ہیرو اور ہیروئن ہو سکتے ہیں، مختلف کھیلوں کے کھلاڑی ہو سکتے ہیں، سپاہی یا رہنما ہو سکتے ہیں، سماج کا کوئی بھی کامیاب شخص بھی ہو سکتا ہے۔

انسان اپنی زندگی میں علامتی ماڈل سے بھی بہت کچھ سیکھتا ہے جن میں کتابیں، فلمیں، ٹیلی وژن، تصاویر، اخبارات، رسائل وجرائد وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ یعنی کہ کتاب کا مطالعہ کرتے وقت اگر کوئی بات ہمیں بہت اچھی لگی، ہمارے دل کو چھوگئی تو ہم اس بات کو اپنی زندگی کا حصہ بنا لیتے ہیں اور اس سے سیکھی ہوئی باتوں پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہم سنیما اور فلموں سے بھی بہت کچھ سیکھتے ہیں۔ جیسا کہ بندورا نے ثابت کیا کہ نوجوان نسل کے برتاؤ میں فلموں کا سب سے زیادہ عمل دخل ہے۔ اسی طرح ہم مصوری یا تصاویر دیکھ کر بھی ان کے Messages جو ہمیں اچھی لگتی ہیں، انہیں اپنی زندگی کا حصہ بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح ہم اخبارات، رسائل وجرائد میں لکھی گئی ان باتوں کو اپنے قول وفعل کا حصہ بناتے ہیں جو ہم کو متاثر کرتی ہیں۔ اس دنیا میں ان گنت ایسی مثالیں موجود ہیں جن میں لوگوں نے لکھی ہوئی باتوں پر عمل کرتے ہوئے اپنی زندگی کو تبدیل کر دیا۔ اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ رول ماڈل اکتساب میں بہت ہی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔

نمونہ کے انتخاب کے عوامل (Factors for Selection of Models)

اس نظریہ کے مطابق جب ایک بچہ یا انسان اپنے رول ماڈل کا انتخاب کرتا ہے تو اس کے مختلف وجوہات ہوتے ہیں جن کو ہم عوامل بھی کہہ سکتے ہیں۔ تو آئیے یہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ نمونہ یا رول ماڈل کے انتخاب میں کون کون سے عوامل کارفرما ہوتے ہیں۔

☆ عمر۔ عمر مختلف عوامل میں سب سے اہم ہے۔ کیوں کہ ہم دیکھتے ہیں کہ بچے زیادہ تر اپنے رول ماڈل کے طور پر ان ہی نمونوں کا انتخاب کرتے ہیں جو ان کی عمر سے مناسبت رکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر ڈوری مان، چھوٹا بھیم، شکتی مان وغیرہ۔ اسی طرح نوجوان فرد نوجوان کو اپنا رول ماڈل بناتے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح معمر افراد بھی معمر افراد کو ہی رول ماڈل کے طور پر منتخب کرتے ہیں۔ ایسا بہت کم ہی ہوتا ہے کہ کوئی بوڑھا فرد اپنے ماڈل کے طور پر ڈوری مان کا انتخاب کرتا ہے اور ایک چھوٹا بچہ اپنے ماڈل کے طور پر مولانا آزاد یا

گاندھی جی کا انتخاب کرتا ہے۔

☆ جنس(Sex)- یہ بات بھی روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ ایک مرد کسی مرد کو ہی رول ماڈل کے طور پر اپنا تا ہے اور ایک خاتون بھی خاتون کو ہی اپنا رول ماڈل بناتی ہیں۔ اکثر و بیشتر نوجوان لڑکے کسی فلمی ہیرو کو اپنا رول ماڈل بناتے ہیں تو لڑکیاں فلمی ہیروئن کو ہی رول ماڈل بناتی ہیں۔ یہ دیکھنے میں بہت کم آتا ہے کہ مخالف جنس کو کوئی اپنا رول ماڈل بناتا ہے۔

☆ رتبہ(Status)- اکثر و بیشتر ان ہی افراد کو رول ماڈل کے طور پر منتخب کیا جاتا ہے جن کا سماج میں کافی بلند مرتبہ، مقام یا رتبہ ہوتا ہے۔ اگر آپ غور فرمائیں گے تو محسوس ہوگا کہ انہیں افراد کو ماڈل کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے یا رول ماڈل بنایا جاتا ہے جنہوں نے دوسروں سے ہٹ کر اعلیٰ کارکردگی کا اپنے اپنے میدانوں میں مظاہرہ کیا ہے۔ مثال کے طور پر گاندھی جی، مولانا آزاد، سچن تندولکر، ایم ایف حسین، شاہ رخ خان اور نہ جانے کتنے۔ بہر کیف زیادہ تر اعلیٰ رتبہ والا شخص ہی ماڈل بنتا ہے۔

☆ اکتساب کے اہم اجزا(Important Components of Learning)

اس اکتسابی نظریہ کے جو چار اہم اجزا ہیں وہ نیچے پیش کیے جا رہے ہیں۔

(1) توجہ(Attention)- اکتساب کے میدان میں توجہ کی بڑی اہمیت ہے یعنی کہ ہم جس چیز کو توجہ کے ساتھ دیکھتے ہیں، سنتے ہیں، مشاہدہ کرتے ہیں وہ چیز ہمیں بہتر طور پر یاد ہو جاتی ہے اور ہم سیکھ جاتے ہیں۔ اس لیے یہ بات ہمیشہ کی جاتی ہے کہ معلم کو چاہیے کہ طلبا کو وہ بار بار بتائیں کہ بہتر اکتساب کے لیے پوری توجہ کے ساتھ وہ باتوں کو سنیں، دیکھیں اور سمجھیں۔ اگر استاد کی باتوں کو طلبا توجہ کے ساتھ سنیں گے، دیکھیں گے اور سمجھنے کی کوشش کریں گے تو ان کو سیکھنے میں کسی بھی قسم کی دشواری نہیں ہوگی۔

(2) یاد رکھنا/ ذہن نشیں کرنا/محفوظ رکھنا(Retention) یہ کہا جاتا ہے کہ ہم اپنے اکتساب کا تقریباً 70 فیصد حصہ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر سیکھتے ہیں۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اکتساب کے میدان میں آنکھو کی اہمیت کان سے زیادہ ہے، تبھی تو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھی ہوئی چیزوں کو کبھی نہیں بھولتے۔ اس لیے یہ استاد کی ذمہ داری ہے کہ تدریسی فعل انجام دیتے وقت ان وسائل کا زیادہ سے زیادہ استعمال کرے جن کو ہم تدریسی وسائل کے نام سے، اکتسابی وسائل کے نام سے، معاون اشیا کے نام جانتے ہیں۔ یہ تمام وسائل ماڈل کی شکل میں، چارٹ کی شکل میں، ریڈیو و ٹیلی ویزن کی شکل میں کمپیوٹر یا انٹرنیٹ کی شکل میں، تصاویر کی شکل میں دورانِ تدریس استعمال کیے جاسکتے ہیں۔

(3) برتاؤ کے ذریعے عمل کرنا (Behavioural Production) اس کا مطلب یہ ہے کہ جو جو باتیں ہم سنتے ہیں، دیکھتے ہیں، مشاہدہ کرتے ہیں، انہیں اگر اپنی زندگی کا حصہ بناتے ہیں تو عمل کے ذریعے اپنے برتاؤ میں شامل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک نوجوان جب فلم یا سنیما دیکھتا ہے تو ان باتوں کو دہراتا ہے جو باتیں اسے متاثر کرتی ہیں۔ اسی طرح ایک فرد اپنے رول ماڈل کی تمام چیزوں پر عمل کرتا ہے یا اپنی برتاؤ کا حصہ بناتا ہے۔ اس لیے معلم کو چاہیے کہ طلبا کے سامنے ایک بہترین ماڈل کے طور پر اپنے آپ کو پیش کریں کیوں کہ اکثر و بیشتر طلبا اپنے اساتذہ کی نقل کرتے ہیں جن میں ان کی بات چیت یا گفتگو کرنے کا طریقہ، حرکات وسکنات، لباس، چال چلن، رہن سہن وغیرہ کافی اہمیت کے حامل ہیں۔

(4) محرکہ/تحریک اور تقویت(Motivation & Reinforcement) درس و تدریس میں محرکہ اور تقویت کا بڑا ہی اہم رول ہے۔ اس لیے معلم کو یہ چاہیے کہ طلبا کو ہمیشہ اچھے کام، اچھے اعمال کرنے کی ترغیب دیں اور اگر کوئی طالب علم غیر معمولی کارکردگی کا مظاہرہ

کرے تو اسے شاباشی دے، اہم رتبہ، میڈل، سرٹیفکیٹ وغیرہ ستائش کے طور پر پیش کرے تا کہ اس طالب علم کے اندر حوصلہ اور جذبہ پروان چڑھے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ دوسرے طلبا کو بھی نصیحت ملے گی۔ اگر ایسا کیا گیا تو بلاشبہ اچھے نتائج برآمد ہوں گے اور طلبا کے اندر اکتساب کے تئیں مثبت رویہ پروان چڑھے گا اور وہ کامیابی کے بام عروج تک پہنچ جائیں گے۔

☆ کمرۂ جماعت میں اطلاق/تعلیمی مضمرات (Educational Implication) ایک معلم ماڈل کے طور پر اپنے طالب علموں کے اندر اکتساب کے تئیں اہم رول ادا کرسکتا ہے۔ معلم کی پوری شخصیت طالب علموں کے لیے مشعل راہ ہوتی ہے اس لیے اسے چاہیے کہ طلبا کے اندر اچھی سوچ وفکر، اچھے احساسات، خیالات وجذبات اور ساتھ ہی ساتھ اچھے اعمال کو کرنے کی ترغیب دیں۔

مختصر میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس اکتسابی نظریہ کا اطلاق شخصیت کے تینوں پہلوؤں پر یکساں طور پر مفید اور کارآمد ہے جن میں وقوفی/ادراکی حلقہ (Cognitive Domain)، جذباتی حلقہ (Affective Domain) اور نفسی وحرکی حلقہ (Psycho - motor Domain) شامل ہیں۔

5.6 اکتسابی منتقلی (Transfer of Learning)

اکتسابی منتقلی کا تصور، منتقلی کے اقسام، مثبت منتقلی کے فروغ میں معلم کا رول۔

یہ ایک بہت ہی دلچسپ سوال ہے کہ ایک کام کو سیکھنے سے کسی دوسرے اور بالکل نئے کام کو سیکھنے میں مدد مل سکتی ہے یا رکاوٹ پیش آتی ہے۔ اگر ایک کام کو سیکھنے کی ترتیب دوسرے کو سیکھنے میں کام آتی ہے تو وہ اکتساب کی منتقلی کہلاتی ہے۔ سب سے پہلے ولیم جیمس نے کئی تجربات خود پر کیے ہیں اور ان تجربات کی بنا پر یہ ثابت کیا ہے کہ اکتساب کسی بھی صورت میں منتقل نہیں ہوتا۔ تھارن ڈائک نے بھی مختلف جانوروں پر تجربات کیے اور ثابت کیا کہ اکتساب کی منتقلی ناممکن ہے۔ لیکن بعض ماہرین نفسیات کا خیال ہے کہ ہر قسم کی حالتوں میں اکتساب منتقل نہیں ہوتا لیکن بعض مخصوص حالتوں اور کاموں میں ایک کام کے سیکھنے سے دوسرے کا یعنی نئے کام کرنے میں مدد ملتی ہے۔ یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب کہ سابقہ سیکھے ہوئے کام اور نئے سیکھے جانے والے کام کے مواد میں مشابہت پائی جاتی ہو اور اس کے سیکھنے کے طریقوں میں مشابہت ہو اصولوں میں بھی مشابہت ہو ایسی صورت میں اکتساب کی منتقلی ممکن ہے۔ مثلاً ٹائپ رائٹر سیکھنے والے کو کمپیوٹر سیکھنے میں مدد ملتی ہے۔ سب سے پہلے ولیم جیمس نے با قاعدہ تجربات کیے جن میں سے زیادہ تر تجربات اس نے خود اپنے اوپر ہی کر کے دیکھے۔ اس نے ان تجربات کے ذریعے یہ بھی معلوم کرنے کی کوشش کی کہ ایک کتاب کے کچھ حصے یاد کرنے کی مشق دوسری کتاب کے حصوں کو یاد کرنے کی صلاحیت تیز کرتی ہے۔ اس کے نتائج نے ثابت کیا کہ اکتساب منتقل ہوسکتا ہے۔ تھارن ڈائیک نے بھی مختلف جانوروں پر تجربات کر کے معلوم کرنا چاہا کہ ایک قسم کی صورتحال میں اکتساب حاصل کر کے دوسرے نئے مسئلے کو مثبت طور پر سکھایا جاسکتا ہے لیکن اس کے نتائج بھی اکتساب کے منتقل ہونے کے قریب نہیں ہیں۔ لیکن دیگر ماہر نفسیات کے تجربات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ملتے جلتے کاموں میں ایک کے سیکھنے سے دوسرے کے سیکھنے میں مدد ملتی ہے۔

Scorience کے مطابق:

''اکتساب کی منتقلی سے مراد معلومات، تربیت اور عادتیں جو اپنائی جاتی ہیں ایک مخصوص حالت سے دوسری حالتوں میں منتقل ہو جاتی ہیں۔ یعنی تبادلہ اکتساب نہ صرف مہارتوں میں ہوتا ہے بلکہ عادتوں، دلچسپیوں اور رویوں کی تبدیلی میں بھی واقع ہوتا ہے۔

5.6.1 اکتساب کی منتقلی کے اقسام:

اکتساب کی منتقلی کو چار قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(1) مثبت اکتسابی منتقلی (Positive Transfer of Learning)

(2) منفی اکتسابی منتقلی (Negative Transfer of Learning)

(3) صفر اکتسابی منتقلی (Zero Transfer of Learning)

(4) دوجانبی اکتسابی منتقلی (Bilateral transfer of Learning)

(1) مثبت اکتسابی منتقلی (Positive Transfer of Learning)

سابقہ سیکھے ہوئے مواد میں اور جدید سیکھے جانے والے مواد میں کچھ مشابہت ہوتی ہے تو ایسی منتقلی کو مثبت اکتسابی منتقلی کہا جاتا ہے۔ مثلاً ریاضی کا سیکھا ہوا طالب علم، طبیعات کو بھی آسانی سے سیکھ سکتا ہے کیوں کہ ریاضی اور طبیعات کا تعلق قریبی ہوتا ہے اس کی مساوات میں مشابہت پائی جاتی ہے۔اسی طرح کار چلانے والا بس بھی چلا سکتا ہے۔

(2) منفی اکتسابی منتقلی (Negative transfer of Learning)

اگر ایک حالت اکتساب دوسرے اکتسابی حالت پر خراب اثر ڈالتا ہے تو اسے منفی اکتسابی منتقلی کہتے ہیں۔ مثلاً اگر کوئی طالب علم Put لکھنا، پڑھنا سیکھتا ہے تو وہ بٹ But کو بھی اس کا تلفظ بُٹ کہے گا۔ لہٰذا سابقہ میں سیکھے ہوئے مواد یا مہارتوں میں نئے سیکھے جانے والے مواد فائدہ کے بجائے نقصان پہنچتا ہے تو ایسی منتقلی کو بھی منفی اکتسابی منتقلی کہا جاتا ہے۔

(3) صفر اکتسابی منتقلی (Zero Transfer of Learning)

سابقہ سیکھے ہوئے مواد یا مہارتوں میں جدید سیکھے جانے والے مواد یا مہارتوں کا دور دور تک کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ ایسی اکتسابی منتقلی کو صفر اکتسابی منتقلی کہا جاتا ہے۔ مثلاً جیسے کوئی طالب علم انگریزی زبان سیکھتا ہے اس کے بعد عربی زبان سیکھتا ہے۔ انگریزی زبان اور عربی زبان کا دور دور تک کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ نہ اس سے فائدہ ہوتا ہے اور نہ ہی نقصان۔ ایسی اکتسابی منتقلی کو صفر اکتسابی منتقلی کہا جاتا۔

(4) دوجانبی اکتسابی منتقلی (Bilateral Transfer of Learning)

اس قسم کی منتقلی کو دوسرے معنی میں مثبت اکتسابی منتقلی بھی کہا جاتا ہے۔ اگر کوئی فرد کسی مواد یا مہارتوں کو دائیں ہاتھ سے سیکھ سکتا ہے اگر کوشش کرے تو بائیں ہاتھ سے بھی کر سکتا ہے۔ ایسی اکتسابی منتقلی کو دوجانبی اکتسابی منتقلی کہا جاتا ہے۔

5.6.2 منتقلی کے نظریے

- ☆ دماغی قوتوں کا نظریہ
- ☆ دماغی تربیتی ضابطے کا نظریہ
- ☆ یکساں عناصر کا نظریہ
- ☆ عمومیت کا نظریہ
- ☆ عام اور خاص عناصر کا نظریہ
- ☆ دماغی قوتوں کا نظریہ:

یہ نظریہ تربیت کی منتقلی کا سب سے قدیم نظریہ ہے۔ اس میں غور وخوص مثالیں حافظہ تخیل وغیرہ قوتیں ایک دوسرے سے آزاد ہیں۔

ان کے آپسی رشتے کو جدا نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ ان کی علاحدہ علاحدہ تیاری ہو سکتی ہے۔ موجودہ دور کے ماہرین نفسیات نے اس قسم کے نظریہ کو قبول نہیں کیا۔

☆ **دماغی تربیتی ضابطے کا نظریہ:**

دماغی قوتوں کو تربیت کے ذریعے مساوی شکل میں تقسیم کر کے بھی ایک حالت کو اچھی طرح فوقیت دی جا سکتی ہے۔ مگر عام زندگی میں یہ بات سچائی پر پرکھی نہیں جا سکتی ہے کیوں کہ نہ تو ڈاکٹر ایک بہترین انجینئر بن سکتا ہے اور نہ ہی ایک انجینئر ایک بہترین ڈاکٹر بن سکتا ہے۔

☆ **یکساں عناصر کا نظریہ:**

دو کاموں یا مضامین اور خیالات میں جتنی زیادہ مشابہت ہوتی ہے اتنی ہی زیادہ وہ ایک دوسرے مطالعے میں مدد فراہم کرتے ہیں۔ ریاضی کا جاننے والا الطبعیات کے مسئلے آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ جغرافیہ کے معلومات تاریخ مطالعے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ مگر آرٹ سائنس میں مددگار ثابت نہیں ہوتا۔

☆ عمومیت کا نظریہ: اس کے مطابق جو بچہ مضمون کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے اس مضمون میں مہارت رکھتا ہے تو اس کا فائدہ وہ دوسرے مضامین میں اٹھا سکتا ہے۔ تب اس میں اپنی تربیت کو دوسری شکلوں میں تبدیل کرنے کی قوت پیدا ہوتی ہے۔ مثلاً اگر معلم کمرہ جماعت کے تمام بچوں کو نفسیات سے واقفیت کرتا ہو تو بچے اپنے ان معلومات کا استعمال کمرہ جماعت کے مسائل کے حل کرنے کے کام میں کر سکتے ہیں۔

☆ عام اور خاص عناصر کا نظریہ: Spearman کے مطابق ہر فرد میں دو قسم کی ذہانت ہوتی ہے۔ ایک عام ذہانت جس کو G سے ظاہر کیا جاتا ہے۔ دوسری خاص ذہانت جس کو S سے ظاہر کیا جاتا ہے۔

☆ منتقلی کے اس نظریہ میں Spearman کہتا ہے کہ ہمیشہ منتقلی عام ذہانت سے ہی ہوتی ہے۔ مثلاً اگر بچہ جغرافیہ، ریاضی، سائنس کے مضمون کا مطالعہ کرتا ہے تو صرف اپنی تمام ان مضامین سے حاصل کردہ قابلیت کا ہی تبادلہ کرتا ہے۔ خصوصی قابلیتیں یعنی تصورات، مہارتیں وغیرہ کو منتقل نہیں کر سکتا۔

5.6.3 منتقلی کے چند شرائط

Reybur کے مطابق خاص حالت میں منتقلی ممکن ہے وہ مکمل طور پر نہیں ہوتی۔ جزوی طور پر ہوتی ہے۔ وہ بھی اس وقت ممکن ہے جب کہ سازگار ماحول ہو اور سیکھنے والے کے خیالات اور ذہانت کا تعلق ہو۔

(1) سیکھنے والے کی خواہش:

اگر سیکھنے والے کی خواہش ہو تب ہی منتقلی ممکن ہے۔

(2) سیکھنے والے کی تعلیمی لیاقت:

سیکھنے والے کی معلومات اور تعلیمی لیاقت اس معیار کے مطابق ہو جس کی وہ لیاقت حاصل کرنا چاہتا ہے۔

(3) سیکھنے والے کی عام ذہانت:

سیکھنے والے میں جتنی زیادہ عام ذہانت ہوتی ہے اتنا ہی زیادہ وہ تبادلہ کرنے میں کامیاب ہوتا ہے۔

(4) یکساں مطالعہ کا طریقہ:

اگر دو مضامین مطالعے میں مشابہت ہوتو ان کا تبادلہ کچھ حد تک ممکن ہے۔

(5) مضامین کی منتقلی کی خوبی:

مختلف مضامین میں منتقلی کی مختلف خوبیاں ہوتی ہیں۔ کچھ مضامین آسانی سے منتقل ہوتے ہیں اور کچھ مضامین کو منتقل ہونے کے لیے کافی دشواریاں پیش آتی ہیں۔

5.7 حافظہ اور بھولنا(Memory and Forgetting)

حافظہ یا یادداشت ذہن کے اس عمل کا نام ہے جس کے ذریعے کسی چیز کو حاصل کر کے ذہن میں محفوظ رکھا جاتا ہے اور بہ وقت ضرورت اس کو استعمال میں لایا جاتا ہے۔ اکتساب کے عمل میں حافظہ ایک مرکزی حیثیت کا حامل ہوتا ہے۔ اکتساب عملی زندگی میں بھی ایک اہم رول ادا کرتا ہے اور حافظہ اکتسابی عمل میں مثبت عامل کا کردار ادا کر سکتا ہے۔

تعریف:

Wood Worth کے مطابق ''سابق میں سیکھی گئی چیزوں کو یاد رکھنے کا نام ہی حافظہ ہے''۔ حافظہ کسی چیز کو یاد رکھنے کی صلاحیت ہے جس میں سیکھی ہوئی چیزیں تجربات کو ذہن میں محفوظ رکھا جاتا ہے اور بہ وقت ضرورت اسے استعمال میں لایا جا سکتا ہے۔

انسانی زندگی کے لیے حافظہ کافی اہمیت کا حامل ہے۔ گزرے ہوئے واقعات اور تجربات کی یادداشت کے بغیر ہم کسی کام کو سیکھتے ہیں اور نہ ہی اس قسم کی تعلیم و تربیت حاصل کر سکتے ہیں۔

☆ زندگی کے ہر شعبہ اور ہر مرحلے میں انسان اپنی گزری ہوئی زندگی اور تجربات کے سہارے ہی آگے بڑھتا ہے۔

☆ حافظہ کی ضرورت تمام ذہنی کاموں جیسے غور وفکر، تصور و تخیل وغیرہ میں پڑتی ہے۔ اکتساب میں کامیابی کا دارومدار ذہانت سے زیادہ قوت حافظہ پر ہوتا ہے۔ بعض اوقات بہترین ذہن رکھنے والے بچے تعلیم میں پیچھے رہ جاتے ہیں اور کم ذہانت والے بچے حافظہ کی پختگی کی وجہ سے آگے بڑھ جاتے ہیں۔ اس بات سے پتہ چلتا ہے کہ حافظہ انسانی ذہانت سے زیادہ اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ حافظہ ذہن کے اس عمل کا نام ہے جس کے ذریعے ہم سابقہ معلومات اور گزرے ہوئے حالات کو ذہن میں محفوظ کرتے ہیں اور وقت کے ساتھ اسے عمل میں لاتے ہیں۔

5.7.1 حافظہ کے عوامل(Factors of Memory)

(1) حفظ کرنا(Memorising)

(2) یاد رکھنا(Retention)

(3) بازآفرینی/دہرانہ(Recall)

(4) شناخت(Recognition)

(1) حفظ کرنا(Memorising)

کسی بھی چیز کو اپنے دماغ میں محفوظ رکھنا اور بہ وقت ضرورت اسے دہرانہ، جب ہم کوئی نئی بات یا کام سیکھتے ہیں تجربہ حاصل کرتے ہیں تو دماغ کے اعصاب میں مختلف تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں اور اندرونی ترتیب وار تعلق پیدا ہوتا ہے۔ان کی مدد سے دوبارہ اس کام کو دہرانے میں مدد ملتی ہے۔ بار بار مشق اور دہرانے سے اس سے متعلق اعصاب کا راستہ زیادہ ہموار اور مضبوط ہوتا ہے۔ یادداشت کے نقوش دماغ میں جتنے گہرے اور واضح بنیں گے اتنی ہی یاد دیرپا ہوگی اور دہرانا آسان ہوگا اور یہ اس بات پر منحصر ہوگا کہ ہم نے یاد کرنے اور سیکھنے کا عمل مؤثر طریقے سے کیا تھا یا غلط طریقے سے۔

حفظ کرنے کے لیے چند اہم باتوں کی ضرورت:

(1) توجہ

(2) دلچسپی

(3) مناسب ماحول

(4) بامعنی اکتساب

(5) وقفہ

(6) بغیر وقفہ کے مشق کروانا

(7) ناظرہ۔(دیکھ کہ پڑھنا)

(8) عزم۔(پختہ ارادہ)

(2) یادرکھنا(Retention)

یاد کی ہوئی چیز کو دماغ میں محفوظ کیا جاتا ہے۔کسی بھی یاد کی ہوئی چیز کو دوبارہ واقع ہونے میں سہولت ہوتی ہے یعنی اس مخصوص عصبہ Nerves میں اعادہ کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔زندگی کے مراحل میں جو ہمارے سامنے رہنے والی چیزیں اور روزمرہ کی زندگی سے تعلق رکھنے والے واقعات، تمام ہمارے دماغ پر گہرا اور دیرپا نقوش چھوڑتے ہیں۔ دماغ ایک قسم کا Record er ہے جس میں ہمہ قسم کے واقعات Record ہوتے ہیں۔

(3) بازآفرینی(Recall)

بازآفرینی عام طور پر یادداشت کو جانچنے کا ذریعہ مانا جاتا ہے۔اگر کوئی یاد کی ہوئی چیزوں کو آسانی کے ساتھ اور ٹھیک ٹھیک دہرائے تو کہا جاتا ہے کہ اس کی یادداشت بہتر ہے۔

(4) شناخت(Recognition)

کسی شخص، چیز یا جگہ کو دیکھتے ہی پہچان لینا کہ یہ کون یا کیا ہے اور اس کا تعلق کہاں سے ہے، اسی کو شناخت کہا جاتا ہے۔مجموعی اعتبار سے شناخت کا بھی وہی مقصد ہے جو بازآفرینی یا Recall کا ہے۔شناخت کرنا بازآفرینی کے مقابلے میں زیادہ آسان کام ہے۔مثلاً ہم کسی شخص کو دیکھتے ہیں تو صرف اتنا بتاسکتے ہیں کہ اسے کہیں دیکھا ہے۔اس کا نام پتہ کس سلسلے میں ملا تھا، یہ تمام چیزیں Recall کہلاتی ہیں۔

5.7.2 حافظہ کی اقسام (Types of Memory)

(1) اچھا یا برا حافظہ (2) منطقی حافظہ (3) فوری حافظہ

(4) دیرپا حافظہ (5) مخصوص حافظہ

(1) اچھا حافظہ:

عام طور پر اس حافظہ کو اچھا کہا جاتا ہے جس کے ذریعے فرد کم سے کم وقت میں کسی چیز کا مشاہدہ کرے اور اسے دیر تک محفوظ رکھنے اور بہ وقت ضرورتِ اس کو کام میں لایے۔

(2) برا حافظہ:

کوئی کسی چیز کا مشاہدہ کرے اور وہ چیز اس کے دماغ سے نکل جایے اور اس کو بہتر طور سے سمجھ بھی نہ سکے اور بہ وقت ضرورت کام بھی نہ لا سکے تو ایسے حافظہ کو برا حافظہ یا Bad Memory کہا جاتا ہے۔

(3) منطقی حافظہ:

ایسی یادداشت جس میں کوئی شخص کسی عبارت یا مقالہ یا مضمون کو ایک مرتبہ دیکھتا ہے اور اس کے سلسلے میں اپنے تصورات کی روشنی میں اچھے اور برے کا فیصلہ کرتا ہے تو اس قسم کے حافظہ کو منطقی حافظہ کہا جاتا ہے۔

(4) Rote Memory:

ایسی یادداشت جس کی عبارات اور احوال وغیرہ کو بغیر سوچے سمجھے کئی مرتبہ یاد کر لیا جائے جیسا کہ ریاضی کے پہاڑے اور قواعد وغیرہ میں جس طرح سے یاد کیے جاتے ہیں۔ اس کو Rote Memory کہا جاتا ہے۔ 8 تا 12 سال کے بچوں میں قوت حافظہ زیادہ ہوتا ہے کسی بھی چیز یا الفاظ کو بہت جلد رٹ لیتے ہیں۔ اگر انہیں رٹنے کے ساتھ ساتھ مضامین کو حقیقی طور سے سمجھ کر پڑھایا جائے تو یہ دیرپا حافظہ میں محفوظ ہوگا۔

(5) فوری حافظہ:

کوئی واقعہ جو خوشگوار یا ناگوار اچانک پیش آئے تو ذہن میں محفوظ ہو جاتا ہے۔ اس حافظہ کو فوری حافظہ کہا جاتا ہے۔

(6) دیرپا حافظہ:

ایسے واقعات، تجربات، حقائق وغیرہ جو ہماری روزمرہ کی زندگی کے لیے اہمیت کے حامل ہوتے ہیں جن سے ہمیں بار بار واسطہ پڑتا ہے وہ دیرپا حافظہ کے ذریعے ہمارے ذہن میں مستقل طور پر محفوظ ہو جاتے ہیں۔ اس کی افادیت کی وجہ سے ہم اسے بھول نہیں سکتے۔

(7) مخصوص حافظہ:

نفسیاتی مفکرین کی رایے میں مختلف افراد میں مختلف قسم کا حافظہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اس مخصوص حافظہ میں ایسے افراد کے حافظہ کے بارے میں تذکرہ کیا گیا ہے جو مخصوص حافظہ رکھتے ہیں۔ جیسے فنکارانہ صلاحیت رکھنے والے جو راگ راگنی گیت وغیرہ کو ایک مرتبہ سنتے ہیں اور اسے مستقل طور پر یاد رکھتے ہیں۔

مخصوص حافظہ رکھنے والے افراد کی خصوصیات:

☆ شبیہات (Images) کو آسانی سے ذہن میں لانا۔ ایسے لوگ بصری، سمعی، شامہ، ذائقہ جیسے حواس کو آسانی سے دیرپا حافظہ

میں محفوظ کر سکتے ہیں۔

☆ جس شخص کے Auditory Images زیادہ صاف اور واضح ہوں گے وہ لوگ شاعری، فنون لطیفہ وغیرہ کی تکنیک کو بخوبی یاد رکھیں گے۔

☆ **دریافتی شبیہات Inventive Images:**

جن افراد میں اس قسم کے شبیہات ہوتے ہیں ان لوگوں میں پیشہ وارانہ صلاحیت زیادہ ہوتی ہے۔ ڈاکٹر، سائنٹسٹ، پروفیسر اور اچھے وکیل ہوتے ہیں۔

5.7.3 بھولنا (Forgetting):

یادداشت اور بھول کا تعلق ایک دوسرے سے کافی قریب کا ہوتا ہے۔ یادداشت سے جو فائدے حاصل ہوتے ہیں بھولنے سے وہ نقصانات میں تبدیل ہوتے ہیں۔ اکتساب میں جس طرح یادداشت کو اہمیت حاصل ہے اسی طرح بھولنے کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔

انسانی ذہن مختلف یادداشتوں کا مجموعہ ہے۔ ان یادداشتوں میں غیر ضروری یادداشتوں کو بھلانا ضروری ہوتا ہے۔

Munn کے مطابق

''سیکھی ہوئی بات کو یاد رکھنے یا دوبارہ یاد کرنے کی ناکامی کو بھولنا کہتے ہیں''

5.7.4 بھولنے کے اقسام (Types of Forgetting)

☆ حافظہ کے بارے میں جو باتیں بیان کی جا چکی ہیں وہ تمام باتیں بھولنے کے موضوع پر بھی روشنی ڈالتی ہیں۔ مگر بھولنے کا عمل اساتذہ اور طالب علموں کے لیے ایک اہم مسئلہ ہے۔ نفسیاتی مفکرین کی نظر میں عام طور پر بھولنے کے دو اسباب بتائے گئے ہیں۔

(1) Passive Natural Forgetting

(2) Active Morbid Forgetting

(1) Passive Natural Forgetting:

یہ ایسی بھول ہوتی ہے جو انسان شخصی طور پر بھولنے کی کوشش نہیں کرتا البتہ وقت اور حالات اور وقفہ دوسری ایسی وجوہات ہیں جن کی وجہ سے اس کے حافظہ میں خلل پیدا ہو جاتا ہے اور وہ پہلے یاد کی ہوئی چیزوں کو بھول جاتا ہے۔

(2) Active Morbid Forgetting:

یہ ایسی بھول ہے جس میں خود فرد شخصی طور پر بھول جانا چاہتا ہے اور سابقہ تجربات، مشاہدات جن میں اسے کسی قسم کی تکلیف یا ذہنی تناو؟ پیدا ہوا ہے اس قسم کی بھول کو وہ نظرانداز کرتا چلا جاتا ہے۔

5.7.5 بھولنے کے اسباب(Reason of Foregetting)

بھولنے کے حسب ذیل دواسباب ہیں۔

(1) عام اسباب کی بنا پر بھولنا

(a) عدم استعمال (b) مداخلت (c) پس کاری بندش

(2) غیر معمولی اسباب کی بنا سے بھولنا

(a) دماغی بیماریاں (b) دماغی چوٹ (c) توارثی اثرات

عام اسباب کی وجہ سے بھولنا:

(a) عدم استعمال:

کسی بھی اکتساب کے وقت مختلف مضامین، واقعات کو اگر حافظہ میں محفوظ کیا گیا، اس کا استعمال نہ کیا گیا ہو تو وہ حافظہ سے محو ہو جاتا ہے۔

(b) مداخلت:

انسانی دماغ، بچپن سے لے کر جوانی اور بوڑھاپے تک لاتعداد اور لامحدود یادداشتوں کا ذخیرہ ہے۔ کبھی کبھی ان یادداشتوں میں مشابہت ہوتی ہے اور یادداشتوں کے نقوش ایک دوسرے سے اتنے گھل مل جاتے ہیں کہ جس سے ایک دوسری یادداشت میں خلل پیدا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ مختلف قسم کے امتحانات کے لیے مختلف قسم کے مضامین میں مختلف قسم کے سوالات کے جوابات کا تحفظ کرنا پڑتا ہے جس سے ایک دوسرے کے مضامین میں خلل پیدا ہوتا ہے اور ایک دوسرے سے مداخلت کرتے ہیں جس کے نتیجہ میں نقوش غیر واضح ہو جاتے ہیں اور ان کی یادداشت کمزور ہو جاتی ہے۔

پس کاری بندش:

جب ہم کسی نئے کام کو سیکھتے ہیں تو اس کام میں پہلے ہی سے سیکھے ہوئے کام اور اس نئے کام میں کچھ نہ کچھ فرق محسوس کرتے ہیں۔ اسی طرح ہماری روزمرہ کی زندگی میں اتنی مصروفیات ہوتی ہیں ایک کام کو کرنے کے بعد اگر وہ پہلے کام سے مشابہت رکھتا ہو یا دوسرا کام شروع کیا جاتا ہے تو دوسری نئی مصروفیت پیش آتی ہے۔ لہٰذا ہر نیا کام نیا تجربہ یادداشت کے ذخیرہ میں پہنچ کر پہلی یادوں کو متاثر کرتا ہے۔ بھولنے کا سب سے بڑا سبب انہیں اثرات کی بنا پر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی بھی چیز یاد کرنے کے بعد شروع میں بھولنے کی رفتار بہت تیز ہوتی ہے اور پھر بھولنے کا عمل بہت آہستہ اور سست رفتار ہو جاتا ہے۔ یکساں قسم کے کام یا یادداشت پر بھولنے کا اثر زیادہ ہوتا ہے۔

غیر معمولی اسباب کی بنا پر بھولنا:

(a) دماغی بیماریاں:

مختلف قسم کے افراد میں مختلف قسم کی دماغی بیماریاں پائی جاتی ہیں جن کا برائے راست اثر حافظہ اور بھولنے پر پڑتا ہے۔

(b) دماغی چوٹ:

مختلف قسم کے حادثات وغیرہ میں دماغی چوٹوں کی وجہ سے دماغ پر اثر ہوتا ہے۔ حافظہ پر اس کے مضر اثرات مرتب ہوتے ہیں اور اس

کا اثر بھولنے پر بھی ہوتا ہے۔

(c) توارثی اثرات:

کسی بھی فرد میں حافظہ اور بھولنے کا تعلق توارثی اثرات پر بھی منحصر ہوتا ہے۔ کیوں کہ ذہنی، جسمانی نشوونما کا تعلق توارث سے ہوتا ہے۔ لہٰذا ذہین ماں باپ کی اولاد ذہین ہوتی ہے اور غیر تعلیم یافتہ، شرابی، پاگل ماں باپ کے اثرات ان کی اولاد پر بھی اثر پڑتا ہے۔ جس سے ان میں بھولنے کی عادت پیدا ہو جاتی ہے۔

5.7.6 بھولنے کی اہمیت (Importance of Forgetting)

Sigmend Fried کے مطابق انسانی ذہن ناخوشگوار تجربات اور تلخ حقیقتوں کو بھولا دیتا ہے یا اسے دبائے رکھتا ہے۔

بھولنے کے جہاں بہت سے نقصانات ہیں وہیں پر چند فائدے بھی ہیں۔ ہماری زندگی میں لاتعداد واقعات اور تجربات پیش آتے ہیں۔ اگر ہر بات ہمیشہ یاد رہے تو انسانی ذہن میں بگاڑ پیدا ہوگا۔ اور ہر چیز کو ایک دوسرے سے علاحدہ کرنا مشکل ہوگا۔ لہٰذا اس میں غیر ضروری چیزوں کو بھولنا ہی انسانی ذہانت اور دماغ کے لیے مفید ثابت ہوتا ہے۔ انسان کو وہ تمام غم ناک حادثات جو اس کی زندگی میں پیش آئے تھے اسے ہمیشہ کے لیے اگر یاد رکھتا ہے تو اس کی زندگی مشکل ہو جائے گی اور وہ ذہنی پریشانیوں اور الجھنوں میں مبتلا ہو جائے گا جس سے اس کے دماغ اور حافظہ پر مضر اثرات مرتب ہوں گے۔

5.7.7 بھولنے پر اثر انداز ہونے والے عوامل؛

(1) بھولنے کا تعلق حافظہ اور اکتساب سے

(2) بھولنے کا تعلق حافظہ اور تکان سے

(3) بھولنے کا تعلق حافظہ اور محرکہ سے

(1) بھولنے کا تعلق حافظہ اور اکتساب سے

حافظہ کا تعلق بچوں کے اکتساب میں کافی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ حافظہ کے بغیر اکتساب مؤثر طریقے سے ترقی نہیں پا سکتا۔ تحقیقات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ بچوں کا حافظہ سات سال کی عمر سے لے کر 15 سال کی عمر تک کافی تیزی سے ترقی کرتا ہے۔ 15 سال کی عمر کے بعد اس میں سست رفتاری آتی ہے۔ 50 سال کی عمر تک اس میں کسی قسم کی کمی واقع نہیں ہوتی۔ اس کے بعد انعطاف شروع ہو جاتا ہے۔ جس کی رفتار بھی سست سے سست تر ہوتی رہتی ہے۔ اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ بصری حافظہ، سمعی حافظہ سے کہیں زیادہ قوی ہوتا ہے۔ بچوں کی تعلیم میں وہی معلم کامیاب ہو سکتا ہے جو صرف زبانی پڑھانے پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ انہیں اہم نوٹس، تدریسی مواد اور تختہ سیاہ سے بہترین کام لے کر بصری حافظہ کو قوت دے۔

☆ لڑکیوں کا حافظہ بمقابل لڑکوں کے 14 تا 15 سال کی عمر تک بہت زیادہ تیز ہوتی ہے۔ مگر اس کے بعد لڑکوں سے پہلے ان کے حافظہ کی رفتار گھٹنی شروع ہو جاتی ہے۔

(2) بھولنے کا تعلق حافظہ اور تکان سے

کئی تجربات اور مشاہدات کے بعد پتہ چلایا گیا ہے کہ حافظہ اور تکان کا باہمی تعلق ہوتا ہے لہٰذا کا تکان حافظہ پر براہِ راست اثر پڑتا ہے۔ لہٰذا تھکے مانندے بچے سے کسی چیز کو یاد کرنے یا حفظ کرنے کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

(3) بھولنے کا تعلق حافظہ اور محرکہ سے

حافظہ کے بہترین نتائج کے لیے بچوں میں محرکے کی ضرورت اہم ہوتی ہے۔ بچوں کو وہ چیزیں جو خوب یاد رہتی ہیں جن میں ان کی دلچسپی کا سامان ہوتا ہے مثلاً خوشی، تہوار، کسی عزیز کی شادی، گھریلو تقاریب وغیرہ۔

چنانچہ مدرسے میں بچوں کو وہ اسباق بہ آسانی یاد ہو جاتے ہیں جن میں ان کی دلچسپی کا سامان مہیا ہوتا ہو۔ حافظہ کا دارومدار اور بھولنے کا دارومدار بڑی حد تک دلچسپی اور محرکہ پر ہوتا ہے۔ لہٰذا معلم دوران تدریس بچوں میں بہترین محرکہ پیدا کر کے جیسے Teaching Learning Material استعمال کرتے ہوئے بچوں کی دلچسپیوں کا سامان مہیا کرتا جس سے حافظہ کا تحفظ ہوتا ہے اور بھول کی رفتار کم ہوتی ہے۔

5.7.8 بھول کو کم کرنے کے طریقے:

(a) کسی بھی مضمون کے معنی و مفہوم اور مقصد کو سمجھ کر تدریس دینا

(b) کسی بھی یاد کی ہوئی چیز کا اعادہ بار بار کرنا

(c) کسی بھی چیز کا بار بار مشق کرنا

(d) بچوں میں دلچسپی پیدا کرنا

(e) وسیع اور گہرے مطالعہ کا شوق پیدا کرنا

(f) یادداشت کو قوی بنانا

(g) بہترین ماحول مہیا کرنا

(h) سمعی و بصری آلات کا استعمال کرنا

5.7.9 ہبنگ ہاس کا بھولنے کا خط منحنی (Ebbing Haus's Curve of Forgetting)؛

بھولنا وہ مستقل یا عارضی نقصان ہے جو سیکھی گئی باتوں کو دہرانے اور انہیں شناخت کرنے کی صلاحیتوں سے محروم کر دے۔ دراصل بھولنے کا عمل سیکھنے اور دہرانے کے درمیان ایک لمبے وقفے کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اس بات کو Ebbing Haus جس نے اپنے Forgetting Curves of بھولنے کا منحنی کے ذریعے ثابت کر دکھایا ہے۔ اس نے اس بات کو ثابت کرنے کے لیے ایک تین Syllabal لفظ کا انتخاب کیا اور اس کو Nonsense Syllabal کا نام دیا جیسے۔ BDF۔ NOF۔ CEM۔ اس لفظ کی اچھی مشق کرانے کے بعد اس نے مختلف وقفے دیئے اور پھر یاد کیے گئے۔ اس بے معنی لفظ کو دہرایا گیا تو اسے وقفہ کے لحاظ سے بھول جانے کا فیصد معلوم ہوا۔

Ebbing Haus کے مطابق بھولنے کے خط منحنی کا جدول:

S.No.	بھولنے کی معیاد Time Laps	Amount of Forgetting بھولنے کا فیصد%	
1.	After 20 Minutes بیس منٹ کے بعد	47%	
2.	After 60 Minutes 60 منٹ کے بعد	53%	
3.	After One Day ایک دن کے بعد	66%	
4.	After Two Days دو دنوں کے بعد	72%	
5.	After Six Days چھ دنوں کے بعد	75%	
6.	After Thirty one Days 31 دنوں کے بعد	79%	

5.7.10 یادداشت کو فروغ دینے کے مؤثر طریقے:

طلبا میں یادداشت یا حافظہ کو بڑھانے کے کئی طریقے ہیں کسی شخص میں حافظہ کے چار عوامل، اکتساب، محفوظ رکھنا، دہرانا، شناخت کے وقت واحد میں استعمال سے حافظہ تیز ہوتا ہے۔لیکن طلبا میں حسب ذیل طریقوں کو اپنا کر حافظہ کو تیز کیا جاسکتا ہے۔

(1) ارادی طور پر سیکھنا(Will to Learn)

کسی چیز میں سیکھنے میں سیکھنے والے کی مرضی اور دلچسپی شامل ہو تو وہ چیز اسے دیر تک یاد رہتی ہے ایسی تمام چیزیں جن میں طلبا کی دلچسپی اور مرضی شامل نہیں ہوتی وہ اسے آسانی سے بھول جاتا ہے۔

(2) توجہ اور دلچسپی(Interest and Attention)

کسی چیز کے سیکھنے اور یاد رکھنے میں دلچسپی اور توجہ کا ہونا بہت ضروری ہے ورنہ وہ چیز جلد بھلا دی جاسکتی ہے۔اس لیے اکتساب کے دوران توجہ اور دلچسپی کا خیال رکھنا چاہیے۔

(3) گروپ واری اور ترتیب واری(Grouping and Rhytheming)

گروپ واری الفاظ یا اعداد کے استعمال سے حافظہ کے فروغ اور برقراری میں مدد ملتی ہے۔اس لیے کسی بھی مضمون کے مواد کی تحلیل

اس طرح کی جائے اور طلبا میں پیش کی جائے تو اس کو طلبا آسانی سے اور عام فہم انداز میں یاد کریں گے۔

(4) اکتساب کے بہتر مواقع فراہم کرنا(Arranging better LearningSituation)

ماحول حافظہ کی برقراری میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔ جیسے خاموشی، پرسکون ماحول۔ آوازوں سے دور، تنہائی مہیا کرنے والا ماحول پیدا کیا جایے تو اس سے یاد کرنے میں مدد حاصل ہوتی ہے۔

(5) دہرانا یا مشق کرنا(Repetation and Practice)

حافظہ کے لیے آرام، اچھی نیند، یاد رکھنے کے لیے مشق، اعادہ اور تربیت وغیرہ حافظہ کو تر و تازہ رکھتی ہے۔ اعادہ اگر بہتر انداز میں ہو تو سیکھنے کا عمل اور دہرانے کا عمل تیز ہوتا ہے۔

5.9 یاد رکھنے کے نکات(Points to Remember)

☆ اکتساب سے مراد سیکھنا ہے۔

☆ محرکہ اکتساب کے لیے بے حد ضروری ہے۔

☆ اکتساب کے لیے پختگی کا ہونا ضروری ہے۔

☆ تھارن ڈائیک کے تین اکتسابی قوانین ہیں۔

(i) قانون آمادگی (ii) قانون تاثیر

(iii) قانون مشق

☆ اکتسابی منتقلی کی چار قسمیں ہیں۔

(i) مثبت منتقلی (ii) منفی منتقلی

(iii) صفر منتقلی (iv) دوجانبی منتقلی

☆ حافظہ کے حسب ذیل عوامل ہیں۔

(i) حفظ کرنا (ii) یاد رکھنا

(iii) دہرانہ (iv) شناخت

☆ بھولنے کے حسب ذیل اقسام ہیں

(i) Passive Natural Forgetting (ii) Active Marbid Forgetting

☆ بھولنے کے حسب ذیل وجوہات ہیں:

(i) عام اسباب کی بنا پر بھولنا (ii) غیر معمولی اسباب کی بنا پر بھولنا۔

☆ سعی اور خطا کے اکتسابی نظریہ کو پیش کرنے والے ماہر نفسیات ای۔ ایل تھارن ڈائک ہیں۔ اس نظریہ کے مطابق سیکھنے کا، اکتساب کا عمل کوشش اور غلطی کی مدد سے ہوتا ہے اور سیکھنے سے عمل میں Stimulus اور Response کے مابین رشتہ قائم ہو جاتا ہے۔ اس

لیےاس نظریہ کوConnectionism کے نام سے جانا جاتا ہے۔

- ☆ تھارن ڈائک نے سعی اور خطا کے نظریے کو پیش کرنے کے لیے ایک بھوکی بلی پر تجربہ کیا تھا۔اس نظریہ کے مطابق اکتساب کے مراحل حسب ذیل ہیں۔(1) محرکہ/ضرورت (2) ہدف/مقصد (3) رکاوٹ (4) کوشش (5) اچانک کامیابی (6) صحیح کوشش کا انتخاب (7) مقررعمل۔
- ☆ سعی اور خطا اکتسابی نظریہ کے قوانین/اصول- قانونِ آمادگی، قانونِ مشق اور قانونِ تاثیر اہم ہیں۔
- ☆ مشینی اکتساب مثلاً -لکھنا، ٹائپنگ، کمپیوٹر کی ٹریننگ وغیرہ کے لیے سعی و خطا کا نظریہ بے حد مددگار و معاون ہے۔بہتر اکتساب کے لیے طلبا کو ذہنی طور پر آمادہ کرنا اوران کے اندر مشق کی عادت ڈالنا معلم کی ذمہ داری ہے۔
- ☆ کسی مخصوص سگنل یا مخصوص اشارے یا مخصوص حالات میں کسی مخصوص عمل یا ردّعمل کو مشروط اکتساب کہتے ہیں۔جس اکتسابی عمل میں مہیج (Stimulus) پہلے درکار ہوتی ہے اسے ہم کلاسیکی مشروط اور جس اکتسابی عمل میں عمل یا ردّعمل (Response) پہلے کیا جائے اسے ہم عملی مشروط اکتساب کہتے ہیں۔
- ☆ مشروط اکتساب کے اصول-تقویت کا اصول، وقفہ یا تسلسل کا اصول، معدومیت کا اصول اور ازخود بحالی کا اصول۔
- ☆ طلبا کے اندر نظم وضبط کو فروغ دینے میں، طلبا کے اندر اچھی عادتوں کو فروغ دینے میں، سکھانے میں، زبان دانی کی تربیت میں، طلبا کے اندر ڈر اور خوف کو دور کرنے میں مشروط اکتسابی نظریے اہمیت کے حامل ہیں۔
- ☆ جب ہم سیکھنے کے عمل میں اپنی عقل کا، سمجھ بوجھ کا، فہم وادراک کا وغیرہ کا استعمال کرتے ہیں تو ایسے اکتساب کو بصیرتی اکتساب کہتے ہیں۔اس قسم کے اکتساب میں اکتسابی ماحول کا ہم بطور مجموعی جائزہ لیتے ہیں۔سیکھنے کے عمل میں ''کل'' کی اہمیت ''جز'' سے زیادہ ہے۔
- ☆ بصیرتی اکتساب کے اصول میں تنظیم کا اصول، نزدیک کا اصول، یکسانیت کا اصول اور آسانی کا اصول قابلِ ذکر ہیں۔بصیرتی اکتساب دریافت، ایجادات، غور وفکر کی صلاحیت پروان چڑھانے تخلیقی صلاحیتوں کو فروغ دینے میں بے حد مددگار و معاون ثابت ہوتا ہے۔
- ☆ سماج میں رونما ہونے والے واقعات، حادثات، تجربات اور مشاہدات کے ذریعے سیکھنے کے عمل کو ہم سماجی اکتساب یا مشاہداتی اکتساب کہتے ہیں۔
- ☆ سماجی اکتساب کے مطابق حقیقی زندگی کے ماڈل اور علامتی ماڈل سیکھنے میں بہت اہم رول ادا کرتے ہیں۔
- ☆ سماجی اکتسابی نظریات میں نمونہ کو منتخب کرنے میں جو عوامل کارفرما ہوتے ہیں ان میں عمر، جنس اور رتبہ قابل ذکر ہیں۔
- ☆ سماجی اکتساب کے عمل میں اہم رول ادا کرنے والے اجزا کے طور پر توجہ، یاد رکھنا، برتاؤ کے ذریعے عمل کرنا اور تقویت اہمیت کے حامل ہیں۔
- ☆ شخصیت کے ہر پہلو پر سماجی اکتسابی نظریہ کا اطلاق یکساں طور پر مفید ہے اس لیے ایک معلم کو طلبا کے لیے مثالی نمونہ بننے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ ذہنی، جذباتی اور مہارتوں کے اعتبار سے ان میں مثبت تبدیلی لائی جاسکے۔

5.9 فرہنگ(Glossary)

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
مہیج	Stimulus	جوابی ردعمل	Response
قانونِ شدت	Intensity	تکان	Fatigue
حافظہ	Memory	محرکہ	Motivation
اکتسابی منتقلی	Transfer of Learning	منطقی حافظہ	Logical Memory

5.10 اکائی کے اختتام کی سرگرمیاں(Unit End Activities)

معروضی جوابات کے حامل سوالات؛

(1) کس ماہر نفسیات کے مطابق سیکھنے کا عمل کوشش اور غلطی کا نتیجہ ہے؟

(a) پاؤلو (b) اسکینر (c) کوہلر (d) تھارن ڈائک

(2) کس اکتسابی نظریہ میں چوہے اور کبوتر پر تجربہ کیا گیا؟

(a) سعی اور خطا کا نظریہ (b) کلاسیکی مشروط نظریہ (c) عملی مشروط نظریہ (d) بصیرتی اکتسابی نظریہ

(3) کون سا اکتسابی نظریہ لکھنا سکھانے اور ٹائپنگ سکھانے میں سب سے زیادہ مددگار رہے؟

(a) کلاسیکی مشروط نظریہ (b) سعی اور خطا کا نظریہ (c) بصیرتی اکتسابی نظریہ (d) عملی مشروط نظریہ

(4) کوہلر کے مطابق سیکھنے کے عمل میں سب سے اہم ہے؟

(a) کوشش (b) غلطی (c) عقل وفہم (d) ماحول

(5) کس ماہر نفسیات نے اکتسابی عمل میں Reinforcement کو سب سے زیادہ اہمیت دی؟

(a) کوہلر (b) کوفکا (c) تھارن ڈائک (d) اسکینر

مختصر جوابات کے حامل سوالات؛

(1) سعی اور خطا اکتسابی نظریہ کے بنیادی قوانین بیان کیجیے۔

(2) تھارن ڈائک کے اکتسابی نظریہ کا اطلاق کمرۂ جماعت میں ایک معلم کیسے کرسکتا ہے؟

(3) عملی اکتسابی نظریہ کے اصول اور تعلیمی مضمرات بیان کیجیے۔

(4) سعی اور خطا نظریہ کے پیش کردہ اکتسابی مراحل واضح کیجیے۔

(5) سماجی اکتساب کے اہم خدوخال کو مختصراً بیان کیجیے۔

(6) اکتساب کی تعریف بیان کیجیے۔

(7) اکتساب کے مراحل بیان کیجیے۔

(8) اکتساب کے اصول کو واضح کیجیے۔

(9) اکتساب پر اثر انداز ہونے والے عوامل بیان کیجیے۔

(10) اکتسابی منتقلی سے کیا مراد ہے۔

(11) اکتسابی منتقلی کے اقسام بیان کیجیے۔

(12) اکتسابی منتقلی میں معلم کے رول کو واضح کیجیے۔

(13) بھولنے کے وجوہات بیان کیجیے۔

(14) یادداشت کو فروغ دینے کے لیے موثر طریقۂ کار بیان کیجیے۔

طویل جوابات کے حامل سوالات؛

(1) تھارن ڈائک کے پیش کردہ اکتسابی نظریہ کو تفصیل کے ساتھ بیان کیجیے۔

(2) تجربات کی روشن میں کلاسیکی مشروط اکتسابی نظریہ کو واضح کیجیے اور اس کے تعلیمی مضمرات کو بھی لکھیے۔

(3) اسکینر اور پاؤلو کے اکتسابی نظریات کا تقابلی جائزہ پیش کیجیے۔

(4) بصیرتی اکتساب سے کیا مراد ہے؟ اس کے اصول اور درس وتدریس میں اس کے اطلاق پر روشنی ڈالیے۔

(5) کوہلر نے کس جانور پر تجربہ کیا؟ تجربات کی روشنی میں اکتساب کے مراحل بیان کیجیے۔

(6) اپنا پسندیدہ اکتسابی نظریہ بیان کیجیے اور پسندیدگی کی وجوہات لکھیے۔

5.11 تجویز کردہ مواد (Suggested Readings)

(1) مسرت زمانی (2001)، ''تعلیمی نفسیات کے مختلف زاویے''، ایجوکیشن بک ہاوس، علی گڑھ

(2) تعلیمی نفسیات SCERT، گورنمنٹ آف آندھرا پردیش

(3) شریف خان (2004)، جدید تعلیمی نفسیات، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ

(4) Chuhan, S.S. (1995), Advanced Educational Prychology Vikas Publishing Home Pvt. New DelhiLtd.,

نمونہ امتحانی پرچہ/ Model Examination Paper

اکتساب اور معلم کی نفسیات

Time: وقت 3 گھنٹے	Maximum Marks: 70 جملہ نشانات

ہدایات:

یہ پرچہ تین حصوں پر مشتمل ہے، حصہ اول، حصہ دوم، حصہ سوم۔ ہر جواب کے لیے لفظوں کی تعداد اشارۃً ہے۔ تمام حصوں سے سوالوں کا جواب دینا لازمی ہے۔

ا۔ حصہ اول میں 10 لازمی سوالات ہیں جو کہ معروضی سوالات ہیں / خالی جگہ پُر کرنا/ مختصر جوابوالے سوالات ہیں۔ ہر سوال کا جواب لازمی ہے۔ ہر سوال کے لیے ایک نمبر مختص ہے۔ (10x1=10 Marks)

۲۔ حصہ دوم میں 8 سوالات ہیں۔ اس میں سے طالب علم کو کوئی 5 سوالوں کے جواب دینے ہیں۔ ہر سوال کا جواب تقریباًدو سو (200) لفظوں پر مشتمل ہونا چاہیے۔ ہر سوال کے لیے 06 نمبرات مختص ہیں۔ (5x6=30 Marks)

۳۔ حصہ سوم میں 5 سوالات ہیں۔ اس میں سے طالب علم کو کوئی 3 سوال کے جواب دینے ہیں۔ ہر سوال کا جواب تقریباپانچ سو (500) لفظوں پر مشتمل ہوناچاہیے۔ ہر سوال کے لیے 10 نمبر مختص ہیں۔ (3x10=30 Marks)

حصہ اول

سوال:(1)

(i) نفسیات کسے کہتے ہیں

(a) دماغ کا مطالعہ　(b) طرز عمل کا مطالعہ　(c) شعور کا مطالعہ　(d) ان میں سے کوئی نہیں

(ii) تجرباتی نفسیات کا موجد کسے کہا جاتا ہے؟

(a) بورنگ (Boring)　(b) ہل (Hull)　(c) ونڈٹ (Wundt)　(d) ٹول مان (Tollman)

(iii) نشو نما پر کون سے عوامل اثرانداز ہوتے ہیں؟

(a) توارث　(b) ماحول　(c) (a) اور (b) دونوں　(d) ان میں سے کوئی نہیں

(iv) نفسی تجزیہ کا نظریہ کس نے پیش کیا؟

(a)کوہل برگ (b) فرائڈ(c) ایرکسن (d)پیاجے

(v) درج ذیل میں کونسی کیفیت جذباتی ہے؟

(a) غصہ کی حالت (b) ہنسنے کی حالت(c)رونے کی حالت (d) یہ سبھی

(vi) "ایک فرد کادوسرے فرد سے فرق لازمی طور پر دکھائی پڑتا ہے جو کی عالمی طور پر مسلہ ہے۔" انفرادی فرق کی یہ تعریف کس نے بیان کی؟

(a)اسکنر (b)ٹائیلر (c) ڈریور(d) ڈالٹن

(vii) 'رورزاک سیاہی کے دبھے' شخصیت کی جانچ کے طریقے میں کتنے کارڈ ہوتے ہیں؟

(a) پانچ (b) دس (c) بیس (d) تیس

(viii) سی۔اے۔ٹی۔ شخصیت کی جانچ کس عمر کے بچوں کے لیے مختص ہے؟

(a) 2سے 4سال (b) 2سے 8سال (c) 3سے 10سال (d) 5سے15سال

(ix) دذیل میں کلاؤڈ کی قسم نہیں ہے؟

(a) انٹرا کلاؤڈ (b)پرائیوڈ کلاؤڈ (c) پبلک کلاؤڈ (d) پائی برڈ کلاؤڈ

(x)کس ماہر نفسیات کے مطابق سیکھنے کا عمل کوشش اور خطا کا نتیجہ ہے؟

(a) تھارن ڈائیک (b) پاولو (c) اسکنر (d) کوہلر

حصہ دوم

(2)نفسیاتی اور تعلیمی نفسیات میں فرق واضح کیجیے۔

(3)ایک معلم کے لیے تعلیمی نفسیات کی اہمیت بیان کیجیے۔

(4)نمو اور نشو و نما میں فرق واضح کیجیے۔

(5)انفرادی فرق کے مفہوم کو تعریفوں کے ذریعہ واضح کیجیے۔

(6) شخصیت آیورویدک اور یونانی درجہ بندی کی وضاحت کیجیے۔

(7)واقعاتی طریقہ کار کا استعمال آپ اپنے اسکول میں کیسے کریں گے؟ مختصراً بیان کیجیے۔

(8)سعی و خطا اکتسابی نظریہ کے بنیادی قوانین بیان کیجیے۔

(9)سماجی اکتساب کے اہم خدوخال بیان کیجیے۔

حصہ سوم

(10)نفسیات کا مفہوم نوعیت اور وسعت بیان کیجیے۔

(11) بیاجے کو وقوفی نظریہ کی تفصیلی وضاحت پیش کیجیے۔

(12)ایک معلم کے لیے طلبا میں پائے جانے والے انفرادی فرق کی معلومات کیوں ضروری ہے؟ تفصیل سے بیان کیجیے۔

(13)شخصیت کا تصور واضح کرتے ہوئے اس کی مختلف قسموں کی وضاحت پیش کیجیے۔

(14)تجربات کی روشنی میں کلاسیکی مشروط اکتسابی نظریہ کو واضح کیجیے اور اس کے تعلیمی مضمرات بیان کیجیے۔